فہرست ابواب

عرض مؤلف 4
دیباچہ 8
مقدمہ 10
ہوتی ہے سحر پیدا 12
کرنیں اُبھرتی ہیں 26
خدا کی آواز 42
پہلی پکار 58
طوفانی کشمکش 71
کالی گھٹائیں 84
نازک مرحلے 99
اور۔۔۔"کارواں" بنتا گیا! 113
اَلوداع اے وطن! 126
دعوتِ حق تلواروں کی چھاؤں میں 142
خونِ دِل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات 158
مشعلِ توحید پر آندھیوں کی یلغار 175
اور بت ٹوٹ گئے 192
دَمِ واپسیں 208
محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور میں 221
نعت 223

www.quranurdu.com

سیرت نبوی ایک نئے انداز میں

مُحَمّدِ عَربی

(صلی اللہ علیہ وسلم)

www.quranurdu.com

محمد عنایت اللہ سبحانی

انتساب

ان غیور، خوددار، حوصلہ منداور سر فروش فرزندانِ اسلام کے نام

- جو نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عشق رکھتے،
- جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک ایک ادا پر جان دیتے،
- جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے،
- اور جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لگائے ہوئے چمن کو اپنے خونِ جگر سے سینچنے کا عزم رکھتے ہیں۔

خاکپائے مصطفیٰ
محمد عنایت اللہ سبحانی

www.quranurdu.com

عرض مؤلف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ وَ عَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِیْنَ۔ أَمَّا بَعْدُ!

''محمد عربی''(صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہر حیثیت سے جو مقبولیت حاصل ہوئی اور ہر حلقے میں اس کی جو پذیرائی ہوئی، وہ محتاج بیان نہیں۔ یہ سرتاسر رب کریم کا فضل واحسان ہے، جس پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے، کم ہے۔

آج سے تقریباً 35 سال قبل اس کا پہلا اڈیشن منظر عام پر آیا تھا۔ اس سے پہلے اڈیشن کی ہی جیسی پذیرائی اور مؤلف کی جیسی حوصلہ افزائی ہوئی، وہ اس کے تصور اور اس کے اندازے سے بہت زیادہ تھی۔

اس کے بعد اس کے درجنوں اڈیشن منظر عام پر آئے۔ اور ساری دنیا میں جہاں جہاں اردو پڑھنے اور بولنے والے موجود تھے، ان کے ہاتھوں میں یہ کتاب نظر آنے لگی۔

پھر کچھ ہی عرصہ گزرا کہ ملک کی دوسری بہت سی زبانوں میں اس کے ترجمے ہونے شروع ہو گئے۔ ان زبانوں میں بھی یہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔ یہ خالص اللہ کا فضل ہے جس میں اپنا کوئی دخل نہیں۔

ہمیں خوشی ہے یہ تازہ اڈیشن مزید اہتمام کے ساتھ منظر عام پر آرہا ہے۔ یہ بہت سی مفید ترمیمات اور اضافوں کے ساتھ آرہا ہے۔ زبان و بیان کے لحاظ سے بھی اسے مزید سنوارنے اور دلکش بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس طرح اس کتاب کی دلکشی اور افادیت پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ اس کتاب کے چوتھے باب: ''پہلی پکار'' میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تقریر شامل ہے۔ اس تقریر کے ابتدائی جملے اس طرح ہیں:

''دیدبان اپنوں سے جھوٹ نہیں بولتا۔ خدا کی قسم میں غیروں سے جھوٹ بول بھی لوں، پر تم سے نہیں بول سکتا۔ اوروں کو دھوکا دے بھی دوں، پر تم کو نہیں دے سکتا۔''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جن الفاظ کا یہ ترجمہ ہے وہ الفاظ اس طرح ہیں:

ان الرائد لا یکذب أهله ، و الله لو کذبت الناس جمیعا ما کذبتکم و لو غررت الناس جمیعا غررتکم

تقریر کے مذکورہ جملوں پر بہت سے قارئین کو الجھن پیش آتی رہی ہے۔ وقتاً فوقتاً ہمیں اس طرح کے خطوط ملتے رہے کہ ان جملوں سے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت مقدسہ پر آنچ آتی ہے۔ ان جملوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ کسی سے جھوٹ بھی بول سکتے تھے۔ یا کسی کو دھوکا بھی دے سکتے تھے۔

اب تک تو یہ تھا کہ خطوط لکھنے والوں کو خطوط کے ذریعہ ہم مطمئن کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن ظاہر ہے، یہ مسئلے کا کوئی مستقل حل نہ تھا۔ پھر بہت سے ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جنھیں یہ الجھن پیش آتی ہو، مگر وہ ہم سے خطوط کے ذریعہ رابطہ نہ قائم کر سکے ہوں۔ لہٰذا بہتر معلوم ہوا کہ انہی صفحات میں اس مسئلے کی وضاحت کر دی جائے۔ تاکہ کتاب کا ہر پڑھنے والا اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

جہاں تک نقل و روایت کے پہلو سے ان الفاظ کے صحیح اور ثابت ہونے کا مسئلہ ہے تو اس سلسلے میں اتنا جان لینا شاید کافی ہو گا کہ سیرت کی قدیم اور مستند ترین کتاب ''السیرۃ الحلبیّہ'' میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ انہی الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو جلد اوّل صفحہ 272۔

www.quranurdu.com

امام بن اثیر رحمہ اللہ نے بھی اپنی مشہور و مستند ''تاریخ الکامل'' میں یہ خطبہ انہی الفاظ کے ساتھ درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو جلد دوم صفحہ 27۔

پھر بعد میں دارالعلوم جامعۃ القاہرہ کے وائس پرنسپل احمد زکی صفوت نے ''جمہرۃ خطب العرب'' کے نام سے تین جلدوں میں عربی خطبوں کا مجموعہ مرتب کیا، تو اس میں بھی یہ خطبہ انہی الفاظ میں درج کیا۔ ملاحظہ ہو جلد اوّل صفحہ 147۔

پھر ادھر چند سال قبل سعودی عرب کے ''الرئاسۃ العامہ لادارات البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد'' کے زیر اہتمام منتخب عربی خطبوں کا ایک مجموعہ شائع کیا گیا، ''خطبٌ مختارۃ'' کے نام سے، تو اس میں بھی اس خطبے کو انہی الفاظ میں درج کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ 26۔

گویا ان تمام محققین نے ان الفاظ کی توثیق کی ہے۔ ان تمام مؤرخین نے ان الفاظ کو اسی حیثیت سے لیا ہے کہ یہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں۔

اب رہا ان الفاظ کا مفہوم تو حقیقت یہ ہے کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ میں الجھن کی کوئی بات نہیں ہے۔ جن لوگوں کو بھی یہاں الجھن پیش آئی ہے، اس کی وجہ بس یہ ہے کہ عربی اسلوب کلام اور عربی اندازِ بیان سے وہ مانوس نہیں ہیں۔ یہ محض ایک انداز کلام یا ایک اسلوبِ بیان ہے، جہاں مفہوم کی تعیین محض عبارت کے الفاظ سے نہیں ہوتی، بلکہ مفہوم متعین کرتے وقت دیکھا جاتا ہے کہ کیا بات کہی گئی ہے؟ کس موقع سے کہی گئی ہے؟ کن لوگوں سے کہی گئی ہے؟ اور کہنے والا کون ہے؟

یہ ساری چیزیں سامنے رہتی ہیں، تبھی اس کلام کا صحیح مفہوم متعین ہوتا ہے۔

اس طرح کے اسالیب کلام عرب میں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں قرآن پاک میں بھی بار بار استعمال ہوئے ہیں۔ یہاں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''کہو، اگر رحمٰن کے کوئی بیٹا ہو تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کروں گا۔ آسمانوں اور زمین کے رب، عرش کے مالک کی شان ان سب باتوں سے بلند ہے، جو یہ لوگ کہتے ہیں۔''

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ o سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o

کیا اس آیت کی بنیاد پر یہ کہنا درست ہو گا کہ نعوذ باللہ رحمٰن کے کوئی بیٹا بھی ہو سکتا تھا؟ اور کیا رسولِ پاک رحمٰن کے علاوہ کسی اور کی بھی عبادت کر سکتے تھے؟ کیا ان دونوں باتوں کا کسی بھی درجہ میں کبھی امکان پایا جاتا تھا؟ یا پایا جا سکتا تھا؟

ایک دوسرے موقع پر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہے:

''اگر وہ ہمارے نام سے بنالاتا کوئی بات تو ہم پکڑتے اس کا داہنا ہاتھ پھر کاٹ ڈالتے اس کی رگ گردن۔ پھر تم میں کوئی نہ ہوتا اس سے روکنے والا۔''

www.sirat-e-mustaqeem.net

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ (الحاقۃ: 44-47)

تو کیا ان آیات کی بنیاد پر یہ امکان تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جی سے کوئی بات گھڑ کر اللہ کے نام سے پیش کر سکتے تھے؟

اور کیا یہ امکان بھی تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کا داہنا ہاتھ پکڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رگ گردن کاٹ سکتا تھا؟

کیا انبیائے کرام کی پوری تاریخ میں اس طرح کی غلطی کسی نبی نے کی ہے؟ اور کیا کسی نبی کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی رگ گردن کاٹی گئی ہے؟ اگر نہیں تو پھر نبی آخر الزماں کے سلسلے میں اس طرح کا امکان کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

ایک اور مقام پر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اگر ہم تمھیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا تم ان کافروں کی طرف کچھ مائل ہو جاتے۔ اگر ایسا ہو جاتا، پھر تو ہم تمھیں اس زندگی میں بھی دوہری سزا دیتے، اور مرنے کے بعد بھی دوہرا عذاب دیتے۔ اور تم اپنے لیے ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ پا سکتے۔"

وَلَوْ لَا اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا o اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا o

کیا خیال ہے؟ کیا اس ارشاد الٰہی کی بنیاد پر یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ اس کا بھی امکان تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حق پر ثابت قدم نہ رکھتا؟ اور کیا اس کا بھی امکان تھا کہ رسولِ پاک کافروں کی طرف جھک جاتے، اور ان کے شرک کو گوارا کر لیتے؟ اور کیا اس کا بھی امکان تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت میں خدا کی طرف سے دوہرے عذاب کے مستحق ہوتے؟

ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"آسمان و زمین اور ان دونوں کے درمیان میں جو کچھ ہے، اسے ہم نے نہیں پیدا کیا ہے کھلواڑ کرتے ہوئے۔ اگر ہمارا ارادہ ہوتا کہ ہم کھیل تفریح کی چیز بنائیں تو وہ اپنے پاس ہی بنا لیتے، اگر ہمیں ایسا کرنا ہی ہوتا۔"

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ o لَوْ اَرَدْنَا اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ o

تو کیا اس ارشادِ الٰہی کی بنیاد پر یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس کا بھی امکان تھا کہ اللہ تعالیٰ یہ پورا کارخانۂ حکمت بالکل عبث اور بے مقصد پیدا کر دیتا۔ اور اس کی حیثیت ایک کھیل تفریح سے زیادہ کچھ نہ ہوتی؟!

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اگر زمین و آسمان میں خدائے واحد کے بجائے بہت سے الٰہ ہوتے تو یہ زمین و آسمان دونوں برباد ہو جاتے۔ اللہ جو عرش کا مالک ہے، اس کی شان بہت بلند ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں۔"

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o (سورہ انبیاء: 22)

یہاں اس آیت کی بنیاد پر کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ نعوذ باللہ اس کائنات میں اس کا بھی امکان تھا کہ اللہ نہ ہوتا۔ اس کی جگہ دوسرے بہت سے الٰہ ہوتے۔ اور اس کے نتیجہ میں اس کائنات کا نظام درہم برہم رہتا۔

www.quranurdu.com

ایک موقع پر اللہ تعالیٰ کافروں کو بالواسطہ مخاطب کر کے فرماتا ہے:

"کہو، اگر تم لوگ مالک ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے، تو تم تو ان خزانوں پر سانپ بن کر بیٹھ جاتے اس اندیشے سے کہ کہیں سب خرچ نہ ہو جائے۔ اور انسان تو بڑا بخیل واقع ہوا ہے۔"

قُلْ لَّوْ أَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْ إِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ وَ كَانَ الْإِنْسَانُ قَتُوْرًا ○ (الاسراء: 100)

تو کیا اس آیت کی بنیاد پر یہ کہنا درست ہوگا کہ اس کا بھی امکان تھا کہ رب کے تمام خزانوں کے مالک یہ کفار ہو جاتے، اور جو اصلاً مالک الملک ہے، اس کے ہاتھ میں کچھ نہ رہ جاتا؟!!

ظاہر ہے اوپر جتنی باتیں بیان ہوئی ہیں، ان میں سے کسی بات کا بھی امکان نہیں تھا۔ یہ محض مخاطب کو سمجھانے، اور اسے غور و فکر پر آمادہ کرنے کے لیے ایک بلیغ اسلوب یا ایک موثر انداز ہے جو عربی زبان میں کثرت سے استعمال ہے۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی محض قوم کو سمجھانے اور انھیں قبول حق پر آمادہ کرنے کے لیے اپنے خطبے میں یہ موثر انداز اختیار فرمایا تھا۔ اس سے یہ بات ہر گز نہیں نکلتی کہ آپ نعوذ باللہ کسی سے جھوٹ بھی بول سکتے تھے۔ یا کسی کو دھوکہ بھی دے سکتے تھے۔

اس خطبے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات فرمائی تھی، وہ ان لوگوں سے فرمائی تھی جو آپ کی سچائی اور امانت داری کی قسمیں کھایا کرتے تھے۔ وہ یہ یقین رکھتے تھے کہ ساری دنیا جھوٹ بول سکتی ہے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بول سکتے۔ ایک ایسا راست باز انسان جب ایسے لوگوں سے، جو اس کی سچائی کی قسمیں کھاتے ہوں، کسی موقع پر یہ کہے کہ میں ساری دنیا سے جھوٹ بول لوں پر تم سے نہیں بول سکتا، تو اس کی اس بات میں کتنا اثر اور کتنا زور پیدا ہو جائے گا، اس کا اندازہ لگا لینا کسی صاحب ذوق کے لیے مشکل نہیں۔

امید ہے اس تفصیل سے بات پوری طرح واضح ہو گئی ہو گی۔ ہزاروں ہزار درود و سلام ہو اس نبی امیؐ پر جس کا ایک ایک بول فصاحت و بلاغت کا شاہ کار تھا۔ جس نے اوّل روز سے ہی ایسے موثر اور دلنشیں انداز میں قوم کو خطاب کیا، کہ اس سے زیادہ موثر اور دلنشیں انداز کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔

یہی وجہ ہے پہلے ہی روز سے دلوں کی دنیا میں ہلچل مچ گئی۔ "دل کے اصنام گرنے لگے منہ کے بل" اس طرح دھیرے دھیرے باطل کی ظلمت چھٹتی چلی گئی۔ حق کی روشنی پھیلتی چلی گئی۔ اور دیکھتے دیکھتے وہ وقت آ گیا کہ پورا جزیرۃ عرب آفتاب حق کی کرنوں سے جگمگا اٹھا۔

و قیل الحمد للہ رب العالمین ۔ ھذا و صلی اللہ علی سیدنا صمحمد و علی آلہ و صحبہ أجمعین

خاک پائے مصطفیٰ

محمد عنایت اللہ

10۔ رمضان المبارک 1421ھ

6۔ دسمبر 2000ء

www.qurantrdu.com

دیباچہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَہُ الْمُلْکُ وَ لَہُ الْحَمْدُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْر۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّیْنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْن

اُردو زبان میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ اس میں ایسی قابل ذکر کتابیں بھی موجود ہیں جو دنیا کی کسی دوسری زبان میں نہیں پائی جاتیں۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے میرے لیے یہ راہ نکالی کہ میں اس زبان میں اس موضوع کی کچھ خدمت کر سکوں۔ مجھے اُمید ہے کہ کتاب پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جائے گی اور اس کا مطالعہ ان لوگوں کے لیے بھی فائدے سے خالی نہ رہے گا جنھوں نے اس موضوع پر دوسری کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔

یہ کتاب دراصل ایک عربی کتاب کا نقشِ ثانی ہے۔ عرصہ ہوا مصر میں محکمۂ تعلیم و تربیت کے نگرانِ عام الاستاذ محمد احمد برانق کی نگرانی و سرپرستی میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مجموعہ شائع ہوا تھا جو چودہ حصوں پر مشتمل تھا۔ یہ مجموعہ محترم عبدالحیٔ صاحب مدیر الحسنات کو مکہ معظمہ کے کسی مکتبہ پر نظر آیا۔ موصوف کو جو کہ خود ''حیاتِ طیبہ'' جیسی مقبولِ عام کتاب کے مصنف ہیں یہ کتاب بہت پسند آئی۔ آپ اسے اپنے ہمراہ لیتے آئے۔ آپ کا خیال تھا کہ اسی انداز کی کتاب اردو زبان میں بھی آجائے تو بہت مفید رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت میرے نصیب میں لکھ رکھی تھی۔ چنانچہ موصوف کی یہ پاکیزہ خواہش اللہ تعالیٰ اپنے اس ناتواں بندے کے ہاتھوں پوری کرا رہا ہے۔

www.quranurdu.com

اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ

میں نے اس کتاب کی شروع سے آخر تک پیروی کی ہے، اور اسی کی ترتیب کو قائم رکھا ہے۔ اس کے پرایۂ بیان اور اسلوبِ نگارش کو بھی برقرار رکھنے کی اپنی حد تک پوری کوشش کی ہے۔ پھر بھی میں اس کا بالکل پابند ہو کر نہیں رہا ہوں۔ اس لیے اسے اس کا ترجمہ یا ترجمانی بھی نہیں کہہ سکتا۔ اپنی محدود عقل و فہم کے مطابق میں نے جہاں جہاں ضرورت محسوس کی ہے، اصلاح و ترمیم اور حذف و اضافہ سے بھی کام لیا ہے۔ جو واقعات غیر اہم معلوم ہوئے یا جو اہل نظر کے نزدیک غیر مستند سمجھے گئے ہیں۔ میں نے انہیں حذف کر دیا۔ بعض باتیں نظر انداز ہو گئی تھیں لیکن مجھے قابل ذکر محسوس ہوئیں تو میں نے انہیں شامل کر دیا۔ موقع موقع سے سبق آموز پہلوؤں کو ابھارنے کی بھی کوشش کی ہے۔ اصل کتاب میں واقعات کی تاریخوں کا اہتمام نہ تھا میں نے اس کا بھی اہتمام کیا ہے کہیں اجمال کے بجائے تفصیل اور تفصیل کے بجائے اختصار سے کام لیا ہے۔ امید ہے کہ اس تصرف کے بعد کتاب کی افادیت کچھ اور بڑھ گئی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کوشش کو قبول فرمائے۔ لوگوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے اور اس گنہگار کے حق میں رحمت و مغفرت کا بہانہ بنے۔

اس کتاب سے دوسروں کو فائدہ پہنچنے کی جو امید ہے وہ اپنی جگہ پر اللہ تعالیٰ اسے پورا فرمائے۔ لیکن خود میری ذات کو اس کتاب کی تیاری کے زمانے میں جو فائدے حاصل ہوئے وہ میری کوششوں کا نقد صلہ ہے جو بجائے خود کچھ کم نہیں۔

صلوٰۃ و سلام ہو اس ذات پر جس کے ذریعے میری زندگی کو روشنی ملی۔ جس کی زندگی کو پڑھ کر فکر و نظر کو گہرائی ملی، خیالات کو بلندی ملی، جذبات کو ستھرائی اور پاکیزگی ملی۔ فضائل اخلاق اور حسنِ اعمال کا کامل ترین اسوہ ملا۔ عزم و حوصلہ اَور صبر و استقلال کا بلند ترین نمونہ ملا۔ سیادت و قیادت اور پیشوائی و فرماں روائی کی کامیاب ترین مثال ملی۔ اور عبدیت و بندگی کی حسین ترین تصویر ملی۔ صلوٰۃ و سلام ہو اس پر جس کا اتباع میری زندگی کا سرمایہ اور جس کی شفاعت میری آخرت کا سہارا ہے۔ جس کے فیض سے میرے قلم کو گویائی ملی۔ جس کی زندگی اور پیغام سے لوگوں کو باخبر کرنا انسانیت کی سب سے بڑی خدمت اور میری سب سے بڑی سعادت ہے۔

صلوٰات اللہ علیہ وسلامہ و رحمتہ و برکاتہ۔

خاکپائے مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

محمد عنایت اللہ

www.quranurdu.com

مقدمہ

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے پہل جو دیکھتا اس پر آپ کی ہیبت طاری ہو جاتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جو رہتا، اسے آپ سے محبت ہو جاتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرنے والا کہتا ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے۔۔۔۔(صلی اللہ علیہ وسلم)۔"

یہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تبصرہ ہے۔ یہی تاثر ایک دوسرے انداز میں عروہ بن مسعود نے صلح حدیبیہ کے موقع پر بیان کیا تھا۔ کفارِ مکہ نے پہلے بُدَیل کو پھر مکرَز کو پھر حُلَیْس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نمائندہ بنا کر بھیجا۔ لیکن انہیں کسی کی نمائندگی پسند نہیں آئی۔ آخر میں انھوں نے عروۃ بن مسعود کو بھیجا۔ انھوں نے واپس آکر کہا:

"اے قریش کے لوگو! میں کسریٰ کے پاس اس کے دربارِ شاہی میں جا چکا ہوں۔ قیصر کے پاس اس کے دربارِ شاہی میں جا چکا ہوں، اور نجاشی کے پاس اس کے دربارِ شاہی میں جا چکا ہوں۔ اللہ کی قسم میں نے کسی بھی بادشاہ کی کسی قوم میں وہ شان نہیں دیکھی جو شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کے ساتھیوں کے درمیان دیکھی۔ سچ کہتا ہوں، میں نے ایسی قوم دیکھی ہے جو کسی صورت میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔ اب تم سوچ لو!"

www.quranurdu.com

یہ دو شہادتیں ہیں۔ پہلی شہادت ایک بالغ نظر اور جاں نثار ساتھی کی ہے جو قبلِ نبوت سے لے کر آخر دم تک سفر و حضر اور خلوت و جلوت میں ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا، جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ترین رشتہ تھا۔ جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

اَنْتَ مِنِّی وَ اَنَا مِنْکَ

دوسری شہادت ایک مردم شناس اور جہاندیدہ دشمن کی ہے جسے اپنی قوم میں معزز ترین مقام حاصل تھا۔ قوم کے لوگ اسے پہلوٹی کی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اس لیے بجا طور پر عظمت اور محبت کی حقیقت سے بخوبی آشنا تھا۔ دوست اور دشمن دونوں اس بات پر شاہد ہیں کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بارعب، دلآویز اور بے مثال شخصیت کے مالک تھے۔ چنانچہ آپ جیسا شخص کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آدمی پر رعب طاری ہو جاتا تھا۔ فرشِ خاک پر بے سروسامان ساتھیوں کے درمیان بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت و عظمت کا یہ عالم تھا کہ اس کے سامنے قیصر و کسریٰ اور نجاشی تمام جاہ و جلال اور تزک و احتشام کے ساتھ اپنے تخت و تاج میں ہیچ نظر آتے تھے۔ ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بلا کی کشش تھی جو شخص قریب سے دیکھتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گرویدہ ہو جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی دل و جان سے آپ پر فدا رہتے۔

یہ محض دو آدمیوں کا احساس نہیں ہے۔ تاریخ کی بے شمار مثالیں گواہ ہیں کہ یہ ایک عام احساس تھا۔ پھر یہ احساس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی تک محدود نہیں رہا۔ چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پڑھنے سے یہی احساس ہوتا ہے۔ کوئی بھی انصاف پسند، دوست ہو، یا دشمن، اس سے انکار نہیں کر سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کا نام اِسلام ہے جس پر انسان کی فلاح و نجات کا دار و مدار ہے۔ حقیقی اطاعت کی بنیاد اور روح یہی محبت و نجات کا دار و مدار ہے۔ حقیقی اطاعت کی بنیاد اور روح یہی محبت اور تعظیم ہے۔ یہ دونوں جذبات کسی کے بارے میں جتنے زیادہ ہوتے ہیں، اس کی اطاعت اتنی ہی کامل اور پائیدار ہوتی ہے، آسانی سے بے چون وچرا ہوتی ہے، ذوق و شوق سے ہوتی ہے، جوش اور ولولہ سے ہوتی ہے، اور شرف و عزت سمجھ کر ہوتی ہے، پھر آدمی اطاعت ہی پر قناعت نہیں کرتا۔ ایک قدم آگے بڑھ کر اتباع کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے پیشوا کی ایک ایک بات، اور ایک ایک ادا کو محبت و عظمت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اپنے آپ کو اسی رنگ میں رنگنے کی فکر کرتا ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و برتری کے احساس کی اس کیفیت کو پیدا کرنے اور پروان چڑھانے کا واحد ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کا مطالعہ ہے۔ یوں کہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہم سے جس اطاعت کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ ایک سلیم الفطرت انسان کے اندر اس اطاعت کا جذبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مطالعہ سے خود بخود پیدا ہوتا ہے، پیدا کرنا نہیں پڑتا۔ یہ مطالعہ غور سے ہونا چاہیے، اور بار بار ہونا چاہیے کیونکہ عظمت و برتری کا احساس تو ایک بار کے مطالعہ سے بھی کسی حد تک ہو سکتا ہے لیکن محبت پیدا کرنے کے لیے بار بار مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مذکورہ الفاظ سے بھی سمجھا جاسکتا ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب رہنے اور ملتے جلتے رہنے کی شکل یہی ہو سکتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع جس سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ آدمی کے سیرت و کردار میں اپنی صلاحیت اور کوشش کے مطابق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی جھلک نظر آئے۔ اب اگر کسی کو حوصلہ ہے ایسی شخصیت کی تعمیر کا جس میں کشش اور دلآویزی ہو، عظمت اور بزرگی ہو، رعب اور دبدبہ ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو بنیاد بنائے، اور اس کا مطالعہ کرتا رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ تمام سیرتوں سے بے نیاز کر سکتا ہے۔ لیکن تمام عظیم ہستیوں کی سیرت کا مطالعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے بے نیاز نہیں کر سکتا۔ یہ شاعری ہے یا حقیقت؟ اس کا صحیح فیصلہ اپ کی سیرت کے وسیع اور گہرے مطالعہ کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔ فداہ اَبی و اُمی

محمد امانت اللہ اِصلاحی
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

www.quranurdu.com

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

ہوتی ہے سحر پیدا

www.quranurdu.com

- عرب میں شرک کی ابتدا
- عرب میں شرک کہاں سے آیا؟
- شرک کے تدریجی مراحل
- مکہ میں سب سے پہلا بُت کس طرح آیا؟
- دورِ جاہلیت کے مشہور بت
- سلسلۂ رسالت کی نمایاں کڑیاں
- چاہِ زمزم کی دوبارہ کھدائی
- عبدالمطلب کی نذر
- عبداللہ کی جان بچ گئی
- عبداللہ کی شادی آمنہ سے
- عبداللہ کی المناک موت
- صبح سعادت کا طلوع
- آمنہ کا لال حلیمہ (رضی اللہ عنہا) کی گود میں
- دائی حلیمہ (رضی اللہ عنہا) کے گھر برکتیں ہی برکتیں
- بی بی آمنہ کی وفات
- آمنہ کا لال دادا کی سرپرستی میں

دینِ ابراہیمی عرب میں زیادہ نہیں ٹھہرا۔ پورے ملک میں پھر بت پرستی پھیل گئی۔ لوگ خدا کے ساتھ مورتیوں کو بھی پوجنے لگے اور ان کو خدا تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھنے لگے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ یہ خدا کے ساجھی اور ہمارے سفارشی ہیں۔ نیز یہی حاجت رَوا اور مشکل کشا ہیں۔ چنانچہ وہ مصیبتوں میں انہی کو پکارتے، فریادیں بھی ان ہی سے کرتے اور مرادیں بھی ان ہی سے مانگتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تو خالص توحید کے داعی تھی اور شرک و بت پرستی سے بے زار۔ لیکن یہ لوگ ان کو بالکل بھول ہی گئے اور مورتیوں کے پجاری بن گئے۔ لیکن ایسا ایک دم نہیں ہو گیا۔ اس میں بھی ایک زمانہ لگا۔ نہ جانے کتنی صدیاں بیت گئیں، اور نہ جانے کتنی نسلیں گزر گئیں۔ تب کہیں جا کر شرک کے پیر جمے۔

یہ شرک آیا کہاں سے؟ بت پرستی کو فروغ کیسا ہوا؟ بات یہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام سے عربوں کو بے انتہا عقیدت تھی اور کعبہ چونکہ انہی دونوں کی تعمیر تھی۔ اس لیے ان کو کعبہ سے بھی بڑی محبت تھی۔ پھر یہ محبت اسی تک محدود نہ رہی، اس کے ارد گرد جتنے پتھر تھے وہ بھی ان کے نزدیک بہت محبوب اور متبرک بن گئے۔

اب اگر وہ مکہ سے باہر جاتے، چاہے روزگار کے لیے، چاہے کاروبار کے لیے، تو وہاں کا ایک پتھر بھی ساتھ لے لیتے۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے سفر میں برکت ہو گی، اور مقصد میں کامیابی۔

پھر بات یہیں تک نہ رہی۔ جو لوگ مکہ سے کچھ دور رہتے تھے، وہ بھی کعبہ کے پاس سے پتھر اٹھا اٹھا کر لے گئے، اور اپنے یہاں نصب کر لیے اور اب وہ کعبہ کی طرح ان کا طواف کرتے اور حجرِ اسود کی طرح ان کو بوسہ دیتے۔

اس طرح وہ عقیدہ جس کے خلاف ابراہیم علیہ السلام نے پیہم جہاد کیا تھا، عرب میں پھر لوٹ آیا۔

پھر ایک بات اور تھی، جس کی وجہ سے یہ عقیدہ اور تیزی سے پھیلا۔ آتش فشاں پہاڑ پھٹتے، تو لاوے کی شکل میں جو پتھر نکلتے، ان کے بارے میں تصور تھا کہ یہ ٹوٹے ہوئے تارے ہیں، جو آسمان سے زمین میں آ گئے ہیں اور یہیں سے وہ پتھر مقدس سمجھے جانے لگے۔ کیونکہ بعض قومیں تاروں کی عظمت کی قائل تھیں۔ اس لیے ان میں خلاق عالم کی قدرت کا جلوہ تھا، اس کی طاعت اور عظمت کا پَرتَو تھا۔

اس لیے جن پتھروں کے بارے میں انہیں گمان ہوتا کہ یہ ستاروں سے ٹوٹے ہوئے ہیں، ان کو وہ بہت متبرک سمجھتے اور ان کی بے انتہا تعظیم کرتے پھر عظمت کا یہ تصور اور آگے بڑھا، اور ان کی پوجا بھی ہونے لگی۔

نسلوں پر نسلیں گزرتی رہیں۔ یہاں تک کہ یہ عقیدہ بالکل پختہ ہو گیا چنانچہ اب کوئی بھی پتھر مل جاتا جو خوبصورت اور سڈول ہوتا، یا جس کی ساخت میں کچھ نیا پن ہوتا، یا جو کسی مخلوق کی شکل سے مشابہ ہوتا تو اس کی عظمت ان کے دل میں بیٹھ جاتی، اور وہ اس کو پوجنے لگتے۔

www.quranurdu.com

پھر وہ ایک قدم اور آگے بڑھے یعنی اب وہ پتھروں کو خود تراشتے۔ خود اپنی پسند کے مجسمے بناتے اور جس بزرگ یا دیوتا سے چاہتے انہیں منسوب کردیتے۔ نیز جو دِل چاہتا، ان کے نام رکھ لیتے۔ پھر ان کو ایک جگہ نصب کرکے انہیں پوجنا شروع کردیتے۔ عقیدت و محبت میں ان پر نذرانے چڑھاتے اور ان کے نام پر منتیں مانتے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ دیوتا اللہ کے یہاں سفارش کریں گے۔ بگڑے ہوئے کام بھی بنادیں گے اور آخرت میں ذریعہ نجات بھی ہوں گے۔

مکہ میں سب سے پہلے جو بت داخل ہوا، اور پھر صحنِ کعبہ میں نصب ہوا۔ وہ ہُبل تھا۔ اس کو لانے والا شخص عمرر بن لُحَییؔ تھا۔ یہ کہیں سفر کررہا تھا کہ راستہ میں ایک مقام سے گزر ہوا۔ دیکھا، لوگ مورتیاں پوج رہے ہیں۔ اس کو یہ منظر بہت بھلا معلوم ہوا۔ چنانچہ ان سے اس نے کہا کہ ایک مورتی ہمیں بھی دے دو۔ ہم اپنے یہاں لے جائیں گے۔ اور ہم بھی اس کی پوجا کریں گے۔ اس پر لوگ بخوشی تیار ہوگئے اور وہ مورتی لے کر مکہ آگیا۔

پھر رفتہ رفتہ کعبہ میں اور مورتیاں آئیں۔ ان میں دو مشہور مورتیاں اِسَاف اور نائلہ بھی تھیں۔ یہ چاہِ زمزم پر نصب تھیں۔ کیونکہ اس وقت وہ بالکل پٹ چکا تھا۔ بہتیرے تو اس کے نام تک سے ناآشنا تھے۔

پھر یہی نہیں، بیشتر قبیلوں کی اپنی اپنی مورتیاں بھی تھیں جو اِدھر اُدھر مختلف علاقوں میں نصب تھیں۔ مثلاً۔

عُزّٰی: یہ قریش کی سب سے بڑی مورتی تھی۔

لات: طائف میں ایک قبیلہ تھا ثقیف، یہ اس کی مورتی تھی۔

مَنَات: مدینہ میں دو مشہور قبیلے تھے، اَوس اور خَزرَج، یہ ان کی مورتی تھی۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مورتیاں تھیں۔

یہ وہی گھر تھا، جسے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے اپنے مقدس ہاتھوں سے بنایا تھا۔ بڑی آرزوؤں اور تمناؤں سے بنایا تھا۔ جس کے بنانے میں اپنا خون پسینہ ایک کیا تھا۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ یہ توحید کا مرکز بنے اور رب کا سب سے بڑا گھر بنے۔ لیکن قوم نے ساتھ نہ دیا اور یہی خانۂ خدا، بت خانہ بن گیا۔ یہی مرکزِ توحید، منبع شرک بن گیا۔ لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کا دیا ہوا سبق فراموش کردیا اور اب انہیں یاد بھی نہ رہا کہ کبھی اسی گھر سے توحید کی صدا بلند ہوئی تھی۔ بلکہ اب ان کے لیے یہ تصور کرنا بھی دشوار تھا کہ بت پرستی کے سوا بھی کوئی سچائی ہوسکتی ہے جس باپ نے بتوں کے خلاف بغاوت کرکے پوری قوم کی دشمنی مول لی تھی، اب اسی باپ کی اولاد بتوں کی پاسبان بنی ہوئی تھی۔

==================

مکہ میں نہ جانے کتنے انقلاب آئے اور گزر گئے۔ نہ جانے کتنی نسلیں آئیں اور مٹ گئیں۔ اور نہ جانے کتنی قومیں حکمراں ہوئیں، اور بے دخل ہوگئیں۔ یہاں تک کہ باگ ڈور قصی کے ہاتھ میں آئی۔ یہ کِلاَب کے بیٹے تھے اور اِسماعیل خاندان سے تھے۔ قریشی رشتہ داروں اور عزیزوں نے بھی ساتھ دیا اور ہر طرح ان سے تعاون کیا۔

مکہ میں اب تک خیمے ہی خیمے تھے۔ عمارتوں کا نام و نشان نہ تھا۔ کسی میں یہ ہمت نہ تھی کہ سرزمینِ کعبہ میں کوئی گھر تعمیر کرے یا کوئی اور عمارت بنوائے جو بیت اللہ سے اونچی ہو۔

www.quranurdu.com

قَصّی پہلے شخص ہیں جنھوں نے یہ ہمت کی۔انھوں نے ایک عمارت بنوائی اور اس کا نام ''دارالندوہ'' رکھا۔وہاں وہ اشراف مکہ کو جمع کر کے شہری مسائل پر غور کرتے اور اہم معاملات میں ان سے مشورہ لیتے، وہیں پر مقدمات کے فیصلے بھی ہوتے اور شادی بیاہ کے مسائل بھی طے ہوتے۔

پھر قُصّی نے قریش کو بھی عمارتیں بنانے کا حکم دیا۔ چنانچہ انھوں نے کعبہ کے آس پاس اپنے گھر تعمیر کیے۔البتہ بیچ میں بہت کافی جگہ چھوڑ دی کہ حاجی آئیں تو طواف وغیرہ میں کوئی زحمت نہ ہو۔

قصّی نے اپنے دور میں بڑے بڑے کام کیے، جو ایک زمانہ تک یادگار رَہے۔ مشعرِ حرام انہی کی ایجاد ہے، جس پر حج کے دنوں میں چراغ جلتے تھے انہی نے تمام قریش کو جمع کیا اور تقریر کی:

''بھائیو! کعبہ کی زیارت کے لیے حاجی نہ جانے کہاں کہاں سے آتے ہیں۔ سینکڑوں، ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے آتے ہیں۔ بھائیو! ان کی میزبانی کرنا تمہارا فرض ہے۔''

پھر اس سلسلہ میں انھوں نے دو عہدے قائم کیے۔

1- سِقَایَہ: اس کا کام تھا کہ حاجی آئیں تو ان کے لیے میٹھے پانی کا انتظام کرے۔ چاہِ زمزم پٹ چکا تھا۔اس لیے پانی کمیاب بھی تھا۔ بہت دُور دُور سے لانا پڑتا۔ نبیذ وغیرہ کا بھی انتظام اِس کے سپرد تھا، جو عربوں کی خاص چیز تھی۔

2- رِفَادَہ: قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی۔ جس سے منٰی اور مکہ میں حاجیوں کی ضیافت کی جاتی۔اس کی ذمہ اسی کا انتظام تھا۔

کعبہ سے متعلق متعلق بھی ایک عہدہ قائم کیا اور اس کا نام ''حجابہ'' رکھا۔ جو اس عہدے کا ذمہ دار ہوتا، وہی کعبہ کا کلید بردار ہوتا۔ کعبہ سے متعلق سارے کام اسی کے سپرد ہوتے۔ کوئی کعبہ کے اندر جانا چاہتا، تو پہلے اس سے اجازت لیتا۔اس کی اجازت کے بغیر اندر جانا منع تھا۔

یہ تینوں عہدے عربوں کے نزدیک بہت محترم تھے۔ اگر کسی کو ان میں سے کوئی عہدہ مل جاتا، یا کسی عہدے میں دوسرے کا شریک ہو جاتا تو مارے خوشی کے وہ پھولا نہ سماتا۔ سمجھتا کہ گویا اسے کسی اقلیم کی بادشاہت مل گئی۔ یہی وجہ ہے کہ قَصی نے ان سارے عہدوں کو اپنے لیے مخصوص رکھا۔

یہ عہدے تو حج اور کعبہ سے متعلق تھے۔ان کے علاوہ اور بھی کئی عہدے تھے، جو سب قصَی کے ہاتھ میں تھے۔

پھر جب وہ بوڑھے ہو گئے اور ساری ذمہ داریوں کا بار اٹھانا دشوار ہو گیا تو انھوں نے یہ تینوں عہدے عبدُالدّار کے سپرد کر دیے۔ یہ قصَی کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔

بعد میں یہ عہدے عبدُالدّار سے اُن کے بیٹوں میں منتقل ہو گئے۔

قصَی کے ایک اور بیٹے تھے عبد مناف۔ چونکہ ان کی اولاد اثر و رسوخ میں عبد الدّار کی اولاد سے بڑھی ہوئی تھی۔اس لیے انھوں نے فیصلہ کر لیا، چچیرے بھائیوں سے ان عہدوں کے چھیننے کا۔

چنانچہ بڑی کشمکش رہی۔ خاندان عبد الدار نے عہدے حوالے کرنے سے انکار کر دیا، اور جنگ کی تیاری شروع ہو گئی۔ لیکن پھر صلح ہو گئی اور طے ہوا کہ یہ عہدے دونوں میں تقسیم ہو جائیں۔

تقسیم ہوئی تو آلِ مناف کے حصہ میں سقایہ اور رفادہ آیا۔

www.siratunnabi.com

عبد مناف کے ایک بیٹے کا نام ہاشم تھا۔ یہ بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ قوم میں ہر دلعزیز تھے۔ مال و دولت سے بھی بہرہ مند تھے۔ اس لیے یہ دونوں عہدے انہی کو ملے۔

ہاشم بہت درد مند، غریب پَرور اور رحمدل انسان تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دادا کی سنت انھوں نے بھی جاری رکھی۔ چنانچہ حاجیوں کے لیے کھانے کا انتظام کرتے۔ نہ صرف حاجیوں کے لیے انتظام کرتے، بلکہ مکہ کے غریبوں کا بھی بہت خیال رکھتے۔ انھوں نے اہل مکہ کی مالی حالت بہتر بنانے کی بھی تدبیریں سوچیں، اس کا بندوبست کیا کہ سال میں دو بار تاجروں کے قافلے بیرونِ ملک جائیں اور وہاں تجارت کریں۔ چنانچہ ہر سال ایک قافلہ گرمیوں میں جاتا، اور ایک سردیوں میں۔ گرمیوں میں شام کی طرف جاتا اور سردیوں میں یمن کی طرف۔

انہی نے رومی بادشاہ سے اجازت حاصل کی کہ قریش اس کے ملک میں سامانِ تجارت لے کر جائیں، تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا۔

عرب میں راستے غیر محفوظ تھے۔ ہر آن لٹ جانے کا خطرہ رہتا۔ ہاشم نے اس کے پیش نظر دَورہ کیا، اور مختلف قبیلوں میں جا جا کر ان سے معاہدہ کیا کہ " قریش کا کوئی قافلہ گزرے، تو اس کو وہ نقصان نہ پہنچائیں۔ اس احسان کے بدلے میں قریشی قافلے ان قبیلوں میں خود جائیں گے۔ ان کی ضرورت کی چیزیں لے جائیں گے اور اُن سے خرید و فروخت کریں گے۔" یہی وجہ ہے کہ عرب میں غارت گری کا بازار گرم تھا، یہ قریش کا قافلہ ہمیشہ محفوظ رہا۔

اسی طرح انھوں نے مختلف قبیلوں اور ملکوں سے سیاسی اور تجارتی معاہدے کیے۔ اس سے قریش بالکل مامون ہو گئے اور تجارتی میدان میں وہ خوب آگے بڑھے۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ مکہ میں زبردست قحط پڑا۔ ہاشم نے اس موقع پر شوربہ میں روٹیاں چورا کیں اور لوگوں کو کھلایا۔ اس وقت سے اُن کا نام ہاشم پڑ گیا۔ کہ ہَشَمَ کے معنی ہیں، چورہ کرنا اور ہاشم کے معنی ہوئے چورہ کرنے والا۔

==========

ایک سال ہاشم تجارت کے لیے شام گئے۔ ساتھ میں تاجروں کا پورا قافلہ تھا۔ پھر واپس ہوئے تو یثرب (مدینہ) سے گزر ہوا۔ قافلہ میں کچھ تاجر یثرب کے تھے۔ جن کو وہاں کی ایک عورت نے اپنا مالِ تجارت دے کر بھیجا تھا۔

قافلہ یثرب پہنچا، تو وہ عورت اپنے تاجروں کے پاس آئی اور سفر کی روداد پوچھنے لگی کہ کیا بیچا؟ اور کیا خریدا؟ باتوں سے ایسا لگتا جیسے کوئی بہت ہی ہوشیار، تجربہ کار اور باتدبیر خاتون ہو۔ ہاشم یہ سب دیکھ رہے تھے، اور دل ہی دل میں اس کی فراست کی داد دے رہے تھے اس کی ذکاوت اور فطانت اور چہرے پر شرافت اور سنجیدگی کا نور دیکھ کر وہ مسحور ہو رہے تھے۔

پھر ان تاجروں سے پوچھا، یہ کون ہے؟

جواب ملا، نام اس کا سلمیٰ ہے اور باپ کا نام عمرو ہے۔ خزرَج کا ایک خاندان ہے۔ بنی نَجار، یہ اسی خاندان سے ہے۔

انھوں نے پوچھا، کیا یہ شادی شدہ ہے؟

جواب ملا نہیں، البتہ یہ اپنے یہاں کی بہت معزز خاتون ہے، اس لیے چاہتی ہے کہ کوئی ایسا شوہر مل جائے، جو اس کو بالکل آزاد رکھے، اپنی آزادی رکھے، اپنی آزادی کو مجروح کرنا اِسے گوارا نہیں۔

ہاشم نے کہا، پوچھو، کیا وہ مجھے پسند کرے گی؟

www.quranurdu.com

پوچھا گیا تو وہ فوراً تیار ہو گئی، اور وہ اسے لے کر مکہ چلے آئے وہاں ایک زمانہ تک دونوں ساتھ رہتے تھے۔ پھر وہ یثرب لوٹ آئی اور وہاں اس کے ایک لڑکا ہوا، جس کا نام اس نے شیبہ رکھا۔

اس کے بعد کئی سال گزر گئے۔

پھر ایک سال گرمی تجارتی قافلہ چلا، تو ساتھ میں ہاشم بھی گئے۔ شام میں ایک مقام ہے غزّہ۔ وہاں پہنچ کر وہ انتقال کر گئے۔ لہٰذا اب سارے عہدے مطلب کے ہاتھ میں آ گئے، کہ یہ اُن کے بھائی تھے۔

شیبہ مطلب کے بھتیجے تھے۔ یہ یثرب میں ماں کے پاس ہی رَہ رہے تھے۔ اب مطلب کو ان کی فکر ہوئی اور انھوں نے طے کیا کہ بھتیجے کو مکہ میں لائیں کہ یہیں ان کا ددھیال تھا۔ یہیں باپ کا پورا خاندان تھا۔ چنانچہ مطلب اس غرض سے یثرب گئے۔

بھابی سلمیٰ سے ملاقات ہوئی تو بولے:

میرا بھتیجا بڑا ہو چکا ہے۔ ہاتھ پیر مضبوط ہو چکے ہیں۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اب اسے اپنے یہاں لے جاؤں۔ تمھیں معلوم ہی ہے کہ ہم قوم میں حسب نسب کے اعتبار سے نمایاں ہیں۔ وہاں وہ عزت سے رہے گا۔ یہاں تو بیچارہ پردیس میں پڑا ہے۔

سلمیٰ نے کہا، اس کی جدائی میرے لیے موت ہے، لیکن یہ بھی مجھے پسند نہیں کہ وہ اپنے بزرگوں سے جدا رہے۔ ذرا پوچھو، دیکھو خود اس کی کیا خواہش ہے؟

مطلب نے بھتیجے سے پوچھا تو جواب ملا، جب تک ماں کی اجازت نہ ہو میں کہیں نہیں جا سکتا۔

سلمیٰ نے مطلب کا اصرار دیکھا تو تیار ہو گئیں اور کلیجہ پر پتھر رکھ کر اجازت دے دی۔ چنانچہ مطلب تین دن وہاں مہمان رہے۔ پھر چوتھے دن شیبہ کو ساتھ لے کر مکہ روانہ ہو گئے۔ اس وقت شیبہ کی عمر آٹھ برس تھی۔

دونوں ایک ہی اونٹ پر سوار تھے۔ مُطلب آگے تھے اور شَیبہ پیچھے۔ مکہ میں وہ داخل ہوئے، تو لوگوں کو گمان ہوا کہ یہ مطلب کا غلام ہے، جسے کہیں باہر سے وہ لے کر آ رہے ہیں۔ چنانچہ دیکھتے ہی انھوں نے شور مچایا:

مطلب غلام لائے! کیا تم نے مُطلب کا غلام دیکھا؟ دیکھو، مطّلب کا غلام!

مطّلب نے اس طرح کی آوازیں سنیں تو بولے:

اہل قریش! تم بھی عجیب لوگ ہو!! یہ تو میرا بھتیجا ہے، بڑے بھائی ہاشم کا بیٹا۔ یثرب میں تھا، وہاں سے لے کر آ رہا ہوں۔

لیکن یہ نیا نام جو بے ساختہ زبانوں پر آ گیا، اصل نام پر غالب آ گیا۔ ماں نے ان کا نام شَیبہ رکھا تھا اور وہ اسی نام سے مشہور تھے۔ لیکن اب اصل نام کسی کو یاد تک نہ رَہا، اور اسی وقت سے وہ عبد المطلب (غلام مطلب) ہو گئے۔

==========

مطلب کا انتقال ہوا تو عبد المطلب سمجھدار ہو چکے تھے۔ دست و بازو مضبوط ہو چکے تھے اور جسم میں توانائی آ چکی تھی، اس لیے چچا کا کام انھوں نے سنبھال لیا اور ''سقایہ'' اور ''رفادہ'' ان کے ہاتھ میں آ گیا۔

www.quranurdu.com

آبادی میں تو کنویں تھے نہیں۔ جو کچھ تھے، مکہ کے اطراف میں تھے، اور وہ بھی اِدھر اُدھر منتشر۔ حاجیوں کے لیے پانی وہیں سے لایا جاتا اور کعبہ کے پاس کچھ حوض ہوتے، ان میں بھرا جاتا۔ حوضوں کو مستقل بھرتے رہنا، پھر آئے دن ان کی صفائی کرنا، ایک مسئلہ تھا۔ اس میں بڑی پریشانی ہوتی اور طرح طرح کی زحمتوں کا سامنا ہوتا، چنانچہ عبدالمطلب بہت فکر مند ہوئے۔

چاہِ زمزم کے متعلق مشہور تھا کہ اس کا پانی شیریں اور خوش ذائقہ تھا۔ کبھی خشک بھی نہ ہوتا اور جتنی ضرورت ہوتی، حاصل ہو جاتا۔ لطف یہ کہ نہ کوئی زحمت اُٹھانی پڑتی، نہ کسی قسم کی پریشانی ہوتی۔ لہٰذا عبدالمطلب کو اس کا خیال آیا۔

چنانچہ لوگوں سے پوچھا، زمزم کو کس نے پاٹا؟ اور کیوں پاٹا؟ جواب ملا:

یہاں پہلے قبیلہ جُرہم کی حکومت تھی۔ ان کا آخری تاجدار مضاض جُرہمی تھا۔ جب اس کی قوم بگڑ گئی، اور بناؤ سے زیادہ بگاڑ کے کام کرنے لگی تو بنو خزاعہ کو ناگوار ہوا، اور انھوں نے جُرہم کو بے دخل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اس کے لیے انھوں نے جنگ بھی کی۔ جس میں میدان بنو خزاعہ کے ہاتھ رہا۔ لہٰذا اب جُرہم کو یہاں سے جانا پڑا۔ جاتے وقت مضاض سے اور کچھ تو بن نہ پڑا۔ البتہ کعبہ میں جو نذرانے تھے، ان کو اس نے زمزم کے اندر ڈالا، اور اوپر سے پاٹ دیا۔

یہ سن کر عبدالمطلب نے کہا اچھا، تو جب تک زمزم کی کھدائی، صفائی نہ ہو جائے اور پہلے کی طرح پھر وہ رواں نہ ہو جائے، اس وقت تک میں چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔

پھر ایک رات وہ سو رہے تھے کہ سوتے ہی میں یکایک یہ آواز سنی: ''زمزم کی کھدائی کر۔''

اور پھر یہ غیبی آواز، مسلسل آتی رہی، جس سے ان کی ہمت اَور بڑھی۔

چنانچہ کھدائی شروع ہو گئی لیکن یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ جان توڑ محنت کرنی پڑی۔ خون پسینہ ایک کر دیا، تب کہیں جا کر پانی نکلا۔

زمزم میں مضاض کی تلواریں بھی ملیں اور کعبہ کے وہ نذرانے بھی ملے۔ نذرانوں میں سونے کے دو ہرن بھی تھے۔

عبدالمطلب نے تلواروں سے کعبہ کے دروازے بنوائے اور ہرنوں کو ان کے دونوں طرف رکھ دیا، کہ کعبہ کی زینت بڑھے۔

زمزم کی کھدائی میں عبدالمطلب تھک کر چور ہو گئے تھے۔ جس کا دل پر کافی اثر ہوا۔ اور تنہائی کا احساس شدت سے ستانے لگا۔ اس وقت تک ان کے ہاں صرف ایک ہی اولاد تھی۔ جس کا نام حَارِث تھا۔ لہٰذا انھوں نے نذر مانی، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

''خدایا! اگر تو مجھے دس بیٹے عطا فرمائے اور سب کے سب جوان ہو کر میرا ہاتھ بٹانے لگیں، تو ایک کو تیرے نام پر قربان کر دوں گا!

عبدالمطلب کی یہ آرزو پوری ہوئی۔ اللہ نے ان کو دس بیٹے دیے سب پلے بڑھے، جوان ہوئے اور ان کا ہاتھ بٹانے لگے۔

اب نذر پوری کرنے کا وقت آ گیا۔ عبدالمطلب نے بیٹوں کو جمع کیا اور سارا قصہ سنایا۔ بیٹے بولے:

''ابا جان! ہم سب دل و جان سے حاضر ہیں، جس کو چاہیں، آپ قربان کر دیں۔''

باپ نے کہا: اچھا، تو الگ الگ تیروں پہ اپنے نام لکھ لاؤ۔''

چنانچہ سب نام لکھ لکھ کر باپ کے پاس لے گئے۔

عبدالمطلب نے ان تیروں کو لیا اور کعبہ میں آئے۔ وہاں فال نکالنے والے سے ملے، اور اس کو وہ تیر دے دیے، کہ معلوم کرے کہ بتوں کے مہاراجہ ''ہُبل'' کو کون پسند ہے۔

www.quranurdu.com

اس وقت مکہ میں رواج تھا کہ جب کوئی اہم کام درپیش ہوتا تو تیروں سے فال نکلواتے، اور اس طرح دیوتاؤں کی مرضی معلوم کرتے۔ مَہنت یا پروہت تیروں کو لے جاتا اور دیوتاؤں کے سامنے ایک خاص طریقہ سے پھراتا۔ جس تیر کا منہ دیوتا کی طرف ہو جاتا، سمجھتے کہ بس یہی دیوتا کی پسند ہے اور پھر اسی کے مطابق کام کرتے۔

مہنت نے عبدالمطلب کے تیر ہُبل کے پاس پھرائے تو چھوٹے بیٹے عبداللہ کے نام نکلا۔

عبداللہ عبدالمطلب کے چہیتے بیٹے تھے اور اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ انھیں محبوب تھے۔ لیکن وہ کیا کرتے؟ مجبور تھے، ان کو ذبح کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، کہ وہی ہُبل کو پسند تھے!

چنانچہ عبدالمطلب نے بیٹے کا ہاتھ پکڑا، اور انھیں لے کر زمزم کے پاس آئے کہ وہیں قربان گاہ تھی۔ جس کو جو کچھ بھی کرنا ہوتا۔ وہیں لا کر کرتا۔ اِساف اور نائلہ کے حضور۔۔۔۔۔! کہ یہ ان کے دو بڑے دیوتا تھے۔

یہ خبر لوگوں کے دلوں پر بجلی بن کر گری، اور جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔ جو جس حال میں تھا۔ عبدالمطلب کی طرف دوڑ پڑا، اور آناً فاناً سارے لوگ اکٹھا ہو گئے۔ جسے دیکھئے، اس کی زبان پر یہی تھا:

''نہیں، نہیں، عبدالمطلب! اسے ہرگز ذبح نہ کیجیے۔''

عبدالمطلب عجیب کشمکش میں پڑ گئے۔ بولے میں میں تو نذر مان چکا ہوں نذر پوری کرنا ضروری ہے۔ آخر میں کروں تو کیا کروں؟

جواب ملا: ''اگر مال فدیہ بن سکے، تو ہم راضی ہیں۔ اونٹ ذبح کرنے سے کام بن جائے، تو اس کے لیے بھی تیار ہیں۔''

چنانچہ لوگ بہت دیر تک سوچتے رہے اور آپس میں مشورہ کرتے رہے کہ کیا کریں؟ پھر طے ہوا کہ یثرب کے اطراف میں ایک نجومی عورت ہے، گتھیاں سلجھانے میں ماہر ہے۔ چل کر اس سے پوچھا جائے۔

لوگ گئے۔ اس عورت سے ملے اور اس کو سارا حال بتایا۔ سب کچھ سن لینے کے بعد اس نے پوچھا:

''کسی قیدی کو چھڑانا ہو، یا کسی مجرم کی جان بچانی ہو، تو کتنا فدیہ دیتے ہو؟''

لوگوں نے کہا: ''دس اونٹ''

عورت نے کہا:

''دس اونٹ اور عبداللہ کے نام کا قرعہ ڈالو، اگر اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے تو بہتر ہے۔ ورنہ بیس اونٹ کر دو۔ اگر پھر بھی عبداللہ کا نام نکلے، تو دس اور بڑھا دو۔ اسی طرح دس دس بڑھاتے رہو۔ یہاں تک کہ تمہارا رب راضی ہو جائے۔''

لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ دس اونٹ اور عبداللہ کے نام کا قرعہ ڈالا۔ تو عبداللہ کا نام نکلا۔ دس بڑھا دیے، پھر عبداللہ کا نام نکلا۔ دس مزید بڑھا دیے۔ پھر بھی عبداللہ ہی کا نام نکلا۔ لوگ اسی طرح دس دس بڑھاتے رہے۔ اور عبداللہ کا نام نکلتا رہا۔ ادھر عبدالمطلب کھڑے عاجزی کے ساتھ دعا میں مصروف تھے۔ ''خدایا! فدیہ کو قبول کر لے۔ خدایا! عبداللہ کی جان بچا لے۔ جب بڑھتے بڑھتے سو اونٹ ہو گئے۔ تو قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا۔ اب کیا تھا لوگ خوشی سے اچھل پڑے۔ عبدالمطلب کو ہر طرف سے مبارک باد دی جانے لگی۔

''مبارک ہو، عبدالمطلب! اللہ نے بیٹے کا فدیہ قبول کر لیا۔''

www.uranurdu.com

لیکن عبد المطلب ابھی مطمئن نہ ہوئے اور دوبارہ قرعہ ڈلوادیا، کہ کوئی شبہ نہ رہ جائے۔ خدا کی مرضی کیا ہے؟ صاف صاف معلوم ہو جائے پھر جب پوری طرح اطمینان ہو گیا، تو اونٹ ذبح کیے گئے، اور وہیں چھوڑ دیے گئے کہ جو چاہے، ان سے فائدہ اٹھائے۔

==========

عبد اللہ کو خداداد حسن ملا تھا۔ اُٹھتی ہوئی جوانی تھی، جو حسن کو دوبالا کر رہی تھی۔ چہرہ کیا تھا، چاند کا ٹکڑا تھا۔ ہر دیکھنے والی آنکھ ان پر فدا تھی اور بہتیری عورتیں ان سے شادی کی آرزو مند تھیں۔

''نذر'' والا واقعہ ہوا، تو گھر گھر اس کا چرچا ہو گیا۔ اس سے ان کی عظمت اور بڑھ گئی اور سب دل و جان سے انھیں چاہنے لگے۔

چنانچہ بہت سی عورتوں نے نکاح کی خواہش کی، اور کوشش بھی کی!

لیکن یہ شرف سب کو کیسے ملتا کہ وہ ایک ہی قسمت میں تھا۔

اُن کے بیٹے کی ماں کون ہو گی؟ یہ بھی خدا کے یہاں طے تھا۔ ان کی شادی آمنہ سے ہوئی، جو قریش کی سب سے معزز خاتون تھی، اور بنی زہرہ کے سردار کی بیٹی تھیں۔

باپ نے بیٹے کی طرف سے نکاح کا پیغام دیا۔ آمنہ کے گھر والوں نے اسے باعثِ شرف سمجھا اور خوشی خوشی تیار ہو گئے۔ پھر چٹ پٹ شادی ہو گئی۔ دستور تھا کہ دولہا شادی کے بعد تین دن سسرال میں رہتا عبد اللہ بھی تین دن سسرال میں رہے۔ پھر گھر چلے آئے۔ ساتھ میں دلہن بھی آئی۔ اس وقت عبد اللہ کی عمر تقریباً سترہ سال تھی۔

شادی کو ابھی کچھ ہی دن ہوئے تھے، تاجروں کا ایک کارواں شام جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ عبد اللہ بھی ہو لیے۔ پھر واپسی میں مدینہ سے گزرے۔ یہاں ان کے باپ کا ننھیال تھا تھکے تو تھے ہی، دم لینے کے لیے ٹھہر گئے۔ اتفاق سے بیمار پڑ گئے۔ ساتھیوں نے انھیں وہیں چھوڑ دیا اور مکہ کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر باپ کو بیماری کی خبر دی!

عبد المطلب نے بیماری کا حال سنا، تو فوراً بڑے بیٹے حارث کو مدینہ دوڑایا کہ وہاں جا کر بھائی کی تیمار داری کریں اور جب وہ اچھے ہو جائیں تو اپنے ساتھ لے کر آئیں۔

لیکن افسوس۔۔۔۔! حارث نے اپنے بھائی عبد اللہ کو نہ دیکھا۔ وہ انھیں اپنے ساتھ مکہ نہ لائے، کہ باپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔ دلہن کے دِل کو قرار آتا، اور قوم کی تسکین کا سامان ہوتا! کیا کرتے؟ قسمت ہی میں نہ تھا۔

کچھ دن پہلے ہی عبد اللہ کا انتقال ہو چکا تھا، اور جسم سپردِ خاک ہو چکا تھا۔ باپ سے دور! دلہن سے دور! قوم سے دُور! دُور، بہت دُور!! حارث واپس آئے تو عبد اللہ کے بجائے عبد اللہ کی موت کی خبر لائے۔

کسے معلوم تھا کہ شام کا یہ سفر، سفرِ آخرت بننے والا ہے اور جہاں عبد اللہ کی جان بچانے کی تدبیر کا سراغ لگا تھا، وہیں اللہ کا فرشتہ پروانۂ موت لے کر اترنے والا ہے۔ مدینہ جہاں سے لوگ کل عبد اللہ کی نئی زندگی کا پیغام لے کر آئے تھے۔ آج وہیں سے عبد اللہ کی وفات کی حسرت ناک خبر آ رہی ہے۔

==========

www.quranurdu.com

خبر بڑی دردناک تھی۔ نوجوان کی موت! وہ عبداللہ جیسے نوجوان کی!! جس نے سناتڑپ اٹھا۔ عبداللہ نے نئی زندگی پائی تھی۔ ان کی جان بچنے پر سب کو غیر معمولی خوشی تھی۔ اچانک موت کی خبر سن کر لوگوں کو غیر معمولی رنج ہوا۔ ساری قوم سوگوار تھی۔ ہر طرف اداسی چھائی ہوئی تھی۔

بوڑھے باپ پر تو رنج و غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ صدمہ سے دل پاش پاش ہو گیا۔ عبداللہ کی موت پر صبر آئے تو کیسے ؟

اور آمنہ کا تو سہاگ ہی اجڑ گیا۔ دل کی دنیا ویران ہو گئی۔ سارے ارمان حسرتوں میں تبدیل ہو گئے۔ کتنی امیدیں تھیں، جو خاک میں مل گئیں۔ کتنے حسین خواب تھے، جو شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے۔ کتنی آرزوئیں اور تمنائیں تھیں جو سینے ہی میں دفن ہو کے رَہ گئیں۔ کل جو خاتون، قریش کی نازنینوں کی نگاہ میں قابل رشک بنی ہوئی تھی، آج اس کی حالت قابل رحم تھی۔ جو سر، دوسرے سروں کے درمیان شرف و عزت سے اونچا ہو رہا تھا، آج وہ رَنج و غم سے وبالِ دوش بنا ہوا تھا۔

عبداللہ کا انتقال ہوا، تو آمنہ اُمید سے تھیں۔

اللہ کی قدرت! کچھ ہی پہلے ہُبل دیوتا عبداللہ کی جان لینے پر تلے ہوئے تھے۔ مگر اللہ نے انھیں بھینٹ چڑھنے سے بچا لیا۔ اُس وقت تک ان کے پاس اللہ کی ایک عظیم امانت تھی۔ انسانیت کے سب سے بیش قیمت متاع تھی۔ جب تک وہ کسی اور کے سپرد نہ ہو جائے، ناممکن تھا کہ عبداللہ اِس دنیا سے چلے جائیں۔ اب وہ امانت آمنہ کو سونپی جا چکی تھی۔ عبداللہ سے اللہ کو جو کام لینا منظور تھا، وہ پورا ہو گیا، تو اللہ نے انہیں اٹھا لیا۔ اب کوئی فدیہ کام نہیں آسکتا تھا۔ تقدیر کا فیصلہ اٹل تھا۔

==========

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اَور نوید مسیحا!

دوشنبہ کا دن تھا اور ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی کہ آمنہ کے یہاں ولادت ہوئی۔

نومولود بچہ بہت ہی خوبصورت تھا۔ چاند بھی اس کے سامنے پھیکا تھا۔

آمنہ نے اپنے خسر عبدالمطلب کو خبر کی کہ آکر پوتے کو دیکھ لیں۔

عبدالمطلب دوڑے ہوئے آئے اور نظر پڑتے ہی کھل اُٹھے کہ ایک تو لڑکا تھا، اور وہ بھی عبداللہ کا۔

وہ خوشی سے نہال ہو گئے۔ چنانچہ بچہ کو گود میں لیا۔ سینہ سے لگایا۔ ماتھے پر بوسہ دیا۔ پھر اسے لیے ہوئے کعبہ پہنچے اور اس کا طواف کیا اور بچہ کا نام محمد رکھا۔

محمد کے معنی ہیں، ہر لحاظ سے قابلِ تعریف۔ وہ جسے سب پسند کریں سب اچھا کہیں۔

پھر ولادت کے ساتویں دن عبدالمطلب نے اونٹ ذبح کرایا، اور قریش کی دعوت کی۔ لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے، تو کسی نے پوچھا:

عبدالمطلب! کیا وجہ ہے کہ آپ نے پوتے کا نام محمد رکھا؟ خاندانی نام کیوں نہیں رکھا؟

عبدالمطلب بولے: میں نے چاہا کہ آسمان پر بھی اس کی تعریف ہو، اور زمین پر بھی۔ خالق کو بھی وہ پیارا ہو۔ اور خلقت کو بھی۔

www.quranurdu.com

قریش میں اونچے گھرانوں کی عورتیں اپنے بچوں کو دودھ خود نہیں پلاتی تھیں، دیہاتوں سے دائیوں کی ٹولیاں آتیں۔ وہ بچوں کو اپنے یہاں لے جاتیں۔ اُن کو دودھ پلاتیں۔ ان کی پرورش وپرداخت کرتیں۔ پھر جب وہ بڑے ہو جاتے تو واپس کر جاتیں۔ اور دوسرے بچے لے جاتیں۔ اس سے بچے خوب تندرست رہتے اور فصیح عربی بھی سیکھ لیتے۔ مگر دائیوں کے آنے کے موسم متعین تھے۔ محمد کی ولادت ہوئی، تو اس وقت کوئی دائی نہ ملی۔ عبداللہ کا بھائی تھا ابولہب۔ اس کے ایک باندی تھی ثویبہ۔ دو تین دن آمنہ نے خود دودھ پلایا۔ پھر بچہ کو ثویبہ کے حوالہ کر دیا۔ کہ جب تک کوئی دائی نہ ملے، اس کو وہ دودھ پلائے۔

ثویبہ نے بس کچھ ہی دن دودھ پلایا تھا، کہ قبیلہ بنی سعد کی دائیاں آگئیں۔

دائیاں بچے تلاش کرنے لگیں۔ وہ گھروں میں جاتیں۔ ماؤں کو اپنی خدمات پیش کرتیں۔ مائیں جس کو پسند کرتیں، اپنا بچہ اس کے حوالہ کر دیتیں۔

ساری ماؤں نے دائیاں چن لیں، اور ساری دائیوں کی گودیں بھر گئیں۔ ہاں صرف ایک دائی رَہ گئی۔ اس کو کسی نے پوچھا۔ اس لیے کہ وہ ذرا کمزور اور لاغر تھی۔ مفلسی کا بھی شکار تھی۔ یہ تھی ابوذؤیب کی بیٹی حلیمہ۔

اور بچہ بھی صرف ایک ہی رہ گیا کہ دائیاں اس سے دُور ہی دُور رہیں، اور کوئی اسے لینے کے لیے تیار نہ تھی۔ وہ بچہ تھا عبداللہ کا بیٹا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

دائیوں نے سنا کہ محمد یتیم ہے۔ باپ کے سایہ سے محروم ہے۔ اس لیے انھوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ انھوں نے اس کی پرورش کو حقیر جانا، اور اس کو دودھ پلانا بے سود سمجھا۔ وہ بولیں، اس یتیم کو لے کر کیا کریں! اس کا دادا ہمیں کیا دے گا؟ ماں سے بھی کیا مل جائے گا؟

اب واپسی کا وقت آگیا، اور دائیوں کے گھر لوٹنے کا ارادہ کیا، ہر ایک خوش تھی کہ اس کی گود میں بچہ تھا۔

حلیمہ کا شوہر بھی ساتھ تھا۔ حلیمہ نے اس سے کہا۔

بخدا، مجھے شرم آتی ہے کہ ساری سہیلیوں کی گودیں بھری ہوں اور ایک میری ہی گود خالی رہے۔ میں تو جاتی ہوں۔ اسی یتیم کو لیے لیتی ہوں۔ خالی ہاتھ لوٹنے سے یتیم کو لے جانا بہر حال بہتر ہے۔

شوہر نے کہا: جاؤ، لے آؤ، کیا حرج ہے؟ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی میں برکت دے۔

چنانچہ حلیمہ بچہ کو لینے کے لیے آمنہ کے پاس پہنچیں۔

آمنہ کو ملال تھا کہ اُن کے لال کو کسی نے نہ پوچھا۔ سہیلیوں کے بچے ہاتھوں ہاتھ لیے۔ پر ان کے جگر پارہ کو لینا گوارا نہ کیا۔ حلیمہ نے بچہ کو لیا تو آمنہ کا بجھا ہوا چہرہ بھی خوشی سے دمک اُٹھا۔

حلیمہ نے محمد کو چھاتی سے لگایا، اور منہ میں سوکھی پستان دے دی جس میں دودھ برائے نام ہی تھا۔

لیکن۔۔۔۔! حلیمہ کی حیرت کی انتہا نہ رہی!! پستان میں دیتے ہی انھیں ایسا معلوم ہوا، جیسے دودھ کی سوتیں جاری ہو گئیں۔ یکایک چھاتی بھر گئی۔ بچہ دودھ پی رہا تھا اور دودھ اس کے منہ سے ٹپک پڑ رہا تھا۔

محمد سیر ہو چکے، تو حلیمہ کے بچے نے بھی جی بھر کر پیا۔ حالانکہ اس سے پہلے تنہا اسی کے لیے دودھ ناکافی ہوتا تھا۔ پیتا، لیکن کبھی سیر ہونے کی نوبت نہ آتی۔ چھاتی چوستا اور چوس کے رَہ جاتا۔

www.quranurdu.com

حلیمہ کی ایک اونٹنی تھی۔ دبلی پتلی، بالکل مریل، بھوک لگی، تو شوہر اِسے دوہنے اٹھے۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ تھن جو ہمیشہ سوکھا رہتا۔ آج بالکل بھرا ہوا تھا۔ اور دودھ خود بخود ٹپکا پڑ رہا تھا۔ شوہر نے خود بھی پیا، بیوی کو بھی پلایا۔ دونوں نے جی بھر کر پیا۔

رات ہوئی تو دونوں نے بچوں کو پہلو میں سلا لیا۔ پھر خود بھی سو رہے نیند اتنے آرام اور چین کی تھی کہ بالکل ہی بے خبر ہو گئے۔

پھر صبح ہوئی، تو شوہر بولا: حلیمہ! کیا خیال ہے؟؟ بخدا بہت مبارک بچہ پا گئیں تم۔

حلیمہ بولیں: بخدا میرا بھی یہی خیال ہے۔

پھر دائیوں کا قافلہ گھروں کو لوٹا۔ حلیمہ کی گدھیا آگے آگے تھی، اور مستانہ وار بڑھ رہی تھی۔ سہیلیوں نے یہ دیکھا تو آواز دی:

واہ ری، اَبوذُؤیب کی بیٹی!! ذرا ٹھہرو نا۔ ہمیں بھی تو آ لینے دو۔ ارے، یہ وہی گدھیا تو ہے، جس پر تم آئی تھیں۔ یہ تو راستہ میں رک رک جاتی تھی۔ بار بار تم پیچھے ہو جاتی تھیں!!!

حلیمہ نے کہا: ہاں، ہاں، بخدا یہ وہی ہے!

سہیلیاں بولیں: بخدا یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔

==========

اب حلیمہ کے یہاں برکتوں کی بارش ہونے لگی۔ ہر ہر چیز میں برکت ظاہر ہو رہی تھی۔

جانور موٹے ہو گئے۔ دودھ سے تھن پھول آئے۔ ہر طرف برکت ہی برکت تھی۔

رفتہ رفتہ دو سال گزر گئے۔ آمنہ کا لال حلیمہ کا دودھ پیتا۔ حلیمہ کی ایک بیٹی تھی شیما، اس کی گودیوں میں ہمکتا۔ صحرا کی کھلی فضا ہوتی اور دیہات کی سادہ زندگی۔ جسم تیزی سے بڑھا۔ ہاتھ پیر میں طاقت آ گئی۔ اور بچہ خوب تندرست ہو گیا۔

شیر خواری کے دن پورے ہو گئے۔ اب وقت آیا کہ بچہ پھر ماں کی گود میں جائے اور اس کے گھر کی رونق بنے۔

لیکن کیا حلیمہ اس بچہ کو جدا کر دیں؟ ایسے بچے کو جو اُن کے لیے سراپا برکت تھا۔ مجسم رحمت تھا۔ باعثِ راحت تھا اور موجبِ سعادت تھا۔ کسی طرح بھی طبیعت اس کو چھوڑنا پر تیار نہ تھی۔ تمنا تھی کہ کچھ دنوں وہ ساتھ رہے، کہ برکتوں کا سلسلہ تادیر قائم رہے۔

وہ بچہ کو لے کر ماں کے گھر کی طرف چلیں۔ لیکن ارادہ تھا کہ اُن سے گزارش کریں گی کہ بچہ کو کچھ دن اور ساتھ رکھنے کی اجازت دے دیں!

چنانچہ وہ آمنہ کے پاس آئیں اور بولیں:

مجھے اندیشہ ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابھی سے مکہ میں رَہ گیا، تو کہیں یہاں کی آب و ہوا سے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ کیوں نہ آپ کچھ دن اور ہمارے یہاں رہنے دیں۔ ذرا اور بڑا ہو جائے، پھر آ جائے گا۔

اس طرح حلیمہ آمنہ سے ضد کرتی رہیں۔ پیہم اصرار کرتی رہیں۔ طرح طرح سے مناتی رہیں۔ مکہ کی آب و ہوا سے ڈراتی رہیں۔ یہاں تک کہ وہ تیار ہو گئیں۔

اب کیا تھا، حلیمہ کا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ آنکھیں چمک اٹھیں، اور چہرہ دمک اُٹھا اور وہ محمد کو لے کر پھر اپنے گھر آ گئیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر اسی صحرا میں آ گئے۔ اب پھر وہی کھلی فضا تھی۔ ریت کے ٹیلے تھے۔ چکنے چکنے پتھر تھے۔ وہی ساتھی اور وہی ہمجولی تھے۔ محمد پھر اسی طرح پتھروں سے کھیلتے۔ ریت پر اُچھلتے، اور بچوں کے ساتھ اِدھر سے اُدھر دوڑتے۔

www.quranurdu.com

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب پانچ سال کے ہو گئے۔ حلیمہ سے جدائی کی ساعت پھر آن پہنچی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حلیمہ کو بے حد محبت تھی۔ وہ سچ مچ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے۔ ان کے دل کا سکون تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حلیمہ سے بے انتہا محبت تھی۔ نبوت ملنے کے بعد بھی جب وہ آپ کے پاس آئیں، تو آپ ''میری ماں، میری ماں'' کہہ کر لپٹ گئے۔

حلیمہ کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی سوہانِ روح تھی لیکن کرتیں کیا؟ کہ اب گھر پہنچانا ضروری تھا، مزید روکنا ممکن نہ تھا۔

پھر ایک وجہ اور بھی ہوئی۔ جس کی وجہ سے حلیمہ نے اور جلدی کی۔

ایک روز وہ بیٹھی ہوئی تھی، اور ساتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے کہ اتنے میں حبشہ کے کچھ عیسائیوں کا گزر ہوا۔ بچہ پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھہر گئے۔ قریب آئے اور اُسے بڑے غور سے دیکھنے لگے۔ ایک ایک چیز کا جائزہ لینے لگے۔ حلیمہ سے پوچھا بھی۔

کیسا بچہ ہے یہ؟

پھر وہ آپس میں باتیں کرنے لگے۔

اس بچہ کو لے لیں۔۔۔۔ اس کو اپنے یہاں لے چلیں گے۔ یہ بچہ ایک عظیم انسان ہو گا۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ کیا بنے گا۔

حلیمہ ان کا مطلب سمجھ گئیں۔ اُن کے ارادوں کو بھانپ گئیں۔ ان کی سازشوں سے گھبرا اُٹھیں۔ ڈریں کہ کہیں سچ مچ وہ اسے چھین نہ لیں۔ موقع پا کر اُچک نہ لیں۔ یا کوئی آزار نہ پہنچا دیں۔ چنانچہ وہ نظر بچا کر بھاگ کھڑی ہوئیں اور بچہ کو لے کر غائب ہو گئیں۔

حالانکہ انھیں امید نہ تھی کہ اس طرح وہ بھاگ سکیں گی، اور بچہ کو ان سے بچا سکیں گی۔

پھر جتنی جلدی ممکن تھا، وہ آمنہ کے پاس پہنچیں اور ان کی امانت اُن کے حوالہ کی۔ تب کہیں جا کر اطمینان کا سانس لیا۔

==========

اب ماں کی مامتا تھی، اور دادا کی سرپرستی۔ دونوں محمد سے بہت پیار کرتے۔ ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رکھتے اور ہر طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال رکھتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھ برس کے ہو گئے، تو ماں کا دل چاہا کہ چل کر شوہر کی قبر دیکھیں۔ چنانچہ وہ مدینہ کے لیے روانہ ہو گئیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لیتی گئیں۔ شوہر کی ایک باندی تھی اُمِّ ایمن، وہ بھی سفر میں ساتھ تھیں۔ وہاں ایک مشہور خاندان تھا بنی نجار۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کی ننھیال اسی خاندان میں تھی، اس لیے بی بی آمنہ جا کر وہیں ٹھہریں۔

بی بی آمنہ مدینہ پہنچیں، تو پیارے بیٹے کو وہ گھر دکھایا، جہاں اس کے پیارے باپ نے وفات پائی تھی۔ وہ جگہ بھی دکھائی جہاں وہ ہمیشہ کی نیند سو رہے تھے۔

آج پہلا دن تھا کہ اس معصوم بچہ نے یتیمی کا مفہوم سمجھا۔ آج پہلا موقع تھا کہ اس کے شیشۂ دل پر رنج و غم کا عکس پڑا۔

وہاں ایک مہینہ گزار کر بی بی آمنہ نے گھر لوٹنے کا ارادہ کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مکہ کے لیے روانہ ہو گئیں۔

شوہر کی طرح بی بی آمنہ بھی بیمار پڑ گئیں۔ جحفہ سے 23 میل پر ایک گاؤں ہے اَبوا۔ وہاں پہنچیں تو حالت نازک ہو گئیں، اور پھر سنبھل نہ سکیں۔ وفات پا گئیں۔ اور وہیں دفن ہو گئیں۔ عبد اللہ کی وفات بھی تو پردیس میں ہوئی تھی! اور دفن بھی اِسی طرح ہوئے تھے۔ قوم و وطن سے بہت دُور۔

اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی و کارساز ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔۔!

www.quranurdu.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یتیم تھے۔ باپ کے سایہ سے محروم تھے۔ ابھی اس یتیمی کا شعور ہوا ہی تھا کہ ماں بھی داغِ مفارقت دے گئیں۔ ۔۔۔ باپ کی قبر دیکھی ہی تھی کہ ماں کی قبر تیار ہو گئی۔

اب آپ تنہا رہ گئے۔ ماں ساتھ تھیں، تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیمی کا ملال تھا۔ بھلا دل پر کیا بیتی ہو گی جب کہ وہ سہارا بھی ٹوٹ گیا۔۔۔؟! ایک سے بڑھ کر دوسرا!

اُمِّ ایمن نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حفاظت میں لے لیا اور بڑے پیار سے گھر لائیں۔ مکہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلک بلک کر رو رہے تھے۔ آج آمنہ کے لال کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔

اس حادثہ کا عبد المطلب پر بڑا اثر ہوا اور محمد کے لیے ان کے سینہ میں ماں کی محبت اور باپ کی شفقت اُبل پڑی۔ اب وہ آپ پر بے انتہا مہربان ہو گئے۔ پہلے سے زیادہ ماننے لگے۔ بڑی محبت سے پیش آتے۔ لطف و کرم کی بارش کرتے۔ ہر آن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال رکھتے۔ ہر طرح سے دلجوئی فرماتے۔ اپنی ذات اور اپنی اولاد سے بڑھ کر آپ کی فکر رکھتے۔

عبد المطلب قریش کے سردار تھے۔ کعبہ کے زیرِ سایہ اپنی گدی پر بیٹھتے تو بیٹے ادب و احترام میں گدی سے ذرا دُور بیٹھے ہوتے۔ لیکن محمد ! آجاتے، تو عبد المطلب انہیں اپنے پاس بلاتے، اپنی گدی پر بٹھاتے، اور پیار سے پیٹھ سہلاتے۔ لیکن افسوس! عبد المطلب بھی زیادہ نہ ٹھہرے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابھی آٹھ سال کے ہوئے تھے۔ کہ دادا بھی چل بسے۔ دادا کی موت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو سخت صدمہ پہنچا۔ ویسا ہی صدمہ جیسا اس سے پہلے ماں باپ کی موت پر ہوا تھا۔

نہیں، دادا کا غم ماں باپ سے بھی سوا تھا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ سمجھ دار ہو چکے تھے۔ شعور بیدار ہو رہا تھا۔ جذبات و احساسات میں وسعت اور گہرائی آرہی تھی۔ لطف و محبت کی حقیقت کو آپ سمجھنے لگے تھے۔ نوازش و کرم کی قدر و قیمت پہچاننے لگے تھے۔ اس لیے محرومی کا احساس بھی اتنا ہی شدید تھا۔ اس کے چھن جانے کا غم بھی اتنا ہی گہرا تھا۔

آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ دل درد و غم سے چور تھا۔ خود تڑپ رہے تھے۔ اَوروں کو تڑپا رہے تھے۔ یہاں تک کہ دادا کا جسم۔۔ ۔آہ!۔۔۔ پیارے دادا کا جسم قبر کی بھیانک کوٹھڑی میں چھپ گیا، اور پھر ہمیشہ کے لیے اوجھل ہو گیا!

==========

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلۂ نسب

سیدنا ابو القاسم۔۔۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔۔۔۔بن عبد اللہ بن عبد المطلب ۔۔ ۔ بن ھاشم بن عبد مناف ۔۔۔ بن قصّی ۔۔۔ بن کلاب ۔۔۔ بن مرہ ۔۔۔ بن کعب ۔۔۔ بن لوی ۔ ۔۔بن غالب ۔۔۔ بن فھر(قریش)۔۔۔ بن مالك ۔۔۔ بن نضر ۔۔۔ بن کنانہ ۔۔۔ بن خزیمہ ۔۔ ۔ بن مدرکہ ۔۔۔ بن الیاس ۔۔۔ بن مضر ۔۔۔ بن نزار ۔۔۔ بن معد ۔۔۔ بن عدنان۔۔۔

www.quranurdu.com

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

کرنیں اُبھرتی ہیں

www.quranurdu.com

عبدالمطلب کی وفات، ابو طالب کی سرپرستی

- شام کا پہلا سفر
- محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دلچسپیاں
- شام کا دوسرا سفر۔
- بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے عقد
- حلیۂ مبارک
- خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رہن سہن
- کعبہ کی نئی تعمیر
- غیبی امداد
- قریش تباہی کے دہانے پر
- اَمینِ قریش کا مثالی کردار۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى o وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى o(الضحی:7)

"(محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ایسا نہیں کہ اُس (اللہ) نے تم کو یتیم پایا، تو ٹھکانا عطا فرمایا، اور (راہِ حق سے) بے خبر پایا تو سیدھا راستہ دکھایا؟"

بے شک! ایسا ہی ہے!

ماں باپ کی آنکھیں بند ہوئیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی رحمتوں سے محروم نہ ہوگئے۔ یہ اسی کا فضل و کرم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے دادا ملے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ماں باپ کی طرح مہربان تھے۔ پھر ایسے چچا ملے، جنھوں نے کبھی یتیمی کا احساس تک نہ ہونے دیا۔

دادا عبد المطلب کا انتقال ہوا تو ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ یہ عبد المطلب کے بیٹے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہوتے تھے۔ باپ نے اپنی موت سے پہلے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سرپرست بنا دیا تھا اور وصیت کر گئے تھے، کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال رکھنا، اور ان کی خیر خواہی میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھنا۔"

عبد المطلب کی کئی بیویاں تھیں۔ ان بیویوں سے دس بیٹے تھے۔ ابو طالب نہ تو بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، اور نہ سب سے زیادہ مالدار ہی تھے البتہ سب سے زیادہ باہمت تھے۔ شرافت میں بھی سب سے بڑھ کر تھے۔ طبیعت کے بہت ہی نیک تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبد اللہ اور دو سگے بھائی تھے۔ بقیہ بھائی دوسری بیویوں سے تھے، اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں، اگر باپ نے یہ ذمہ داری اُن پر ڈالی، اور انھیں یہ وصیت کر گئے۔

www.quranurdu.com

عبد المطلب کی طرح ابو طالب بھی بھتیجے کو مانتے۔ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے۔ سوتے تو ساتھ لے کر سوتے، کہیں جاتے تو ساتھ لے کر جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے نہ ان کو اپنی جان کی فکر ہوتی، نہ اپنے بچوں کی۔ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت کیوں تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دن رات ان کی نگاہوں کے سامنے رہتے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر سچائی اور ایمانداری ہے۔ شرافت اور پاکبازی ہے۔ بات بات سے ذہانت کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک ایک چیز سعادت مندی اور خوش بختی کا پتہ دیتی ہے۔

چچا کی سرپرستی میں چار سال گزر گئے۔ جسم پروان چڑھتا رہا۔ عقل کا دائرہ وسیع ہوتا رہا، اور فطری صلاحیتیں اُبھرتی رہیں۔ بارہ سال کے ہوئے تو جسم میں کافی مضبوطی اور توانائی آچکی تھی۔

عقل میں غیر معمولی گہرائی تھی۔ ذہانت بلا کی تھی۔ روح میں بے پناہ عظمت و بلندی تھی۔ وسعت و ہمہ گیری تھی۔ احساس و شعور سے وہ پوری طرح بھرپور تھی۔

ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ہی کیا تھی؟ بالغ بھی نہ ہوئے تھے۔ لیکن پیشانی پر اقبال مندی کا ستارہ چمک رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں غیر معمولی صلاحیتیں جھلک رہی تھیں اور عجیب و غریب کمالات ظاہر ہو رہے تھے۔ ابو طالب دیکھ دیکھ کر سخت حیران ہو رہے تھے اور حیرت سے انگشت بدنداں تھے۔ اب ان کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شمار نا سمجھ بچوں میں نہ تھا بلکہ سوجھ بوجھ رکھنے والے بڑے بوڑھوں میں تھا۔ پوری بے تکلفی سے وہ ہر طرح کے مسائل پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تبادلہ خیال کرتے جیسے کوئی شخص اپنے کسی برابر کے ساتھی سے کرے۔

اسی زمانہ میں جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً بارہ سال تھی ابو طالب نے شام کے تجارتی سفر پر جانے کا ارادہ کیا۔ سفر دور دراز کا تھا اور راستہ دشوار۔ اس لیے آپ کو ساتھ لے جانے کا خیال نہ تھا۔ لیکن وہ چلنے لگے تو آپ لپٹ گئے۔ ابو طالب نے سوچا، سفر دشوار تو ہے مگر بھتیجا ہوشیار ہے۔ یہ سوچ کر بخوشی ساتھ لے جانے پر تیار ہو گئے۔

تجارتی قافلہ روانہ ہو گیا۔ قافلے میں آپ بھی تھے۔ راستے میں جو کچھ دیکھتے، اس پر غور کرتے، جو کچھ سنتے، اُس پر سوچ بچار کرتے اور سب کچھ ذہن میں محفوظ کرتے جاتے۔

قافلہ مختلف علاقوں سے گزرا۔ بہت سے شہروں میں ٹھہرا۔ بالآخر شام کی سرزمین میں پہنچ گیا اور وہاں کے ایک مشہور شہر بصریٰ میں پڑاؤ ڈال دیا۔

بصری میں بحیرا نامی ایک راہب تھا۔ اس کے گرجاگھر کے پاس ہی ایک سایہ دار جگہ تھی۔ قریش تاجر جب بھی بصریٰ پہنچتے وہیں پر ٹھہرتے۔ ٹھہر کر کچھ دیر آرام کرتے۔ پھر آڑھتیوں اور بیوپاریوں سے ملتے۔

یہ قافلہ بھی اسی جگہ آکر ٹھہرا اور ہر شخص اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ کوئی زیادہ تھکا ہوا تھا وہ آرام کرنے لگا۔ کوئی بھوک سے بے تاب تھا وہ دستر خوان پھیلا کر بیٹھ گیا۔ کوئی اپنا تجارتی سامان ٹھیک کرنے لگا کہ جلدی سے ''آپ لوگ بحیرا کے یہاں تشریف لے چلیں۔ انھوں نے آپ سب لوگوں کو یاد کیا ہے۔ کھانا بھی آپ لوگوں کو وہیں کھانا ہے۔ سب کچھ انتظام ہو چکا ہے۔

لوگ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ نگاہیں گویا ایک دوسرے سے پوچھ رہی تھیں:

وہ یہاں کئی بار آئے، ٹھہرے اور چلے گئے، لیکن بحیرا نے کبھی نہیں پوچھا، آج وہ کیوں اتنا مہربان ہو گیا؟

بہر حال کرتے کیا؟ انکار کرنے کی تو کوئی وجہ تھی نہیں۔ دعوت قبول کر لی۔ تمام لوگ قاصد کی رہنمائی میں روانہ ہو گئے۔ ہاں صرف محمد رہ گئے۔ آپ نہیں گئے۔ اس لیے کہ ابھی بچے تھے۔

بحیرا نے سب کا بہت ہی پرتپاک خیر مقدم کیا۔ بولا:

''بھائیو! میں چاہتا ہوں، آج تم سب میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ تمہارا کوئی بھی فرد کھانے سے رہ نہ جائے۔''

اہل قافلہ: '' ہم سب آ گئے ہیں۔ ہاں ایک چھوٹا بچہ بھی ساتھ تھا۔ اس کو وہیں چھوڑ آئے ہیں!''

بحیرا: '' نہیں، نہیں بچہ ہے تو کیا؟ اس کو بھی لاؤ۔ وہ بھی یہیں کھانا کھائے گا!''

ان کی حیرانی اور بڑھ گئی کہ ایک تو خلافِ معمول دعوت کی۔ پھر یہ بھی اصرار کہ کوئی رہ نہ جائے۔

بحیرا! کیا بات ہے آج آپ نے ہماری دعوت کی ہے۔ اس سے پہلے تو کبھی کرتے نہ تھے؟'' انھوں نے بڑے تعجب سے سوال کیا۔

''آپ لوگ دور کے مسافر ہیں۔ ہمارے پڑوس میں آکر ٹھہرے ہیں۔ ہم پر آپ کا حق ہے۔ ہمیں اس کا خیال کرنا ہی چاہیے۔ میں نے چاہا آپ لوگوں کی کچھ خاطر ہو جائے۔ اور کیا بات ہو سکتی ہے؟'' بحیرا نے ٹالنے کی کوشش کی۔

''بخدا کوئی بات ہے ضرور! محض اتنی بات تو ہو نہیں سکتی۔'' اہل قافلہ کی الجھن بدستور قائم رہی۔

قاصد ابو طالب کے ڈیرے پر گیا۔ محمد کو ساتھ لے کر آیا۔ بحیرا اور تمام اہل قافلہ بیٹھے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔

بحیرا کی نظریں محمد پر پڑی تو جم کر رہ گئیں۔ وہ ٹکٹکی لگائے آپ کو دیکھتا ہی رہا۔

www.aurdurdu.com

سب نے کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر وہ اِدھر اُدھر پھیل گئے۔ کوئی تو چہل قدمی کر رہا تھا کوئی گھوم پھر کر بحیرا کا گرجا گھر دیکھ رہا تھا۔ ایسے میں بحیرا آپ کے پاس آیا۔ بولا: ''بیٹے! تمھیں لات و عزی کی قسم! جو کچھ پوچھوں، صحیح صحیح بتلا دینا!!''

''لات و عزی کی قسم نہ دیجیے۔'' محمد نے فوراً لقمہ دیا۔

اچھا خدا کی قسم! جو کچھ پوچھوں، سب بتلا دینا! کچھ چھپانا مت'' بحیرا نے دوبارہ التماس کیا۔

پوچھیے، کیا پوچھتے ہیں؟'' محمد نے اس کی درخواست منظور کر لی۔

بحیرا آپ سے آپ کے ہی بارے میں مختلف سوالات کرنے لگا۔ کچھ مزاج اور طبیعت کا حال پوچھا۔۔۔۔ کچھ عادات و اخلاق کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ اس کے ہر سوال کا جواب دیتے رہے۔ اتنے میں ابو طالب محمد کو لینے آ گئے۔

''یہ بچہ تمہارا کون ہے؟'' بحیرا ابو طالب کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''یہ میرا بیٹا ہے۔'' ابو طالب نے یونہی چلتا ہوا جواب دیا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تمہارا بیٹا نہیں۔ اس بچے کا باپ زندہ ہو یہ ہو نہیں سکتا۔'' بحیرا نے ابو طالب کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

آپ کے بارے میں بحیرا کی یہ معلومات دیکھیں تو ابو طالب دنگ رہ گئے۔

''ہاں، یہ میرا بھتیجا ہے۔'' ابو طالب نے اپنی بات کی تصحیح کی۔

''اور اس کا باپ؟!'' بحیرا نے پھر سوال کیا:

''ابھی یہ ماں کے پیٹ میں ہی تھا کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔'' ابو طالب نے مزید وضاحت کی۔

''تم نے سچ کہا۔ اب اپنے بھتیجے کو واپس گھر لے جاؤ اور دیکھو، اسے یہودیوں سے بچا کے رکھنا۔ خدا کی قسم! اگر انھوں نے دیکھ لیا اور جس حد تک میں نے اسے پہچان لیا ہے، انھوں نے پہچان لیا تو اس کی جان کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ تمہارا یہ بھتیجا کتنا عظیم انسان ہو گا! اس کا تم تصور نہیں کر سکتے۔ بس یہ سمجھ لو، یہ وہ ہیرا ہے جس جیسا ہیرا کوئی پیدا نہیں ہوا۔

بحیرا ایک ہی سانس میں یہ ساری باتیں کہہ گیا، بالکل ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بائبل کا کوئی صفحہ سنا رہا ہو، یا محمد کی پیشانی پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ تقدیر پڑھ رہا ہو! پھر وہ واپس ہو گیا۔ چہرہ خوشی اور اطمینان سے چمک رہا تھا وہ زیر لب یہ کہتا جا رہا تھا:

''میرا اندازہ بالکل صحیح نکلا۔''

==========

ابو طالب محمد کو لے کر مکہ واپس آ گئے۔ بحیرا نے جو کچھ کہا تھا، وہ سب دماغ میں گونج رہا تھا۔ محمد کے بارے میں جو پیشین گوئی کی تھی، وہ ذہن میں گردش کر رہی تھی۔

محمد کے لیے اپنے ملک سے باہر نکلنے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ واپس ہوئے تو اس طویل سفر کے دوران آپ نے جو کچھ دیکھا تھا، ذہن میں تازہ کرتے رہے۔ لوگوں سے جو کچھ سنا تھا، اس پر غور کرتے رہے۔

آپ نے بڑے بڑے ریگستان اور اونچے اونچے پہاڑ دیکھے تھے۔ ہرے بھرے چمنستان اور پھلوں سے لدے ہوئے باغ دیکھے تھے۔ طرح طرح کے نشیب و فراز طے کیے تھے۔ مختلف شہروں اور بستیوں سے گزرے تھے۔ اُن سے متعلق لوگوں میں جو گفتگوئیں ہوئی تھیں، ماضی اور حال کے بارے میں جو باتیں ہوئی تھیں، سب آپ نے توجہ سے سنی تھیں۔

www.quranurdu.com

آپ کو ایسے لوگ بھی دکھائی دیے، جو انہی چیزوں کو پوجتے تھے، جن کو آپ کی قوم پوجتی تھی! ایسے لوگ بھی نظر آئے، جو آسمانی کتابوں کے احکام پر عمل پیرا تھے! یہ بھی سننے میں آیا کہ کچھ لوگ آتش پرستی میں مگن ہیں! ایسے لوگ بھی ہیں جو پتھر کی مورتیوں کے حضور عبادت کی رسوم ادا کرتے ہیں اور بندگی کے سارے آداب بجالاتے ہیں! کچھ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی نکیل یہودی علماء کے ہاتھوں میں دے رکھی ہے، جو کتاب الٰہی کی من مانی تاویلیں کرتے ہیں۔ اور اپنے جی سے شریعت بناتے ہیں! کچھ لوگ ہیں جو عیسائی پادریوں کے اشاروں پر چلتے ہیں، جنھوں نے غیب دانی کا ڈھونگ رچا رکھا ہے!

اس اندھیارے میں۔۔۔۔ ہاں اس گھٹاٹوپ اندھیارے میں محمد ایک چیز کا جائزہ لیتے۔ غور و فکر کرتے۔ افکار و خیالات کا سلسلہ بندھ جاتا۔ اور دیر تک اسی عالم میں غرق رہتے۔ رہ رہ کر سوچتے۔

کس کی راہ ٹھیک ہے اور کس کی غلط؟! کون حق پر ہے اور کون باطل پر؟! حق کہاں ہے؟! اور وہ ہے کیا؟!

کم سن مگر دیدہ ور اور روشن ضمیر محمد کو فکر تھی، کسی طرح حق مل جائے۔ اس کی حقیقت کھل جائے۔ تاریکی کا پردہ چاک ہو جائے اور روشنی نظر آجائے۔

بچپن کا زمانہ کھیل تماشے کا زمانہ ہوتا ہے۔ لیکن محمد کھیل تماشے سے کوسوں دور رہتے۔ بے کار باتوں اور فضول کاموں میں کوئی دلچسپی نہ لیتے۔ ہمیشہ حق کی دھن میں رہتے۔ اس فکر میں رہتے کہ کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جس میں کوئی رہنمائی ہو۔ کوئی ایسا نشان نظر آجائے، جس سے کسی حقیقت کا سراغ لگتا ہو!

گھر گھرانے والوں کے ساتھ عکاظ، مَجنّہ اور ذِی المجاز بھی جاتے۔ یہ عرب کے مشہور بازار تھے، جو مکہ کے آس پاس ہی لگتے۔ پھر لگتے بھی حرمت کے مہینوں میں، جن میں جنگ و خونریزی حرام ہوتی۔ ہوتی ہوئی جنگیں رک جاتیں۔ انتقام کے بھڑکتے ہوئے شعلے بجھ جاتے اور یہ حرمت کے مہینے چار تھے۔ ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب۔

ان بازاروں میں ہر قسم کی چیزیں بکتیں۔ بیرونِ ملک سے بھی سامان آتا اور فروخت ہوتا۔ اس کے علاوہ ان میں شعر و شاعری کی محفلیں جمتیں۔ مقررین اپنی اپنی خطابت کے جوہر دکھاتے۔ ہر شخص اپنے افکار و خیالات کا برملا اظہار کرتا۔ ہر مذہب کا آدمی اپنے عقائد کی اشاعت کرتا۔ ہر شخص پوری آزادی سے اپنے نظریہ و مسلک پر عمل کرتا۔ نہ وہاں کسی طرح کا خطرہ ہوتا نہ کسی سے اندیشہ ہر ایک مطمئن اور بے غم ہوتا، کہ یہ حرمت کے مہینے ہیں۔

یہ بازار آدمیوں سے بھرے ہوتے۔ ان میں طرح طرح کے لوگ ہوتے۔ جگہ جگہ کے باشندے ہوتے۔ ہر طرف ایک چہل پہل ہوتی۔ اک ہما ہمی ہوتی۔ ایسے میں آپ کو لوگوں سے ملنے جلنے کا، اُن کے افکار و عقائد کو سمجھنے کا، ان کے قول و عمل کو پرکھنے کا بڑا اچھا موقع ملتا۔ یہ فیصلہ کرنے میں بھی آسانی ہوتی کہ کون راہِ راست پر ہے اور کون اس سے پرے۔

پھر جب آپ تنہائی میں ہوتے اور یکسوئی حاصل ہوتی تو ساری باتیں عقل کی ترازو میں تولتے۔ جو بات صحیح معلوم ہوتی، ذہن نشین کر لیتے۔ جو غلط معلوم ہوتی اسے دور ڈال دیتے۔

بارہ سال کی عمر سے آپ بکریاں چرانے لگے۔ اس سے غور و فکر میں اور مدد ملی۔ یہ آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ کچھ گھر والوں کی بکریاں ہوتیں، کچھ قبیلے والوں کی، ان کو لے کر دور ٹیلوں اور میدانوں کی طرف نکل جاتے، جہاں بکریوں کو آزادی سے چرنے کا

www.quranurdu.com

موقع ملتا، اور آپ کی روح کو پر سکون اور پر کیف فضا میسر ہوتی۔ وہاں فکر و نظر کے لیے، غور وتدبر کے لیے آپ کے سامنے ایک وسیع میدان ہوتا۔ اللہ کی یہ وسیع و عریض کائنات ایک کتاب کی مانند آپ کے سامنے کھلی ہوتی۔ آپ اس کی سیر کرتے۔ اس کے اشاروں کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔

اس انداز سے آپ نے بچپن کے ایام اور نوجوانی کے سال گزارے! نہ کہ دوسرے بچوں اور نوجوانوں کی طرح کھیل کود میں، ہنسی مذاق میں، فضول باتوں اور بے مقصد کاموں میں!

اس نوعمری میں ہی آپ کے اندر بڑوں کی سی متانت اور سنجیدگی تھی۔ شریفوں کی سی پاکیزگی و پاکبازی تھی اور جہاں دیدہ بزرگوں کی سی سوجھ بوجھ اور دوراندیشی تھی!

بچپن کا واقعہ ہے، کعبے کی دیواریں اٹھ رہی تھیں۔ بچوں نے تہہ بند اتار کر کندھوں پر رکھ لیے اور پتھر ڈھونے لگے۔ لیکن آپ نے تہہ بند اور مضبوطی سے باندھ لیا۔ چچا عباس نے کہا، بچوں کو دیکھو، اپنے اپنے تہہ بند کندھوں پر رکھ لیے ہیں۔ اب کیسے مزے سے ڈھو رہے ہیں۔ تم بھی ایسا ہی کر لو۔ کندھے نہیں دکھیں گے۔ چچا کے کہنے سے ایسا کرنا چاہا تو مارے غیرت کے بے ہوش ہو کر گر گئے!!

مکے میں عام رواج تھا، رات کو لوگ اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہو کر جمع ہوتے۔ طرب و نشاط کی محفلیں آراستہ ہوتیں۔ دلچسپ تفریحی پروگرام رہتے۔ داستان گوئی و داستان سرائی اس پروگرام کا اہم جز ہوتا۔ کوئی شخص، جس کو اس فن میں کمال ہوتا، داستان سنانا شروع کرتا اور لوگ رات رات بھر بیٹھے سنتے رہتے۔ یہ گویا اُس زمانے کا کلچرل پروگرام تھا۔ ایک ساتھی نے آپ کو بھی للکارا:

"محمد! ایک رات تم بھی اس محفل کا لطف اٹھاؤ۔"

نوجوانی کا زمانہ تھا، ساتھی نے زیادہ کہا تو تیار ہو گئے۔ وہ آپ کے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ فرمایا: "اچھا، آج رات میری بکریاں تم دیکھتے رہنا!"

اور پھر اس تفریحی پروگرام میں شرکت کی غرض سے آبادی کی طرف چل پڑے۔ راستے میں کسی گھر سے گیت کی آواز آرہی تھی۔ ٹھہر کر سننے لگے۔ کچھ دیر میں نیند کا غلبہ ہوا اور سو گئے۔ آنکھ کھلی تو دن چڑھ چکا تھا۔ سورج کی گرمی میں تیزی آچکی تھی۔ آپ ساتھی کے پاس لوٹ ائے۔

"کہو محمد! رات کیسی گزری؟" ساتھ نے دیکھتے ہی پوچھا۔

فرمایا: "کیا بتاؤں، جا رہا تھا۔ راستے میں ایک جگہ گیت گانے کی آواز آئی۔ گیت بڑا سہانا تھا۔ آواز بڑی رسیلی تھی۔ سوچا، تھوڑی دیر اسے بھی سن لوں، پھر جاؤں۔ بیٹھا تو نیند آگئی۔ آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی۔"

دوسری رات ساتھی نے پھر للکارا: "دیکھو، آج یہ موقع ہاتھ سے نہ جانے پائے۔"

آپ پھر روانہ ہوئے۔ ابھی راستے میں ہی تھے کہ کانوں میں گیت کی آواز پڑی۔ گیت بلا کا سہانا تھا۔ ایسا لگتا گویا آسمان سے آواز آرہی ہے۔ آپ پھر سننے بیٹھے گئے۔ کچھ دیر میں نیند آگئی اور سو گئے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پوری نوجوانی میں بس دو بار اس قسم کا ارادہ کیا، مگر دونوں دفعہ خدا نے بچا لیا کہ ''تیری شان ان فضولیات سے بالا تر ہے۔'' پھر کبھی خواب میں بھی اس طرح کا خیال نہ آیا نہ کبھی کوئی ایسی بات سرزد ہوئی جس سے آپ کی امانت و دیانت پر حرف آتا ہو یا عفت و پاکبازی پر کوئی آنچ آتی ہو۔

آپ شرم و حیا کے پیکر تھے۔ عفت و پاکبازی کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔ سچائی کے لیے پوری قوم میں مشہور تھے۔ دیانت داری و ایمان داری میں اپنی مثال آپ تھے۔

اہل مکہ نے آپ کو ''امین'' کا خطاب دیا، تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔ ذرا بھی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی خطاب زیب دیتا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی زیب دیتا تھا۔

آپ نے نوجوانی میں تیر اندازی سیکھی۔ جوان ہوئے تو فن سپہ گری میں مہارت حاصل کی۔ اور جنگ فجار ہوئی تو چچاؤں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں شریک رہے۔ یہ جنگ قریش اور ہوازِن کے درمیان ہوئی تھی۔ اور تاریخی جنگ تھی۔ بڑی ہی خوفناک اور تباہ کن! شریک ہونے کو تو آپ بھی اس میں شریک ہوئے، پر کسی پر تیر نہیں چلائے۔ بس چچاؤں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے اور دشمن کی طرف سے جو تیر آتے انھیں روکتے۔

اس جنگ میں گھرانے کے گھرانے تباہ ہو گئے۔ اس سے کچھ لوگوں کو بہت دُکھ ہوا۔ انھوں نے صلح کی آواز اُٹھائی۔ بالآخر دونوں فریقوں میں معاہدہ ہو گیا۔ یہی معاہدہ ''حلف الفضول'' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس معاہدے میں آپ بھی شریک تھے۔ عمرِ مبارک اس وقت 20 سال تھی۔

www.quranurdu.com

جنگ سے فرصت ملی تو اہل مکہ پھر اپنی پرانی حالت پر آ گئے۔ اب پھر وہ لہو و لعب تھا۔ وہی سرمستیاں تھیں۔ ہر طرف رنگ رلیاں منائی جانے لگیں۔ آوارگی و بے حیائی کا بازار گرم ہو گیا۔ جوئے اور شراب کی محفلیں آباد ہو گئیں۔ اور لوگ دادِ عیش دینے لگے۔

اور آپ۔۔۔۔؟ آپ بھیڑ بکریاں لے کر پہلے کی طرح میدانوں میں نکل جاتے۔ وہاں کھلی فضا ہوتی۔ روح پرور سماں ہوتا۔ آنکھیں بکریوں کی دیکھ بھال کرتیں اور روح کائنات کی وسعتوں میں پرواز کرتی۔

یہ تھی آپ کی زندگی! یہی آپ کے شب و روز تھے، یہی آپ کے مشاغل اور دل چسپیاں تھیں۔ اسی میں آپ کے لیے سکون و راحت کا سامان تھا! تنہا رہنا اور نظامِ کائنات کا مطالعہ کرنا، ہنگاموں سے دور رہنا اور عالم کے حسن انتظام پر غور کرنا۔

آپ کو بس بکریاں چرانے سے مطلب رہتا! صحرا کی فضا میں مزہ آتا! تنہائی اور یکسوئی میں آپ کے ذہن و فکر کی نشوونما ہوتی، قلب و روح پر معرفت کا فیضان ہوتا، کائنات کے اسرار منکشف ہوتے۔

اور ابو طالب؟ وہ روزی روزگار کی فکر رکھتے۔ معاشی دوڑ دھوپ میں لگے رہتے کہ ان کا اور بھتیجے کا پیٹ پل سکے۔ اور آسانی سے اولاد کا گزارہ ہو سکے۔ جو اللہ کے فضل سے کچھ کم تعداد میں نہ تھی۔

ایک دن ابو طالب آپ کے پاس آئے۔ کہنے لگے:

''بھتیجے! تم جانتے ہو، اپنی مالی حالت کیا ہے؟ ہماری پریشانیاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ خدیجہ دوسروں سے اپنا مال دے کر تجارت کراتی ہیں۔ کہو تو تمہارے لیے بات کروں؟'' اس وقت آپ کی عمر 23 یا 24 سال تھی۔

''چچا! آپ جو فرمائیں، سر آنکھوں پر!!'' آپ نے اسی سعادت مندی کا مظاہرہ کیا جس کی انھیں امید تھی۔

خدیجہ بہت اونچے گھرانے کی خاتون تھیں۔ ان کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں قصّی تک پہنچ کر آپ سے جا ملتا ہے۔ یہ بنی مخزوم کے دو رئیسوں سے یکے بعد دیگرے بیاہی تھیں۔ وہ دونوں بہت کافی دولت چھوڑ چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ پھر قریش کے بہت سے رئیسوں نے شادی کا پیغام بھیجا۔ لیکن ہر ایک کو ٹھکرا دیا۔ کسی کو قبول نہیں کیا۔ وہ تنہا رہتیں۔ اپنا سرمایہ کاروبار میں لگاتیں، کاروبار میں کافی برکت ہوتی اور نہایت خوش حالی کی زندگی بسر کرتیں۔ ابو طالب پہنچے تو تجارت کے لیے وہ کسی مناسب آدمی کی تلاش میں تھیں۔

ابو طالب: ''خدیجہ! محمد سے تجارت کرانا پسند کرو گی؟''

خدیجہ: '' آپ کسی غیر کے لیے کہتے، جب بھی مجھے انکار نہ ہوتا، محمد تو اپنے آدمی ہیں، وہ بھی امین!''

ابو طالب خوش خوش آپ کے پاس آئے۔ بولے: ''محمد! لو، اللہ نے روزگار کا انتظام کر دیا۔''

شام جانے کے لیے قافلہ تیار ہو گیا۔ اُس میں آپ بھی تھے۔ آپ کے ساتھ خدیجہ کا غلام میسرہ بھی تھا۔ آپ کے سبھی چچا آپ کو رخصت کرنے آئے۔ ابو طالب آگے آگے تھے۔ اُن لوگوں نے رخصت ہوتے وقت بڑے پیار سے کہا: ''خدا یہ سفر مبارک کرے، تجارت میں خوب برکت دے اور خیریت سے واپس لائے۔''

میسرہ کو بھی وصیت کی: ''دیکھو میسرہ! محمد کا خیال رکھنا، کسی طرح کی کوئی تکلیف نہ ہونے دینا۔''

قافلہ روانہ ہو گیا۔ راستے میں وہ ساری چیزیں پھر سامنے آتی رہیں، جو آپ پہلے سفر میں دیکھ چکے تھے۔ چلتے چلتے قافلہ شام پہنچ گیا۔ اور پھر اسی شہر بصریٰ میں ٹھہرا۔ قافلے میں جتنے لوگ تھے، سب کی ہمدردیاں اور خیر خواہیاں آپ کو حاصل تھیں۔ آپ بھی اُن کے لیے ایک بہترین رفیق سفر اور سراپا خیر و برکت تھے۔ رہا خدیجہ کا غلام میسرہ، تو نہ پوچھیے اس کا کیا حال تھا؟ ایسا لگتا جیسے وہ آپ ہی کا غلام ہو! بے حد محبت کرتا، ہر وقت خیال رکھتا، آپ کی کسی بات کو نہ ٹالتا۔

جو کچھ سامان ساتھ تھا، اس کی آپ نے بڑی کامیابی سے تجارت کی۔ ایک ہوشیار، تجربہ کار اور خوش تدبیر انسان کی طرح۔ پھر کسی کے ہاتھ کچھ بیچا تو بڑی خوش اخلاقی سے، کسی سے کوئی معاملہ کیا تو بڑی ایمان داری سے، کسی سے کچھ تبادلہ کیا تو بڑی دیانت داری سے۔ واپس ہوئے تو خدیجہ نے جو جو فرمائشیں کی تھیں اور جو جو سامان منگائے تھے وہ سب ساتھ لائے۔

کیا کاروبار کی ان مشغولیتوں میں آپ کے معمولات چھوٹ گئے؟ نہیں، آپ اسی طرح تنہائیوں میں بیٹھ کر غور و فکر کرتے۔ لوگوں کے حالات جدا جدا تھے۔ ان کے مذاہب مختلف تھے۔ ان کے عقائد ایک دوسرے سے الگ تھے۔ آپ ہر ایک کو عقل کی ترازو میں تولتے، ان میں کون صحیح ہے؟ کس حد تک صحیح ہے؟ گھنٹوں بیٹھے اسی غور و فکر میں ڈوبے رہتے۔

جہاں قافلے کا پڑاؤ تھا، اس سے قریب ہی ایک بہت بھاری درخت تھا۔ ایک روز عادت کے مطابق آپ اسی کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ میسرہ اِدھر اُدھر کچھ کام میں مصروف تھا۔ پاس ہی ایک گرجا گھر تھا۔ اس میں سے ایک راہب نکلا اور میسرہ کے پاس آیا۔ یہ تھا نَسطور راہب، میسرہ یہاں تجارت کے لیے ہر سال آتا تھا، اس لیے نَسطور اس سے واقف تھا۔ بولا:

''میسرہ! تمہارے ساتھ یہ کون ہے؟''

میسرہ: قریش کا ایک جوان جس کا خاندان خانہ کعبہ کا کلید بردار ہے۔

راہب: تم نے ان میں کیا کیا باتیں دیکھیں؟

میسرہ: ''سچائی اور ایمان داری، پاکیزگی اور ستھرائی، نرم مزاجی اور خوش اخلاقی، افکار و خیالات کے سمندر میں اسی طرح غرق رہنا، نگاہِ تصور سے کائنات کا مطالعہ کرنا۔

نَسطور نے بڑی بے تابی سے پوچھا: ''اچھا، ان کی آنکھیں کیسی ہیں؟

میسرہ پہ کچھ گھبراہٹ سی طاری ہوئی۔ بولا:

''آنکھیں سیاہ اور چوڑی ہیں۔ سفید حصے میں ہلکے سرخ ڈورے ہیں۔ پلکیں سیاہ اور باریک ہیں۔ کچھ بڑی بڑی بھی ہیں، جو آنکھوں کا حسن دوبالا کرتی ہیں۔''

نَسطور، جواب آپ کے پاس آنے کے لیے پر تول رہا تھا، بولا:

''میسرہ! یہ جوان جو اس درخت کے نیچے ٹھہرا ہے اور اس میں یہ یہ خوبیاں ہیں، وہ آخری نبی ہی ہو سکتا ہے۔''

پھر وہ آپ کے پاس آیا، اس کی قوم میں جو جو مذاہب رائج تھے ان کے بارے میں سوالات کرنے لگا۔ وہ چاہتا تھا اس سلسلے میں آپ کے خیالات معلوم ہوں اور اندازہ ہو، آپ کے دل میں ان مذاہب کا کیا مقام اور کتنا احترام ہے۔ آپ نے ان سب کی تردید کی اور ان سے بیزاری ظاہر کی۔ خود اس کا مذہب عیسائی تھا۔ اس نے اس کے بارے میں سوال کیا۔ اس میں جو اچھائیاں یا خرابیاں تھیں، سب آپ نے واضح کر دیں۔

==========

قافلہ کچھ دنوں بعد مکے واپس ہوا۔ مکے سے چند میلوں کے فاصلے پر ایک مقام تھا، جو اس وقت مرالظہران کے نام سے معروف تھا۔ آج وہ وادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام سے معروف ہے۔ مرالظہران آگیا تو میسرہ نے کہا: ''محمد! اونٹنی کی رفتار تیز کرو۔ لپک کر خدیجہ کے پاس جاؤ۔ انھیں کامیابی کی خوش خبری سناؤ!''

آپ نے اونٹنی کی رفتار تیز کر دی۔ دوپہر ہوتے ہوتے مکے پہنچ گئے۔ خدیجہ اس وقت بالا خانے میں تھیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے مزے لے رہی تھیں۔ اچانک کیا دیکھتی ہیں کہ ایک اونٹنی پر کوئی سوار ہے اور اونٹنی ریگ زار کی تپتی ہوئی ریت پر محوِ رفتار ہے۔ بالکل ہوا کا مقابلہ کر رہی ہے۔

خدیجہ نے سوار پر نظریں گڑ دیں کہ پہچانیں، کون ہے؟ وہ سوار کچھ اور قریب ہوا۔ کچھ اور قریب ہوا۔ دیکھا تو محمد ہیں۔ ان کے گھر کی طرف بہت تیزی سے بڑھ رہے ہیں!!

دروازے پر پہنچے تو خدیجہ آپ کے استقبال کے لیے وہاں پہلے سے موجود تھیں۔ وہ آپ سے بہت محبت سے ملیں۔ خیریت سے واپس آنے پر مبارکباد دی۔ پھر آپ نے بڑے اچھے اور دلکش انداز میں سفر کا پورا حال سنایا۔ کاروبار کی پوری روداد بیان کی: کیا بیچا؟ کیا خریدا؟ کتنا نفع اٹھایا؟

خدیجہ پورے شوق اور دل چسپی سے ساری داستان سنتی رہیں۔ اور دل ہی دل میں عش عش کرتی رہیں۔ آپ کی باتوں سے انھیں بڑی خوشی ہو رہی تھی۔ آپ کی خوش کلامی ان کے دل کو لبھا رہی تھی اور آپ کی ایمان داری اور سچائی ان کے من کو موہ رہی تھی۔ پھر اس بار تجارت میں بے انتہا برکت ہوئی، اتنی کہ اور کبھی نہ ہوئی تھی۔ اس سے وہ بہت متاثر تھیں۔

www.quranurdu.com

پھر میسرہ آیا۔اس کی زبانی آپ کے حالات سنے تو دل خوشی سے لبریز ہو گیا۔اور پھر اتنی حیرت اور مسرت ہوئی،اتنی ہوئی جس کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔

میسرہ نے بتایا،آپ نے کس طرح تجارت کی۔معاملات میں کتنی سچائی اور ایمان داری دکھائی۔کس قدر ان کے مالِ تجارت کی فکر رکھی۔اور جان و دل سے اس کی حفاظت کی۔

پھر راہب نسطور کا واقعہ سنایا۔آپ کے بارے میں اس نے جو خوش خبری دی تھی،وہ بھی سنائی۔میسرہ نے کہا:

''ایک واقعہ اور ہوا،جس پر میں حیران رہ گیا۔سفر سے ہم لوگ واپس ہو رہے تھے۔میرے ساتھ دو اونٹ تھے۔دونوں تھک کر جواب دے چکے تھے۔تھا میں بہت پیچھے۔اندیشہ ہوا،کہیں قافلہ آگے نہ بڑھ جائے اور میں تنہا رہ جاؤں میں بڑھ کے محمد کے پاس گیا ان کو صورت حال بتائی۔

پہلے تو انھوں نے دونوں اونٹوں کے پیر سہلائے۔پھر نکیل ہاتھ میں لی اور ان کو ہنکایا۔اب وہ اس طرح دوڑنے لگے جیسے انھیں کچھ ہوا ہی نہ تھا۔''

خدیجہ بہت حیران ہوئیں۔بولیں:''بھئی!ان میں تو بڑی عجیب باتیں ہیں!''

اب ناممکن تھا،خدیجہ کسی وقت آپ کو بھول جائیں یا آپ ان کے ذہن سے اُتر جائیں۔جب دیکھیے،آپ ہی کا تذکرہ کرتیں جس سے ملتیں آپ ہی کے گن گاتیں اب اُن کو آپ سے بے انتہا محبت تھی اور تمنا تھی،کسی طرح اس امین اور صالح جوان کے دامن سے بندھ جائیں۔کسی طرح اسے اپنا شریکِ زندگی بنالیں!!

خدیجہ کو اس کی فکر ہوئی۔تمنا ہوئی اور پھر ایک تڑپ بن گئی!یہی خدیجہ تھیں۔ہاں،یہی خدیجہ،جن کو قریش کے بڑے بڑے رئیسوں نے نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔انھوں نے ہر ایک کو ٹھکرا دیا تھا۔ہاں،ٹھکرا دیا تھا اور لاپروائی سے رخ پھیر لیا تھا!

آپ کی رفاقت کی یہ خواہش اتنی بڑھی کہ خدیجہ اسے راز نہ رکھ سکیں۔قریبی عورتوں نے ان کی اس خواہش کو بھانپ لیا ان میں ایک خاتون تھیں نفیسہ بنت اُمَیّہ۔کچھ سیرت نگاروں نے ان کا نام نفیسہ بنت منیہ بھی لکھا ہے۔یہ دونوں نام ایک ہی ہیں۔مُنیہ نفیسہ کی والدہ کا نام تھا اور اُمیّہ ان کے والد کا۔ہاں تو نفیسہ نے خدیجہ سے کہا:

خدیجہ!کیا حرج ہے؟امین سے نکاح کیوں نہیں کر لیتیں؟

خدیجہ:'' آخر کیسے؟اس کی شکل کیا ہو گی؟!''

نفیسہ:تم تو بس ''ہاں'' کرو۔یہ کام کرانا تو میرا کام ہے۔

پھر نفیسہ آپ کے پاس آئیں۔بولیں

''محمد!یہ تنہائی کی زندگی کب تک رہے گی؟اب تو تمھیں اپنا گھر بسا لینا چاہیے۔

فرمایا:میرے پاس ہے کیا جو گھر بساؤں!

نفیسہ:''اچھا بتاؤ،اگر اس کا انتظام ہو جائے اور ایک نہایت حسین اور مالدار خاتون سے گھر بسانے کو کہا جائے تو تیار ہو جاؤ گے؟انکار تو نہیں کرو گے؟

www.quranurdu.com

فرمایا: ''وہ کون ہے؟ کس کی طرف آپ کا اشارہ ہے؟

نفیسہ: ''خدیجہ سے بہتر جوڑا تمھیں نہیں ملے گا۔ نیک کام میں دیر کیا۔ یہ کام جتنی جلدی ہو جائے، اچھا ہے۔

خدیجہ کے اخلاق اور دانائی سے آپ بہت متاثر تھے۔ آپ نے جیسا سنا تھا، ان کو ویسا ہی پایا تھا۔ لوگ ان کو ''طاہرہ'' کہتے تھے۔ آپ نے ان کو طاہرہ ہی پایا تھا۔ لیکن ان سے نکاح؟ یہ تو خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔ کیونکہ آپ کو معلوم تھا، اس کے لیے بڑے بڑوں نے زور لگایا لیکن ترس کے رہ گئے۔

فرمایا: '' لیکن کیا یہ ممکن بھی ہے؟! کیا وہ سونے کی چڑیا اس ویرانے میں بسیرا کرنے کو تیار ہو جائے گی؟!

نفیسہ نے آپ کو بھی وہی جواب دیا: ''تم اس کی فکر نہ کرو۔ اس چڑیا کو باغ میں لانا تو میرا کام ہے۔!

آپ ابو طالب کے پاس پہنچے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ابو طالب نے سنا تو سخت حیران ہوئے۔ آپ کی زبان سے کبھی جھوٹ یا غلط بات تو سنی نہیں تھی۔ اس لیے انکار بھی نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ بولے:

تعجب ہے بیٹے! خدیجہ، قریش کی معزز خاتون، مال و دولت اور جاہ و منصب والوں کو تو ٹھکرا دے اور تم کو اپنا دولہا بنانا پسند کر لے!''

پھر بولے:

''لیکن بیٹے ایسا ہو بھی سکتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ تمہارے پاس سونے چاندی کی دولت نہ سہی لیکن تم خود ایک ایسا انمول ہیرا ہو، جس کے سامنے یہ ساری دولت دنیا ہیچ ہے۔

فرمایا: ''چچا! مجھے نہ مال کی ہوس ہے نہ اس سے محرومی کا کوئی غم!

ابو طالب نے بھائیوں کو ساتھ لیا۔ خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد کے پاس گئے۔ ان کے بھائی عمرو بن خویلد سے بھی ملے اور آپ کی طرف سے خدیجہ کے لیے نکاح کا پیغام دیا۔ بھائی اور چچا کو پیغام اس وجہ سے دیا کہ ان کے والد پہلے ہی انتقال کر چکے تھے۔ وہ دونوں اسی دم تیار ہو گئے! بلکہ کہنا چاہیے، وہ پہلے سے تیار بیٹھے تھے اس برکت کو خوش آمدید کہنے کے لیے!!

چٹ پٹ شادی کا دن طے ہو گیا۔ وہ دن آیا تو خاندان کے تمام شرفاء خدیجہ کے مکان پر جمع ہوئے۔ ابو طالب نے خطبۂ نکاح دیا۔ خطبہ بہت عمدہ تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے آپ کے بڑے آپ کی شخصیت سے کس درجہ متاثر تھے۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

''یہ میرے بھائی عبداللہ کا بیٹا محمد ہے۔ یہ وہ نوجوان ہے کہ قریش میں اس جیسا کوئی نہیں۔ ہاں، مال اس کے پاس کم ہے لیکن مال تو چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ محمد میرا عزیز ہے۔ یہ تم سب جانتے ہو۔ وہ خویلد کی بیٹی خدیجہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ اور میرے مال سے بیس اونٹ مہر مقرر کرتا ہے۔ بخدا اس کا مستقبل انتہائی شاندار ہے۔''

اسی طرح یہ مبارک تقریب انجام پا گئی اور خاتون قریش، امینِ قریش کے گھر آ گئی!!

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 25 سال 2 ماہ 10 دن تھی اور بی بی خدیجہ کی عمر 28 سال تھی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر 40 سال تھی۔

==========

www.quranurdu.com

رُخِ مصطفی ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں، نہ دُکانِ آئینہ ساز میں

اس وقت محمد کی اٹھتی ہوئی جوانی تھی۔ حسن و دل کشی بلا کی تھی۔ گورا گورا رنگ، ملاحت لیے ہوئے، مسکراتا ہوا نورانی چہرہ، ہلکی گولائی لیے ہوئے۔ قد درمیانہ، نہ تو پستہ قد اور نہ بہت زیادہ لانبے۔ بڑا سر، جس پر سیاہ سیاہ گھنے بال، ہلکے گھنگریالے۔ چوڑی پیشانی، جس سے غیر معمولی عظمت ٹپکتی۔ باریک باریک بھنویں، ایک دوسرے سے جدا، کچھ خمدار اور بھری ہوئی، انتہائی خوش نما! دراز پلکیں، سیاہ و سرگیں آنکھیں، چوڑائی لیے ہوئے، سفیدی میں ہلکی ہلکی سرخی، جو آنکھوں کی کشش میں غیر معمولی اضافہ کر رہی ہوتی۔ پھر نگاہوں میں شرم و حیا کی گھلاوٹ! اور دیکھنے کا انتہائی معصومانہ اور دل کش انداز! ناک کچھ اونچی اور سُتواں سامنے کے دانتوں میں ہلکی ہلکی ریخیں۔ گفتگو فرماتے تو موتی کی طرح چمکتے۔ ایسا لگتا گویا ان سے نور اُبل رہا ہے۔ چہرے پر بھری ہوئی گھنی ڈاڑھی۔ خوبصورت سی اونچی گردن۔ سینہ کشادہ۔ مونڈھوں کا درمیانی فاصلہ عام پیمانے سے کچھ زیادہ۔ چوڑی چوڑی کلائیاں، ہتھیلیاں فراخ اور نرم و گداز۔ انگلیاں موزوں حد تک دراز، ہلکی ہلکی سُتی ہوئی پنڈلیاں، ایڑیوں پر برائے نام گوشت، تلوے ذرا گہرے۔ چلتے تو قوت کے ساتھ، ذرا آگے کو جھک کر۔ قدم جما کر رکھتے۔ رفتار بہت تیز ہوتی۔ معلوم ہوتا نشیب میں اتر رہے ہیں۔ چہرہ غور و فکر میں ڈوبا رہتا۔ اور نگاہوں میں پاکیزہ خیالات اور بلند جذبات چمکتے ہوتے۔ دیکھنے والا پہلی نظر میں مرعوب ہو جاتا۔

خدیجہ کے ساتھ آپ کی زندگی انتہائی پر لطف زندگی تھی۔ ان کی رفاقت آپ کے لیے راحت ہی راحت تھی۔ وہ ایک نہایت ہوشیار، تجربہ کار اور سمجھ دار خاتون تھیں۔ انھوں نے آپ کی طبیعت اور مزاج کو، آپ کی پسند اور ناپسند کو خوب پہچان لیا اور ہمیشہ اس کا خیال رکھا۔ آپ کے جذبات اور رجحانات کو، آپ کی امنگوں اور دل چسپیوں کو اچھی طرح سمجھ لیا۔ ان کے سلسلے میں آپ کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔ ہر طرح سے سہولتیں پہنچانے کے لیے کمربستہ ہیں۔

آپ کے رجحانات کیا تھے؟ سدا سچ بولنا، ہر کام ایمان داری سے کرنا، ہنگاموں سے دور رہنا، شور و غل کی محفلوں سے پرہیز کرنا اور تنہائی میں بیٹھ کر غور و فکر کرنا۔

خدیجہ نے ان ساری باتوں کا خیال رکھا۔ چنانچہ آپ کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ آپ اب بھی اسی طرح وسیع اور رُوح پرور فضاؤں میں نکل جاتے۔ اب بکریوں کی رکھوالی بھی نہ کرنی ہوتی۔ اس لیے اور زیادہ یکسوئی اور دل جمعی رہتی۔ جب تک چاہتے، غور و فکر کرتے۔ مناظر فطرت کا مشاہدہ کرتے۔ آیاتِ الٰہی کا مطالعہ کرتے۔ حق کو پہچاننے کی کوشش کرتے۔ اس طرح گویا آپ فطرت کی رہنمائی میں اپنے دادا ابراہیم کے نقشِ قدم پر چل رہے تھے اور علم و عرفان، ایمان و یقین کی منزلیں طے کر رہے تھے۔

وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ (الانعام:75)

''اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے نظامِ سلطنت کو دکھاتے تھے اور اس لیے دکھاتے تھے کہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے ہو جائے۔''

توکیا آپ خدیجہ کے حقوق سے غافل رہے؟ نہیں نہیں، ایسا نہیں تھا۔ اگر خدیجہ رضی اللہ عنہ ایک وفا شعار اور فرض شناس بیوی تھیں تو آپ بھی ایک مثالی شوہر تھے جان توڑ عبادت وریاضت کے ساتھ ساتھ آپ خدیجہ کا پورا خیال رکھتے۔ ان کے سارے حقوق ادا کرتے۔ ان کے دل بہلاؤ کا سامان کرتے۔ اُن کے ذوق اور طبیعت کی پوری رعایت رکھتے۔ ان کے مال کی ہر طرح حفاظت کرتے۔ ان کی تجارت کو فروغ دیتے۔ جس پر پورا اطمینان ہوتا، جو سچا اور ایماندار ہوتا، جال بٹے سے بیزار ہوتا۔ بس اسی کو اس میں شریک کرتے۔

غرض آپ ایک انتہائی محبوب اور حق شناس شوہر تھے۔ خدیجہ کے لیے آپ کے رہن سہن میں بڑی دل کشی اور جاں نوازی تھی۔ آپ کا ساتھ ان کے لیے بڑا سکوں بخش اور پر کیف تھا۔ خدیجہ نے آپ کو بڑے بڑے مالداروں اور عزت داروں پر ترجیح دی تھی۔ جاہ و منصب والوں کے مقابلے میں آپ کو پسند کیا تھا۔ وہ آپ کے بارے میں انتہائی حسن ظن رکھتی تھیں۔ آپ کے سلسلے میں وہ نہ جانے کیا کیا خیالات رکھتی تھیں۔ پھر بھی ان کو پہلے سے کیا اندازہ رہا ہوگا وہ کتنی خوش نصیب ہیں!

تھے تو آپ تنہائی پسند، لیکن لوگوں سے میل جول بھی رکھتے۔ ان کے معاملات میں دلچسپی بھی لیتے۔ ان کی باتوں کو بہت غور سے سنتے۔ اکثر چپ رہتے۔ بے ضرورت کبھی نہ بولتے۔ نہ کسی بات میں لوگوں سے الجھتے۔ جو بات بھی کہتے، بہت ہی مختصر اور کام کی کہتے۔ اس میں بھی ظرافت ہوتی۔ ظرافت میں بھی لطافت ہوتی۔ چہرہ مسکراتا ہوتا۔ دیکھنے میں بہت دل کش اور بھلا لگتا۔ بات کرنے والا گرویدہ ہو جاتا۔ یہی مسکراہٹ کبھی کبھی ہنسی میں تبدیل ہو جاتی۔ انہی خوبیوں کی وجہ سے لوگ آپ کی ہر بات کو وزن دیتے۔ آپ کی رائے کا احترام کرتے۔ آپ کے مشوروں پر عمل کرتے۔

==================

مکے کے چاروں طرف پہاڑوں اور پہاڑیوں کا سلسلہ ہے۔ بیچ میں کعبہ ہے۔ پہلے کعبے کی دیواریں بہت نیچی تھیں۔ دیواروں پر چھتیں بھی نہ تھیں۔ جیسے ہمارے یہاں کی عیدگاہیں۔ اس طرح جب کبھی زور کی بارش ہوتی، کعبے کے اندر پانی بھر جاتا۔

ایک بار کا واقعہ ہے، مکے میں بہت زبردست سیلاب آیا۔ بہت سی عمارتیں ڈھے گئیں۔ کعبے کے اندر پانی بھر گیا۔ اس سے دیواروں میں شگاف پڑ گئے۔ بنیادیں کمزور ہو گئیں۔ یہ چیز مکے والوں کے لیے ایک مسئلہ بن گئی۔ انھیں اس کی مرمت کی فکر ہوئی، اوروں کی طرح آپ کو بھی ہوئی۔

کعبہ ان کے لیے سب کچھ تھا۔ یہ ان کا عبادت گھر تھا۔ ان کے بتوں کا گڑھ تھا۔ پھر دور دور سے لوگ اس کا طواف کرنے آتے۔ اس سے ان کی تجارت کو فروغ ہوتا۔ کاروبار میں ترقی ہوتی۔ اتنا ہی نہیں، اس کی وجہ سے انھیں لوگوں کی نظروں میں ایک اونچا مقام حاصل تھا۔ آنے والے ان کی عزت کرتے۔ اپنے سے اونچا اور برتر سمجھتے کیونکہ یہ کعبے کے ہمسایہ تھے۔ اس کے خدمت گار اور پاسبان تھے۔ اس سے متعلق مختلف عہدوں پر سرفراز تھے۔ یہ لوگ ایک جگہ جمع ہوئے آپس میں مشورہ کرنے لگے، کیا کیا جائے؟

کیا پرانی عمارت ڈھا دی جائے؟ اور پھر سے نئی عمارت بنائی جائے؟ اگر ایسا کرنا ہے تو اس کا بیڑا کون اٹھائے گا؟ کون اسے ڈھائے گا؟ پھر کون اسے تعمیر کرے گا؟!

کعبہ اللہ کا سب سے مقدس گھر ہے۔ وہ ڈرتے تھے، کہیں اُسے ڈھانے سے اللہ ناراض نہ ہو جائے۔ کہیں سر پر کوئی بلا نہ آجائے۔ عقل حیران تھی، کریں تو کیا کریں؟!

لیکن عمارت بالکل بوسیدہ ہو چکی تھی۔ بنیادیں کمزور پڑ چکی تھیں۔ ہر آن اس کے ڈھے جانے کا خطرہ تھا۔ اس کی نئی تعمیر کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چاروناچار انھوں نے ڈرتے ڈرتے اسے ڈھانے کا فیصلہ کر لیا! لیکن ابھی ایک مسئلہ اور تھا۔ نئی عمارت مضبوط اور پائیدار ہونی چاہیے۔ اس کے لیے عمدہ سامان کیسے فراہم ہو؟ ماہر کاریگر کہاں سے آئیں، جو سلیقے سے پتھر جوڑ سکیں اور ایک خوبصورت اور مضبوط عمارت تیار کر سکیں؟!

خدا کا کرنا، انہی دنوں ایک رومی آدمی مصر سے جہاز لے کر چلا۔ وہ حبشہ (Ethiopia) جا رہا تھا۔ جہاز جدہ کی بندرگاہ پر پہنچا تو ساحل سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ اس جہاز پر عمدہ قسم کی لکڑیاں تھیں بہترین قسم کا تعمیری سامان تھا۔ اُس آدمی نے سارا سامان بندرگاہ پر اُتار دیا اور انتظار کرنے لگا، کوئی جہاز حبشہ جانے والا ملے تو سامان لاد کر لے جائے۔ قریش کو خبر لگ گئی۔ فوراً کچھ آدمی دوڑائے۔ جہاز والے کا نام باقوم تھا۔ یہ لوگ جا کر اس سے ملے۔ اُسے اپنی ضرورت بتائی۔ وہ بخوشی سارا سامان بیچنے پر تیار ہو گیا۔ اس نے انھیں بتایا کہ وہ ایک ماہر معمار بھی ہے۔ اب کیا تھا۔ اُن کو تو کاریگر کی تلاش تھی ہی۔ بیٹھے بٹھائے ایک اچھا کاریگر مل رہا تھا۔ انھوں نے کہا، اچھا تو آپ بھی ساتھ چلیں اس اہم کام میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔

باقوم نے جا کر کعبے کو دیکھا۔ اس نے کہا: "اس کی تعمیر تو بہت آسان ہے۔ البتہ صحن میں کچھ ستون کھڑے کیے جائیں گے۔ تاکہ چھت پڑ سکے۔ اس طرح عمارت مضبوط رہے گی۔ آندھی کے جھونکے آئیں یا سیلاب کے تھپڑے، سب سے محفوظ رہے گی۔" خود ان کی بھی یہی خواہش تھی۔ اس لیے کہنے سے پہلے ہی منظور تھی۔ مکے میں ایک مصری آدمی رہتا تھا قبطی نسل کا۔ صلیح اس کا نام تھا۔ لکڑی کے کام میں ماہر تھا۔ باقوم کی مدد کے لیے وہ بھی بلا لیا گیا۔

قریش نے کعبے کے الگ الگ حصے کیے اور آپس میں بانٹ لیے کہ اسے ڈھانے میں ہر قبیلے کا ہاتھ رہے۔ تعمیر کے شرف سے بھی کوئی محروم نہ رہے۔

ڈھانے کا وقت آ گیا۔ لوگ پھر لرز اُٹھے۔ جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ پھر پس و پیش میں پڑ گئے، ڈھائیں؟ نہ ڈھائیں؟ کیا کریں؟ ابرہہ کا حشر یہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ جو کعبے کو ڈھانے کے ارادے سے نکلا تھا۔ پورے لاؤ لشکر کے ساتھ آیا تھا۔ لیکن نہ کعبے تک پہنچ سکا نہ واپس جا سکا۔ پورے لشکر کے ساتھ تہس نہس ہو گیا۔

اس واقعہ کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ اس کی ہلاکت و بربادی کا عبرتناک منظر نگاہوں کے سامنے آ جاتا اور لوگ سہم جاتے۔ لیکن ان کا مقصد ڈھانا تو تھا نہیں، اسے از سر نو بنانا تھا۔ چنانچہ نمازیں پڑھیں، قربانیاں کی، دعائیں مانگیں، التجائیں اور مناجاتیں کیں۔ پھر ایک آدمی آگے بڑھا خوف سے اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ وہ تھا ولید بن مغیرہ۔ لرزتے ہاتھوں سے اس نے کدال پکڑی اور ایک ستون ڈھا دیا۔

ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ لوگ خوف و دہشت کے ساتھ چپ چاپ کھڑے دیکھ رہے تھے، انہیں انتظار تھا کہ ولید کا کیا حشر ہوتا ہے؟ وہ کس بلا میں گھرتا ہے؟ رات گزر گئی۔ نئی صبح نمودار ہو گئی۔ لیکن ولید کو کچھ بھی نہ ہوا۔ اس پر کوئی آفت نہ آئی! اب قریش کی ہمت بندھی۔ دلوں کو اطمینان ہوا، اور کعبے کی عمارت ڈھانی شروع کر دی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ڈھانے میں سب نے حصہ لیا۔ پتھروں کو ہٹانے میں بھی سب شریک رہے۔ ڈھاتے ڈھاتے ایک سبز چٹان پر پہنچے۔ اس پر بھی کدالیں ماریں۔ کدالیں چھٹک چھٹک گئیں۔ اور چٹان جوں کی توں رہی۔ پھر وہی نئی عمارت کی بنیاد بنی۔

قریب ہی پہاڑیوں کا سلسلہ تھا۔ وہاں سے پتھر ڈھو ڈھو کر لائے اور نئی عمارت بنانے لگے۔ آپ اور آپ کے سارے چچا اس کام میں پیش پیش تھے۔ دیکھتے دیکھتے محکم دیواریں کھڑی ہو گئیں۔

کعبہ کی پرانی دیوار میں مشرق کی طرف ایک کالا پتھر تھا اور اب بھی ہے۔ اس کو ''حجر اسود'' یعنی '' کالا پتھر'' ہی کہتے ہیں۔ عرب اسے بہت متبرک سمجھتے۔ اسلام میں بھی اس کا خاص مقام ہے۔ کعبے کا طواف کرتے ہیں۔ تو ہر طواف اسی سے شروع کرتے ہیں۔ اسے بوسہ بھی دیتے ہیں۔

قریش نے وہ دیوار کچھ اونچی کر لی۔ اب حجر اسود رکھنے کا وقت آیا۔ سوال پیدا ہوا یہ شرف کس کے حصے میں آئے؟ کون اسے اس کی جگہ پر رکھے؟ کوئی قبیلہ بھی اس شرف سے محرومی پر تیار نہ تھا۔ ہر ایک یہ سعادت خود حاصل کرنی چاہتا تھا دوسروں کے مقابلے میں اپنے کو زیادہ حقدار سمجھتا تھا۔

لوگوں میں نوک جھونک شروع ہوئی۔ اختلاف بڑھتا گیا۔ حالات بگڑتے گئے اور پھر معاملے نے ایک سنگین صورت اختیار کر لی۔ وہ دل جو اب تک جڑے ہوئے تھے، اللہ کے گھر کے نام پر شیر و شکر ہو گئے تھے۔ پھٹنا شروع ہو گئے ان میں نفرت و عداوت کی آگ سلگنے لگی۔

پانچ راتیں گزر گئیں۔ شدید ہنگامہ بپا رہا۔ نہ کوئی بات طے ہوتی نہ کسی رائے پر اتفاق ہوتا۔ حالات سنگین سے سنگین تر ہوتے گئے۔ لوگ آپس میں کٹ مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ بنی عبد الدّار اور بنی عدی دو زبردست قبیلے تھے۔ انھوں نے آپس میں گٹھ جوڑ کر لیا۔ دونوں نے عہد کیا یہ شرف کسی حال میں ہاتھ سے جانے نہ دیں گے۔ کسی اور قبیلے کو اس کے قریب پھٹکنے نہ دیں گے۔

عرب میں دستور تھا، جان دینے کا عہد کرتے تو پیالے میں خون بھر کر رکھتے اور عہد کرنے والے اس میں اپنا ہاتھ ڈبوتے۔ انھوں نے اس موقع پر یہ رسم بھی ادا کی۔ تلواریں میان سے باہر آ گئیں اور یہ ہوا کہ اب اس جھگڑے کا فیصلہ تلواریں کریں گی۔ اس وقت ابو امیہ بن مغیرہ اٹھا۔ یہ قریش کا سب سے زیادہ سن رسیدہ اور جہاں دیدہ آدمی تھا۔ ہر ایک اس کا احترام کرتا، اس کی بات کے آگے سر جھکا دیتا۔ اس نے بڑی دلسوزی کے ساتھ کہا:

میرے بھائیو! عزت اور سرداری میں تم سب کا رتبہ برابر ہے۔ بلاوجہ آپس میں جھگڑو نہیں۔ نفرت اور عداوت کی آگ نہ بھڑکاؤ، عقل و ہوش سے کام لو اور میری بات مانو۔ پہلا قریشی جو باب الصفا سے داخل ہو کر آئے، اس کا فیصلہ اسی پر چھوڑ دو۔''

اللہ کی رحمت شامل حال ہوئی۔ یہ رائے سب نے مان لی۔ کعبہ کے گرد حرم شریف کی چہار دیواری تھی۔ اس کے دروازوں میں سے ایک کا نام تھا باب الصفا۔ کیونکہ یہ صفا پہاڑی کی طرف کھلتا تھا۔ سب نے نگاہیں باب الصفا پہ گڑ دیں اور انتظار کرنے لگے، کہ ان کی قسمت کا فیصلہ کس کے ہاتھ میں جاتا ہے اور وہ کس طرح اس گتھی کو سلجھاتا ہے۔ رب کا کرشمہ دیکھو، تھوڑی ہی دیر بعد ایک خوبصورت جوان باب الصفا سے نمودار ہوتا ہے۔ وہ تیزی سے خانہ کعبہ کی طرف بڑھتا ہے۔ دیکھتے ہی سب پکار اٹھتے ہیں:

''امین! امین! محمد امین کا فیصلہ تسلیم!''

www.quranurdu.com

کتنا اعتماد تھا قوم کو اس جوان پر! پوری قوم میں کوئی نہیں جسے اس کی دیانت داری میں شبہ ہو! کوئی نہیں جسے اس کا فیصلہ ماننے میں تامل ہو! دیکھنا ہے آج اس نازک موقع پر وہ کیا کردار پیش کرتا ہے!

لوگ بے تابی سے آگے بڑھے۔ آپ سے فیصلہ چاہا۔ آپ نے فرمایا: ''ایک بڑی چادر لاؤ۔''

چادر لائی گئی۔ آپ نے اُسے پھیلا دیا۔ پھر حجر اسود کو اپنے ہاتھوں سے اٹھایا اور اس پر رکھ دیا۔ پھر فرمایا:

''ہر قبیلے کا سردار چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ لے اور سب مل کر اُٹھائیں۔''

قبیلوں کے سردار آگے بڑھے۔ انھوں نے چادر کے کونے پکڑ لیے اور جس جگہ پتھر کو لگانا تھا وہاں تک لے آئے۔ پھر آپ نے اسے خود اپنے ہاتھوں سے اٹھایا اور اس کی جگہ رکھ دیا۔ ہر طرف مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ کتنا پیچیدہ تھا یہ مسئلہ! اور کتنی آسانی سے حل ہو گیا! ہر ایک کی ناک رہ گئی۔ کوئی اس شرف سے محروم نہ رہا۔

آپ کی حکمت و دانائی سے ایک زبردست فتنہ دب گیا۔ قوم انتہائی تباہ کن خانہ جنگی سے بال بال بچ گئی۔ دشمنی و عداوت کے شعلے بجھ گئے۔ سب پہلے کی طرح شیر و شکر ہو گئے۔

پھر قریش نے کعبے کی تعمیر مکمل کی۔ ستونوں پہ چھت ڈال دی اور اندر جانے کے لیے اس جگہ سے ایک دروازہ کھول دیا۔ جہاں بتوں کا مہاراجہ ''ہبل'' براجمان تھا۔

اس وقت تک عمر مبارک کی 35 بہاریں گزر چکی تھیں۔

دیکھا تم نے؟ محمد کتنے سچے تھے! قوم میں کس قدر محبوب تھے! بے داغ سیرت اور پاکیزہ طبیعت! ہر ایک آپ کی عزت کرتا۔ جو کچھ فرماتے، اسے تسلیم کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں یونہی تو نہیں فرمایا تھا:

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

'' اور بے شک تم عظیم کردار کے مالک ہو۔''

==========

www.quranurdu.com

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

خدا کی آواز

www.quranurdu.com

- اندھیرے میں چار جگنو
- شب پرستوں کا شرمناک سلوک
- غارِ حرا میں حقیقت کی تلاش
- صدمے پر صدمے
- غلام کی قسمت جاگ اٹھی
- علی رضی اللہ عنہ آفتاب رسالت کے سایے میں
- آثارِ نبوت کا ظہور
- حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد اور آپ کا اضطراب
- بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دل جوئی اور ایمان میں پیش قدمی
- ورقہ بن نوفل سے ملاقات
- وحی کا رک جانا
- وحی کا آنا اور پھر رک جانا
- تسلی کا پیارا انداز
- علی رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہ ایمان کی گود میں
- ابو بکر رضی اللہ عنہ قافلۂ حق کے ساتھ
- مسلمان اور تبلیغ اسلام
- ابو طالب اسلام کے حامیوں میں
- قریش کی شرارتیں

وَ اِذۡ بَوَّاۡنَا لِاِبۡرٰهِيۡمَ مَكَانَ الۡبَيۡتِ اَنۡ لَّا تُشۡرِكۡ بِىۡ شَيۡـئًا وَّ طَهِّرۡ بَيۡتِىَ لِلطَّآئِفِيۡنَ وَالۡقَآئِمِيۡنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوۡدِ(الحج:26)

" وہ وقت بھی یاد کرو، جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے اس گھر کی تجویز کی۔ ہدایت یہ تھی کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا۔ اور میرے گھر کو پاک رکھنا، طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں، اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے۔"

عرب کے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کو چھوڑ چکے تھے، اُن کے پیغام کو بھول چکے تھے اور مورتیوں کی پوجا کرنے لگے تھے۔ لیکن قریش کے کچھ لوگوں کو اس گمراہی کا احساس ہوا۔ چنانچہ انھوں نے شرک و بت پرستی کے خلاف آواز اُٹھائی۔ اور لوگوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دیا ہوا سبق یاد دلایا۔ مکہ والوں سے انھوں نے کہا:

"قریش کے لوگو! ابراہیم علیہ السلام کے بیٹو! اللہ کا گھر پاک کرو۔ کعبہ میں تم نے جو مورتیاں رکھ چھوڑی ہیں، انھیں توڑ پھوڑ ڈالو، وہ تو بالکل بے جان ہیں۔ نہ سن سکیں، نہ دیکھ سکیں۔ اُن کو پوجنے سے فائدہ کیا؟ تم ان کا طواف کرتے ہو! ان پر چڑھاوے چڑھاتے ہو! ان کے نام کی قربانیاں کرتے ہو! بھائیو! اِس دین کے بجائے کوئی اَور دین تلاش کرو۔ بھائیو! توریت اور انجیل میں ایک نبی کا ذکر آیا ہے۔ وہ نبی تمہارے ہی اندر ہو گا۔ وہ بس آنے ہی والا ہے۔ یہودی عالم، عیسائی پادری اور کاہن سب یہی کہتے ہیں۔ لہٰذا تم اپنے آپ سے توبہ کر لو۔ اور ابھی سے اس کا انتظار کرو۔ دنیا میں کامیاب ہو گے، اور آخرت میں بھی نہال رہو گے۔"

اس وقت یہ بالکل ایک نئی آواز تھی۔ قریش کے کان کھڑے ہو گئے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ دیکھتے ہیں تو عُمر بن نفیل کے بیٹے زید ہیں۔ نوفَل کے بیٹے ورقہ ہیں۔ حارث کے بیٹے عثمان ہیں اور جحش کے بیٹے عبید ہیں۔

یہ سب اپنی قوم کی بزرگ اور قابلِ قدر ہستیاں تھیں۔ لوگ ان کی عزت کرتے تھے۔ ہر شخص جانتا تھا کہ یہ چاروں آدمی دینِ ابراہیمی کے پیرو ہیں۔ انھوں نے شراب اور جوئے کو اپنے اُوپر حرام کر رکھا ہے۔ بت پرستی سے سخت بیزار ہیں۔ بیچاری لڑکیوں کے لیے سراپا رحمت ہیں۔ اگر سن لیتے ہیں، کہ کوئی شخص اپنی معصوم بچی کو زندہ گاڑنے جا رہا ہے، محض مفلسی اور تنگدستی سے ڈر کر، یا باعثِ ننگ و عار سمجھ کر، تو یہ فوراً جا کر اِسے کسی طرح حاصل کر لیتے ہیں، اور خود اس کی پرورش کرتے ہیں۔ جوان ہونے پر باپ کی طبیعت راغب ہو تو پھر واپس بھی کر دیتے ہیں۔

یہ سب کچھ سہی، لیکن بھلا قریش کو یہ کب گوارا ہو سکتا تھا۔ کہ یہ لوگ ایسی نامانوس صدا بلند کریں! وہ یہ کیوں کر برداشت کر سکتے تھے کہ اُن کے مذہب پر کھلم کھلا تنقید کی جائے۔ اور اسے غلط ٹھہرایا جائے۔ اُن کی مورتیوں کا کھنڈن کیا جائے۔ اَور ان کی بے بسی کا چرچا کر کے دلوں کو اُن سے بیزار کیا جائے۔

اِسی طرح کی پوجا پاٹ اور نذر و نیاز میں ان کی عمریں گزر گئی تھیں۔ یہی اُن کے معبود تھے، جن کو وہ باپ دادا سے پوجتے آئے تھے۔ کیا وہ انھیں چھوڑ دیں؟ یہ تو وہ کبھی سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے نفرت سے منہ پھیر لیے۔ اور حقارت سے کان بند کر لیے۔ پھر اِسی پر بس نہ تھا۔ بہتوں نے گالیاں بھی دیں، طعنوں کے بھی تیر چلائے۔ تمسخر کے بھی خنجر جھونکے۔ اور جتنا ہو سکا، جسم و رُوح پر زخم لگائے۔

www.quranurdu.com

اسی طرح ایک زمانہ گزر گیا۔ کوئی تو ہجرت کر گیا۔اور کوئی عیسائی ہو گیا۔ دینِ ابراہیم پر صرف زَید رَہ گئے۔ وہ کعبہ کی دیوار سے لپٹ کر روتے اور کہتے:

''خدایا! اگر میں جانتا کہ تجھے کون سا طریقہ پسند ہے، تو اُس کو اپناتا۔ مگر مجھے معلوم نہیں۔''

پھر بے اختیار وہ سجدے میں گر پڑتے۔

==========

چاروں بزرگوں نے اپنے عقیدے کا اعلان کر دیا۔ جو سمجھا اسے صاف صاف بیان کر دیا۔اس پر قریش نے ان کا خوب مذاق اُڑایا۔ وہی لوگ جو اَب تک خوبیوں میں بے مثال اَور شرافت و انسانیت کا معیار تھے، انہی میں اب کیڑے ہی کیڑے دکھائی دینے لگے۔ عَیب ہی عَیب نظر آنے لگے۔ انھیں کیا خبر تھی کہ ایک جوان اَور ہے، جو اُن کی آنکھوں کا تارا اور دِل کا سہارا ہے۔ جو اُن کو دِل سے عزیز اَور جان سے بھی پیارا ہے۔ وہ بھی انہی کا ہم خیال اور انہی کے دین کا علمبردار ہے۔ ہاں، اس نے ابھی اعلان نہیں کیا ہے۔ کیونکہ ابھی وہ خود ہی تنہائیوں میں پڑا سوچ رہا ہے۔اور حقیقت کی تلاش میں سر گرداں ہے۔

مکہ سے چھ میل پر حِرَاء نامی ایک پہاڑ ہے۔ اس میں ایک غار ہے، جو غارِ حِرَاء کے نام سے مشہور ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی غار میں چلے جاتے۔ کئی کئی دن، اور کئی کئی راتیں وہیں رہتے۔ جس حقیقت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے تاب تھے اس کا انکشاف کرتے اور جس معرفت کی آرزو تھی، اُس کی تلاش کرتے۔

وہاں نہ انسانوں کا شور و غل ہوتا، نہ دنیا کے ہنگامے۔ بالکل تنہائی اور خاموشی کا عالم ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں غور و فکر میں مصروف رہتے۔ اور جو کچھ رُوکھا سُوکھا میسر ہوتا، اُسی پر قناعت کرتے۔

یہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دن! اور یہ تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راتیں!! فکر و خیال کی پہنائیوں میں غوط لگاتے۔ ذہن و دماغ کی گہرائیوں سے پتہ پوچھتے جو حق معلوم ہوتا، شوق کے ہاتھوں سے پکڑ لیتے اور جو باطل معلوم ہوتا، اسے ذہن سے کھرچ دیتے۔

یہ دنیا جس میں ہم رَہ رہے ہیں، اس کی حقیقت کیا ہے؟ یہ ایک سوال تھا، جس کا جواب پانے کے لیے آپ سخت بے چین تھے۔

سال پر سال گزرتے رہے۔ اور آپ کا یہی حال رہا۔ آئے دن غار میں جاتے رہتے اور جب رمضان کا مہینہ آتا، تو بالکل ہی یکسو ہو جاتے۔ اور رات و دن وہیں رہتے! معمول تھا کہ غار سے جب مکہ واپس ہوتے، تو سب سے پہلے آپ کعبہ جاتے، اور اُس کا طواف کرتے۔

پھر بال بچوں میں آتے۔ بی بی خدیجہ بہت ہی پیار اور محبت سے پوچھتیں:

''محمد! خیریت تو ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: ''ہاں! خدا کا شکر ہے۔''

پھر بچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیتے۔ جو بہت چھوٹے ہوتے، وہ لپٹ جاتے۔ اور جو بڑے ہوتے وہ باتیں کرتے۔ بڑے بھولے پن سے وہ پوچھتے:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تھے ابا جان؟! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم بھی چلیں گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو گود میں اٹھا لیتے۔ پیار کرتے۔ محبت سے سر پر ہاتھ پھیرتے۔ میٹھی میٹھی باتیں کرتے۔ اور فرماتے۔

www.quranurdu.com

''اچھا کبھی تم بھی چلنا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ وقت بال بچوں میں گزارتے۔ اُن کی پیاری پیاری باتوں سے خوش ہوتے۔ اُن سے ہنس بول کر سکون پاتے اور اُن کی معصوم اَداؤں میں گلگشت کے مزے لوٹتے۔ پھر غارِ حرا لوٹ جاتے۔

لیکن۔۔۔ یہ مبارک گھڑیاں، اور یہ خوشی کے لمحے جلدی بیت گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب بیٹے ایک ایک کر کے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ قاسم طیّب اور طاہر سب اللہ سے جا ملے۔ زخم پر زخم لگتے رہے لیکن آپ صبر کرتے رہے۔ بچپن میں تو یتیمی کا دکھ اٹھایا۔ بڑے ہوئے تو جگر گوشوں کا غم کھایا۔

اب صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں رہ گئیں۔ بیٹیاں صرف چار تھیں۔ زینب رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا، اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا۔

زینب رضی اللہ عنہا جوان ہوئیں، تو اُن کی شادی ابو العاص سے کر دی۔ یہ بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے اور رَبیع کے بیٹے تھے۔

پھر رُقیّہ رضی اللہ عنہا اور اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی عُتبہ اور عُتیبہ سے کر دی۔ یہ دونوں ابو لہب کے بیٹے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اَب صرف فاطمہ رہ گئیں۔ پیاری اور ننھی فاطمہ رضی اللہ عنہا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹوں سے تو محروم ہو گئے۔ لیکن قسمت سے دو بچے مل گئے۔ بہت ہی ہونہار اور سعادت مند، لائق اور وفا کیش! چنانچہ اب وہ دونوں آپ کے بیٹے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے باپ!

بی بی خدیجہ کے ایک بھتیجے تھے حکیم بن حزام۔ ایک روز بی بی خدیجہ اُن سے ملنے گئیں۔ پھر واپس ہوئیں، تو ایک غلام بھی ساتھ لائیں۔ غلام بہت ہی خوبصورت اور ناز و نعمت کا پروردہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ کیسا لڑکا ہے خدیجہ؟''

وہ بولیں: ''حکیم، میرے بھتیجے ہیں، شام سے کچھ غلام لائے تھے ایک مجھ کو بھی دے دیا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بخدا اِس کے چہرے پر شرافت کی چمک ہے۔

عقل و ذہانت کے بھی آثار ہیں۔''

وہ بولیں: ''کہا جاتا ہے کہ یہ بہت ہی ناز و نعمت کا پلا ہوا ہے۔ اتفاق سے بنی قین کے ہاتھ لگ گیا۔ اور انھوں نے اسے حباشہ کے بازار میں بیچ دیا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کو بہت ہی پیار اور محبت سے دیکھا۔ پھر پوچھا: ''بیٹے! تمہارا کیا نام ہے؟''

وہ بولا: '' میرا نام زید ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سلسلۂ نسب کیا ہے؟''

اس نے جواب دیا: '' میرے والد کا نام حارثہ، دادا کا نام شرحبیل اور پردادا کا نام کعب ہے۔ اور میری ماں کا نام سُعدٰی ہے۔ وہ ثعلبہ کی بیٹی ہیں اور قبیلہ طَیٔ سے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

www.quranurdu.com

''کیا اب یہ غلام میرا نہیں؟!''

وہ بولیں: ''ہاں ہاں، کیوں نہیں، چچا کے بیٹے! یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت غلام کو آزاد کر کے اپنا بیٹا بنا لیا! پھر اس کے ماں باپ کے پاس ایک آدمی بھیج دیا، تاکہ ان کو اطمینان ہو جائے کہ ان کا بیٹا خیریت سے ہے۔

اِطلاع پاتے ہی زید کے باپ اور چچا مکہ آئے اور انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ:

''ہم سے منہ مانگے دام لے لیجیے۔ مگر بیٹے کو چھوڑ دیجیے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اور کوئی شکل؟!''

وہ بولے: ''وہ کیا؟!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں بلاتا ہوں، اور اس کی خوشی پر چھوڑتا ہوں، اگر وہ ساتھ جانا پسند کرلے، تو آپ لوگ اِسے لے جائیں مجھے دام دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر اس نے میرے ہی ساتھ رہنا پسند کیا، تو پھر میں بھی اِسے نہیں چھوڑ سکتا۔''

انھوں نے کہا: ''قربان جایئے۔ اس لطف و کرم پر! اس سے عمدہ بات کیا ہو گی؟''

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو بلایا اور فرمایا: ''دیکھو، یہ دو مہمان آئے ہیں۔ کیا انھیں تم پہچانتے ہو؟''

زید نے کہا: ''ہاں، ہاں، یہ تو میرے باپ اور چچا ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہاری خوشی پر ہے۔ چاہو تو ان کے ساتھ گھر چلے جاؤ۔ اور اگر دل چاہے تو میرے ہی پاس رہ جاؤ۔''

بچہ فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گیا۔ اور بولا:

''نہیں نہیں۔ میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ رہوں گا۔''

یہ سننا تھا کہ زید رضی اللہ عنہ کا باپ حارثہ غصہ سے لال ہو گیا۔ کڑک کر بولا:

''زید! ماں، باپ اور قوم و وطن کو چھوڑ کر تو غلامی پر راضی ہے؟!''

زید رضی اللہ عنہ نے کہا:

''معاف کیجیے گا۔ انھوں نے مجھے غلام نہیں بنایا ہے پھر ان میں تو وہ خوبیاں ہیں کہ میں انھیں کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔''

اِسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کا ہاتھ پکڑا۔ لے کر قریش کے پاس آئے اور فرمایا:

''آپ لوگ گواہ رہیں، آج سے یہ میرا بیٹا ہے۔ یہ میرا وارث ہو گا اور میں اس کا وارث ہوں گا۔''

حارثہ نے یہ منظر دیکھا تو خوشی سے اُچھل پڑا، اور بیٹے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔

تھوڑے ہی عرصہ بعد چچیرے بھائی علی رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں آ گئے۔ اس طرح زید اور علی دونوں ساتھ رہنے لگے۔ اور آپ کے لاڈ پیار میں زندگی کی ساری تلخیاں بھول گئے۔

ایسا کیوں ہوا؟ بات یہ تھی کہ ابو طالب کے یہاں بال بچوں کی کثرت، لیکن دولت کی قلت تھی۔ بڑی مصیبتوں سے گزارا کرتے۔ نہ جانے کن کن دقتوں سے دن کاٹتے۔ اس پر غضب یہ کہ عرب میں ایک دفعہ بڑے زور کا قحط پڑا۔ ایسا قحط جو اپنی مثال

www.quranurdu.com

آپ تھا۔ابو طالب کا تو پوچھنا ہی کیا؟ بڑے بڑے رئیسوں کی کمر ٹوٹ گئی،اور نہ جانے کتنے دولت مند کنگال ہو گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور چچا عباس تھے۔یہ بنی ہاشم کے رئیسوں میں تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی موقع پر ان سے کہا:

''ہم دونوں چچا ابو طالب کے دو لڑکوں کو اپنی پرورش میں لے لیں۔اس سے ان کی پریشانیوں میں کچھ کمی ہو جائے گی۔''

عباس رضی اللہ عنہ نے یہ رائے پسند کی۔چنانچہ دونوں ابو طالب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی بات رکھی۔ابو طالب نے کہا:

''جن کو چاہو،لے لو۔''

اسی طرح عباس نے جعفر کو لے لیا۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کو۔اور اس وقت سے آپ علی کے شفیق باپ بن گئے۔اور علی آپ کے چہیتے بیٹے۔

==========

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیسویں سالگرہ قریب آگئی!

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ حقیقت کھلنی شروع ہو گئی،جس کی آرزو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جی رہے تھے۔جس کی برسوں سے تلاش تھی۔اور جس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی بے تاب تھے۔سالہا سال کی عبادت اور ریاضت سے روح میں روشنی پھوٹ پڑی۔دل آئینہ کی طرح چمک اُٹھا۔باطن یکایک دَمک اُٹھا۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہدایت کا الہام ہونے لگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب نظر آنے شروع ہو گئے۔اُن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حقیقت کھل گئی اور تاریکی کے وہ پردے تار تار ہو گئے۔جنھیں چاک کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل زور لگا رہے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حق و ہدایت کی شاہراہ روشن ہو گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ دنیا کی رنگینی چار دن کی چاندنی ہے،اور یہاں کی راحتیں اور لذتیں وقتی اَور فانی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندازہ ہوا،قوم کتنی غلط باتوں میں گرفتار ہے۔اس کے عقیدوں میں کتنا بگاڑ ہے۔اور وہ سیدھی راہ سے کتنی دُور ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جان گئے کہ تنہا اللہ ہی سب کا معبود ہے۔اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔سارے انسان اسی کے بندے ہیں۔زمین و آسمان بھی اسی کے تابع ہیں اور وہ سب کو اس کے کیے کا بدلہ دے گا۔ذرہ برابر نیکی ہو گی،وہ بھی سامنے آئے گی اور بدی ہو گی،وہ بھی سامنے آئے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر سچے خواب دکھائی دینے لگے۔اِس طرح جو باتیں جاننے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے چین تھے۔اور جن کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تڑپ رہے تھے۔اب وہ سورج،چاند کی طرح روشن ہو گئیں۔حق بالکل عیاں ہو کر نظروں کے سامنے آگیا اور باطل کی بھی ساری حقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح ہو گئی۔اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد خوشی ہوئی۔دل گلاب کی طرح کھل اُٹھا اور سینہ نورِ ایمان سے دمک اُٹھا۔لیکن ساتھ ہی گھبراہٹ طاری ہوئی۔اور خوف و دہشت سے برا حال ہو گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک زمانہ سے حقیقت کی تلاش تھی۔اس حقیقت کو پا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد خوشی ہوئی۔لیکن اس کا اعلان کرنے پر قوم کا کیا رَویہ ہو گا؟ یہ سوچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا اُٹھے۔اور خوف سے دِل لرزنے لگا۔

www.quranurdu.com

اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ راہ سجھائی، جو اس کے نیک بندوں کی راہ ہے۔ لیکن قوم تو گمراہی کے دلدل میں پھنسی ہے۔ اسے ہدایت کی شاہراہ پر کون لائے گا؟ باطل سے اِسے بیزار کون کرے گا!! اور حق کو اس کے دِل میں کون اُتارے گا!!

جب خواب صبح کی طرح روشن ہو جاتا، اس کی تعبیر کھل کر سامنے آجاتی اور نا معلوم باتیں بھی معلوم ہو جاتیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت فکر مند ہوتے۔ ذہن میں طرح طرح کے خیالات گونجنے لگتے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بارے میں شبہ ہونے لگتا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ کو سارا حال کہہ سنایا اور دل پر جو بیت رہی تھی، وہ بھی بتایا۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ساری باتیں توجہ سے سنیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھارس بندھائی، بولیں:

''میرے سرتاج! آپ فکر نہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے پر شیطان کہاں راہ پا سکتا ہے؟''

اس سال رمضان آیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر غارِ ہرا چلے گئے اور ہر چیز سے ہٹ کر غور و فکر اور عبادت میں لگ گئے۔ کسی کسی وقت گھر والے بھی آجاتے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے، اور کچھ کھانا پانی بھی رکھ جاتے۔ غریب محتاج بھی آتے رہتے اور آپ کی سخاوت سے سیراب ہوتے۔

یونہی رمضان کے کچھ دن گزر گئے۔ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں آرام فرما رہے تھے۔ صبح کا وقت تھا۔ اچانک ایک فرشتہ دکھائی دیا۔ انتہائی حسین و جمیل فرشتہ ہاتھ میں ایک ریشم کا ٹکڑا بھی تھا۔ فرشتے نے کہا:

اِقْرَاءْ: پڑھو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت گھبرائے، فرمایا: مَا اَقْرَاءُ: مجھے پڑھنا نہیں آتا۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا محسوس ہوا، جیسے وہ گلا گھونٹ رہا ہے اور جسم مبارک کو بھینچ رہا ہو۔ پھر اس نے چھوڑ دیا اور کہا:

اِقْرَاءْ: پڑھو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا اَقْرَاءُ: مجھے پڑھنا نہیں آتا۔

یہ کہنا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر محسوس ہوا، وہ گلا گھونٹ رہا ہے۔ اور جسم مبارک کو بھینچ رہا ہے۔ پھر اس نے چھوڑ دیا اور کہا:

اِقْرَاءْ: پڑھو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ ہوا، کہ اگر اِس بار بھی وہی جواب دیا تو پھر گلا گھونٹے گا، اور اس بار اور زور سے بھینچے گا۔ چنانچہ فرمایا:

مَا ذَا اَقْرَاءُ: کیا پڑھوں؟

فرشتے نے جواب دیا:

اِقْرَاءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍo اِقْرَاءْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُo الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِo عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْo (العلق:1-5)

''پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو خون کی پھٹکی سے۔ پڑھو اور تمہارا مہربان رب ہی ہے، جس نے قلم سے سکھایا۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا، جو اسے معلوم نہ تھا۔''

www.quranurdu.com

فرشتہ کے بتانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پڑھا اور پڑھتے ہی ذہن پر نقش ہو گیا۔ پھر فرشتہ چلا گیا۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے۔ خوف سے دل بیٹھا جا رہا تھا اور گھبراہٹ سے چہرہ اُترا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سہمی سہمی نگاہوں سے غار میں ہر طرف دیکھنے لگے۔ حیرانی اور بدحواسی کا عالم تھا۔ دل ہی دل میں سوچنے لگے۔

ابھی مجھ سے کس نے باتیں کی ہیں؟ کون مجھے پڑھا کر گیا ہے؟!

پھر تیزی سے غار سے باہر آئے۔ اور پہاڑ کی گھاٹیوں سے گزرنے لگے، پورا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔ دل میں بار بار خیال آتا کہ شروع میں جو خواب نظر آئے وہ تو بالکل صحیح نکلے۔ ان سے بہت سی نئی باتیں معلوم ہو گئیں۔ جس چیز کی تلاش تھی، وہ کھل کر سامنے آ گئی۔ لیکن وہ کون تھا، جو ابھی یہاں کھڑا تھا؟ وہ کون تھا، جو پڑھنے کو کہہ رہا تھا؟!

اچانک ایک آواز آئی، محمد!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دھک سے ہو گئے۔ گھبرا کر سر اوپر اٹھایا، دیکھا تو وہی فرشتہ آدمی کی صورت میں کھڑا تھا، اور پکار کر کہہ رہا تھا:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم اللہ کے رسول ہو اور میں جبریل علیہ السلام ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھبراہٹ اور بڑھی۔ خوف سے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور دہشت سے قدم رُک گئے۔ کبھی دائیں طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے اور کبھی بائیں طرف، کہ یہ صورت نظروں سے اوجھل ہو۔ لیکن جدھر دیکھتے، وہی نظر آتا۔ جدھر رُخ کرتے۔ وہی موجود ہوتا، آگے بڑھیں، یا پیچھے ہٹیں، نظریں نیچی کریں یا اوپر اٹھائیں، ہر طرف اور ہر جگہ وہی تھا۔

دیر۔۔۔ بہت دیر ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں ہی تھر تھر کانپتے رہے اور نہ جانے کیا کیا سوچتے رہے۔ ادھر بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے غار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آدمی بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں نہ ملے۔ رشتہ داروں کے ہاں دکھوایا۔ وہاں بھی نہ تھے۔ یہاں وہاں دوڑایا، لیکن نہ ملنا تھا نہ ملے۔

پھر فرشتہ چلا گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ کے پاس آ گئے۔ خوف سے لرزتے ہوئے اور پسینہ میں نہائے ہوئے۔ آتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے کچھ اُڑھا دو! مجھے کچھ اُڑھا دو!''

فوراً بی بی خدیجہ نے چادر اُڑھا دی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت دیکھ کر وہ بہت گھبرائیں اور دِل میں طرح طرح کے خیالات اُمنڈنے لگے۔ کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت خراب ہو گئی؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تپ لرزہ ہو گیا؟ یا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آفت آ پڑی؟ پھر جب سکون ہوا۔ خوف کچھ دور ہوا، اور جسم میں کپکپی میں کمی ہوئی تو بولیں:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہاں! اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا ہوا؟!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا۔ نظروں سے بڑی بے بسی اور بے چارگی ٹپک رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا، گویا مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو۔ پھر فرمایا: ''خدیجہ! مجھے کیا ہوا؟!!''

اس کے بعد جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا وہ بیان کیا۔ اور فرمایا:

''مجھے اپنے بارے میں ڈر ہے۔''

www.sirat-e-mustaqeem.net

مگر بی بی خدیجہ تھیں بہت ہوشیار۔ یہ باتیں سن کر وہ ذرا بھی نہ گھبرائیں۔ بلکہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ہی عزت کی نظروں سے دیکھا۔ چہرہ پر یقین واطمینان کی مسکراہٹ تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا۔ اور بولیں:

''میرے چچا کے بیٹے! خوش ہو جایئے، اور جو کر رہے ہیں، کرتے رہیے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں خدیجہ کی جان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے نبی ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو سچ بولتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، امانتیں ادا کر دیتے ہیں۔ مجبوروں اور بے کسوں کو سہارا دیتے ہیں۔ مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں۔ حق کے کاموں میں مدد کرتے ہیں۔ بھلا اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضائع کیسے کر سکتا ہے۔''

خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ان باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت ڈھارس بندھی۔ ساری بے چینی دور ہو گئی۔ اور چہرہ مبارک خوشی سے تمتما اُٹھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دلجوئی پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ پھر آنکھیں بند کر لیں۔ اور سو گئے۔

اِدھر بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر غور کیا۔ تو انھیں بے انتہا خوشی ہوئی، لیکن ساتھ ہی کچھ ڈر ہوا۔ کچھ خوف اور اندیشہ ہوا۔ کہ یہ بھی اخلاص و محبت کا تقاضا تھا۔ چنانچہ انھوں نے سوچا، چلیں چچیرے بھائی ورقہ کے پاس، کچھ اُن سے پوچھیں شاید وہ کچھ بتائیں۔

یہ ورقہ، نوفل کے بیٹے اور انتہائی حکیم اور دانا تھے۔ مختلف مذاہب کو انھوں نے کھنگال ڈالا۔ اور بڑی باریک بینی سے ہر ایک کا جائزہ لیا۔ پہلے یہودیت کی طرف میلان ہوا۔ پھر عیسائیت کو اختیار کیا۔ انجیل پر گہری نظر تھی۔ عربی میں اس کا ترجمہ بھی کرتے تھے۔ خدیجہ آئیں۔ ان کو سارا ماجرا سنایا اور آپ پر جو کچھ بیتی تھی، سب کہہ سنایا۔ سب کچھ سن کر وہ بولے۔

''پاک ہے، پاک ہے۔۔۔۔ قسم ہے اس ذات کی جس کی مٹھی میں ورقہ کی جان ہے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا اگر تمہاری بات صحیح ہے، تو یہ وہی ناموس (جبرائیل) ہے، جو موسیٰ کے پاس آتا ہے۔ بخدا وہ اس امت کا نبی ہو گا۔ اس سے کہو کہ ڈرے نہیں، اور جو کچھ کر رہا ہے، کرتا رہے۔''

اب کیا تھا، بی بی خدیجہ خوشی سے بے تاب ہو گئیں۔ آتے ہی بولیں: ''مبارک ہو، مبارک ہو!''

پھر چچیرے بھائی ورقہ سے جو باتیں ہوئیں تھیں وہ سب بیان کیں اور کہا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنا چاہتے ہیں۔ پھر اُسی وقت وہ ایمان لے آئیں۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کا طواف کرنے چلے، راستہ میں ورقہ مل گئے۔ دیکھتے ہی بولے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری داستان سنا دی۔ ورقہ نے کہا:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم اس اُمت کے نبی ہو گے۔ یہ وہی ناموس ہے۔ جو موسیٰ کے پاس آتا تھا۔ بھتیجے! نبی ہونے کا اعلان کرو گے، تو لوگ جھٹلائیں گے۔ ہر طرح ستائیں گے، گھر سے بے گھر کر دیں گے، جنگ کرنے سے بھی نہ چوکیں گے، کاش اس وقت میں زندہ رہتا!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو کیا لوگ مجھے بے گھر کر دیں گے؟''

www.quranurdu.com

ورقہ نے کہا: ''ہاں، جب بھی کوئی نبی آیا، قوم نے اُس کے ساتھ یہی سلوک کیا۔ اگر وہ دن دیکھنے نصیب ہوئے، تو ایسی مدد کروں گا کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔''

پھر سر مبارک کی طرف بڑھے۔ اور بہت ہی شفقت سے بوسہ دیا۔

اس کے بعد پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ آئے۔ مگر اب آپ بہت فکر مند اور اداس تھے۔ بار بار سوچتے:

''میرے کمزور کاندھوں پر نبوت کا بوجھ آپڑا ہے۔ اس کا انجام کیا ہوگا؟''

میں لوگوں کو کیسے بلاؤں؟ سیدھی راہ کیسے سجھاؤں؟ یہ تو گمراہ ہیں۔ اور حق سے بدک رہے ہیں۔ خدا سے بیزار ہیں اور بتوں کے پرستار ہیں، بدی کے علمبردار ہیں، اور نیکی سے برسرپیکار ہیں۔ پھر غضب ہے۔۔۔۔ اس پر انھیں ناز بھی ہے۔

غرض دل میں خیالات کا ایک طوفان اُٹھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا انتظار کرنے لگے۔

==========

اب فرشتہ کا انتظار تھا۔

اسی فرشتہ کا جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا۔

جسے ورقہ نے ''ناموس'' موسیٰ کہا تھا۔

اور جسے خدیجہ نے بالیقین فرشتہ بتایا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتظار کرتے رہے۔ کرتے رہے۔ کرتے رہے۔ لیکن جبریل علیہ السلام نہ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نہ ہوئی۔

دل میں پھر ایک طوفان اُٹھا:

''اس وقت میں کیا کروں؟! لوگوں کو کس طرح دعوت دوں؟ یہ سمجھانے کے لیے جبریل علیہ السلام کیوں نہ آئے؟ جبریل علیہ السلام نے ملنا کیوں چھوڑ دیا؟ جبریل پھر کوئی پیغام کیوں نہ لائے؟!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت فکر مند ہوئے۔ دمکتا ہوا چہرہ بجھ گیا۔ اور ہنستا ہوا دل رونے لگا۔ بی بی خدیجہ کا بھی یہی حال تھا۔ وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح بہت فکر مند ہوئیں۔ اور غم میں گھلنے لگیں۔ لیکن ضبط سے کام لیا۔ اور دل کا غم چہرہ پر نہ آنے دیا۔ جہاں تک ہو سکا تسلی دی اور جس طرح ہو سکا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بہلایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر غارِ ہرا جانے لگے۔ دن رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں رہتے۔ عبادت کرتے اور اپنے رب سے کہتے:

''اے رب! تو نے مجھے نبی بنایا تھا، پھر یہ کیا ہو گیا؟!''

غم سے سینہ جل رہا تھا۔ اک آگ تھی، جو اندر سلگ رہی تھی۔ ایک شعلہ تھا جو دہک رہا تھا۔ کبھی بے خود ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹیوں میں پھرنے لگتے۔ اور کبھی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے۔ اور چاہتے کہ کود کر جان دے دیں!! اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام آجاتے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلاتے کہ:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچ مچ اللہ کے نبی ہیں۔''

www.quranurdu.com

اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکون ہو جاتا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے جاتے۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد پھر وہی کیفیت ہوتی۔ اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑی پر چڑھ جاتے، کہ کود کر جان دے دیں!! حضرت جبریل علیہ السلام پھر سامنے آتے اور اسی طرح اطمینان دلاتے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے جاتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر کیسی چوٹ تھی!! روح میں کتنی چبھن تھی!! ذہن پر کتنا بوجھ تھا!! وحی کا رک جانا کتنا بڑا عذاب تھا!! شاید رب نے مجھے چھوڑ دیا! یہ خیال ایک چبھتا ہوا نشتر تھا!!

ایک دن کہیں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گزر رہے تھے، کہ یکایک آسمان سے آواز آئی۔ سر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو غارِ حراء میں آیا تھا، فضا میں ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔

اے اللہ! تو کتنا مہربان ہے، اپنے مومن اور مخلص بندے پر!!

فرشتہ کو دیکھتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہلنے لگے۔ کانپنے اور لرزنے لگے۔ پہلی بار بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم کانپ رہا تھا۔ ہوا کے پتوں کی طرح ہل رہا تھا۔ لیکن کیا یہ کانپنا بھی اسی طرح کا تھا؟ کیا یہ ہلنا بھی اسی جیسا تھا؟ خوف اور گھبراہٹ کا؟ رعب اور دہشت کا؟ نہیں اس میں مسرت کی حلاوت تھی۔ خوشی اور اطمینان کی ٹھنڈک تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی حال میں گھر آئے اور فرمایا:

"مجھے کچھ اڑھا دو، اڑھا دو۔"

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہ ایک کپڑا ڈال دیا گیا۔ کہ اتنے میں فرشتہ یہ وحی لے کر آ گیا:

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ o قُمْ فَاَنْذِرْ o وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ o وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ o وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ o (المدثر:1-5)

"اے کپڑے میں لپٹنے والے! اٹھو، پھر ڈراؤ۔ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور گندگیوں سے الگ رہو۔"

اب کلیجہ کو ٹھنڈک نصیب ہو گئی۔ ذہن کو سکون مل گیا اور طبیعت کو اطمینان ہو گیا۔ سب اندیشے دُور ہو گئے اور سارے خطرے جاتے رہے اور رہیں خدیجہ، تو نہ پوچھو، ان کا کیا حال تھا۔ دل گلاب تھا۔ اور چہرہ چمکتا ہوا شہاب، کیونکہ ان کی تمنا پوری ہو گئی۔ ان کی آرزو بَر آئی۔ وحی کا انتظار تھا۔ وحی پھر آ گئی۔

اس کے بعد کئی بار وحی آئی۔ حضرت جبریل علیہ السلام آتے رہے اور رب کا پیغام سناتے رہے۔ لیکن خدا کا کرنا، کچھ دنوں بعد پھر وحی رک گئی۔ اِدھر دعوت کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اور کافروں کی طرف سے مخالفت بھی ہو رہی تھی۔ مخالفت کے لیے تنکے کا سہارا کافی تھا۔ وحی کا رک جانا تو خیر بہت بڑی بات تھی۔ چنانچہ انھوں نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا۔ بولے:

"یہ تو خوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دو چار دن آسمان سے بات چیت رہی۔ جبریل علیہ السلام کا آنا جانا رہا۔ اور پھر غائب۔ کلام پیام سب بند۔ تو بھائی محمد صلی اللہ علیہ وسلم! معلوم ہوتا ہے، کہ تمہارا رب تم سے روٹھ گیا۔ اسی لیے اتنے دنوں سے منہ نہیں لگایا۔"

وحی کا رک جانا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یوں ہی بار ہوتا، اور پھر کافروں کا طعنہ طبع نازک پر تیر کا کام کرتا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت بے چین ہوئے۔ لیکن زیادہ دن نہ ہوئے کہ حضرت جبریل علیہ السلام پھر وحی لے کر آ گئے۔

www.quranurdu.com

وَالضُّحٰی o وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی o مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَا قَلٰی o وَ لَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی o وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی o اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی o وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی o وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی o فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَلَا تَقۡھَرۡ o وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡھَرۡ o وَ اَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ o (الضحیٰ)

”گواہ ہے سورج کی روشنی، اور رات کی تاریکی جب وہ چھا جائے۔ آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ وہ آپ سے ناخوش ہے۔ اور آپ کے لیے انجام ابتدا سے بہتر ہے۔ اور جلد ہی آپ کا رب آپ کو دے گا۔ اور آپ خوش ہو جائیں گے۔ کیا ایسا نہیں، کہ اُس نے آپ کو یتیم پایا تو ٹھکانا دیا۔ اور بے خبر پایا تو سیدھی راہ سجھائی، اور آپ کو محتاج پایا، تو مالدار کر دیا۔ تو آپ بھی کسی یتیم کے ساتھ سختی نہ کریں۔ اور نہ کسی سائل کو جھڑکیں اور اپنے رب کی نعمتوں کا چرچا کرتے رہیں۔“

اللہ ! اللہ ! ! خدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناراض نہیں ہوا۔ ناخوش ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ نہیں دیا۔ بلکہ رحمتوں سے ڈھانپ لیا۔ اور نعمتوں سے نہال کر دیا۔

اب وحی برابر آنے لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبریل آتے۔ آپ کو اللہ کی آیتیں سناتے اور بتاتے کہ کیا کریں؟ اور کس طرح کریں؟

حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی بتایا کہ کس طرح وضو کریں اور کس طرح نماز پڑھیں۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے بالائی علاقہ میں تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام آئے انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وضو کیا اور بتایا کہ جب نماز پڑھنی ہو۔ تو اس طرح پاک ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح وضو کیا۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام کھڑے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھ کر دکھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہی کی طرح نماز پڑھی۔ اس کے بعد حضرت جبریل چلے گئے۔

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ کے پاس آئے اور اُن کے سامنے وضو کیا۔ پھر فرمایا:

”نماز پڑھنے کے لیے پاک ہونے کا یہی طریقہ ہے۔ چنانچہ بی بی خدیجہ نے بھی اسی طرح وضو کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ بی بی خدیجہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔“

==========

علی رضی اللہ عنہ آپ ہی کے زیرِ پرورش تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ رہتے بھی تھے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا۔ بی بی خدیجہ کو بھی دیکھا۔ انھوں نے دیکھا، آپ دونوں رکوع اور سجدے کر رہے ہیں۔ پیاری پیاری آیتیں پڑھ رہے ہیں۔ ان آیتوں میں اچھی اچھی باتیں ہیں، پیاری پیاری باتیں ہیں۔

علی رضی اللہ عنہ تعجب سے یہ سب دیکھتے رہے۔ ان کو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا انھیں محبوب تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات انھیں جان و دل سے عزیز تھی۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھ کر ہر کام کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہتے۔ بے تکلف وہ مان لیتے۔

www.quranurdu.com

''لیکن آج تو میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ اور کبھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح سجدے نہ کرتے تھے۔ اتنی پیاری پیاری آیتیں بھی میں نے آج ہی سنیں۔''

علی رضی اللہ عنہ گہری سوچ میں پڑ گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو انھوں نے پوچھا، یہ کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ اللہ کا دین ہے۔ اسی دین پر چلنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اللہ کے جتنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آئے، سب یہی دین لے کر آئے۔''

علی رضی اللہ عنہ کو بہت تعجب ہوا۔ انھوں نے پوچھا:

''اچھا، یہ رکوع اور سجدے کیسے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ نے مجھے نبی بنایا ہے۔ مجھ پر اپنا کلام اتارا ہے تاکہ میں لوگوں کو اچھی اچھی باتیں بتاؤں، لوگ بھٹک رہے ہیں، ان کو سیدھی راہ دکھاؤں اور ان کو اللہ کی عبادت پر ابھاروں۔ یہ رکوع اور سجدے ہم اسی اللہ کو کرتے ہیں۔''

علی رضی اللہ عنہ نے کہا:

''یہ تو بڑی اچھی چیز ہے۔ تو کیا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان لائے ہیں، میں بھی لا سکتا ہوں؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح میں بھی عبادت کر سکتا ہوں؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں بھی نماز پڑھ سکتا ہوں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہاں، پیارے بھائی! اللہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ تم بھی اسی کی عبادت کرو اور لات و عزّیٰ کو چھوڑ دو۔ جتنے بت ہیں سب کو چھوڑ دو۔''

علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اچھا، ذرا میں اپنے باپ سے بھی پوچھ لوں۔''

رات بھر علی رضی اللہ عنہ کو نیند نہ آئی۔ وہ جاگتے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا تھا، یا جو کچھ کرتے دیکھا تھا۔ سب پر غور کرتے رہے۔ پھر صبح ہوئی تو بولے:

''میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا عہد کرتا ہوں۔ مجھے باپ سے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بتایئے، میں کس طرح رکوع کروں۔

کس طرح سجدہ کروں!! اور کس طرح اللہ کا کلام پڑھوں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت نماز سکھا دی اور جو آیتیں نازل ہو چکی تھیں، وہ بھی یاد کرا دیں۔ اب جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے، علی بھی ضرور ساتھ ہوتے۔

علی رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہ ایک ساتھ ہی رہتے تھے۔ بھلا وہ علی رضی اللہ عنہ سے پیچھے رہنے والے کب تھے۔ وہ بھی ایمان لے آئے اور شوق سے دین کی باتیں سیکھنے لگے۔

www.urdu.com

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔ پھر علی رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے اور مرتے دم تک آپ سے چمٹے رہے۔

ان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جب سے ساتھ ہوا، انھوں نے آپ کو بہت بڑا انسان پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حد درجہ شریف اور نیک دل پایا اور نہ جانے کیا کیا پایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت ہو گئی اور آپ کی رفاقت ان کے لیے آرامِ جاں بن گئی۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ وہ دونوں دعوتِ اسلام سے پہلے ہی مسلمان تھے!

اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ یہ ابو قُحافہ تیمی کے بیٹے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گہرے دوست تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور پاکبازی سے بہت متاثر تھے۔ اسی لیے بہت محبت کرتے۔ بے انتہا ادب و احترام کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کو غیر معمولی نعمت سمجھتے۔ دل کو دل سے رَاہ ہوتی ہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے بڑی محبت کرتے اور بہت ہی پیار و خلوص سے ملتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوں ہی انھیں اِسلام کی دعوت دی اور قرآن پاک کی چند آیتیں سنائیں۔ انھوں نے آبائی دین کو ہاتھوں سے سلام کیا۔ اور کلمہ پڑھ کر ایمان لے آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی اور دین کی خوبیاں بیان کیں، تو ان کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے، جو انتہائی اخلاص و عقیدت کا نمونہ تھے:

صَدَقْتَ بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ ، وَ اَھْلُ الصِّدْقِ اَنْتَ ، اَنَا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ۔

”میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان۔ آپ نے سچ فرمایا اور سچ بولنا آپ کا کام۔ میں گواہی دیتا ہوں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔“

بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ باتیں سنیں، تو مارے خوشی کے اُچھل پڑیں۔ ان سے رَہا نہ گیا۔ فوراً سر پر نقاب ڈالی اور سامنے آکر مبارکباد دی۔ بولیں: ”ابو قُحافہ کے بیٹے! خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپ کو ہدایت دی۔“

ابو بکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا سہارا ملا۔ اور کام کے لیے کچھ میدان بھی ہموار ہو گیا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بہت رحمدل اور نرم مزاج تھے۔ ساری قوم ان کی عزت کرتی اور چھوٹے بڑے سب ان کا احترام کرتے۔ وہ قریش کے سب سے اُونچے گھرانہ سے تھے۔ وہاں کے بھلے بُرے سَب ان کی نگاہ میں تھے۔ تجارت ان کا پیشہ تھا۔ اس میں بڑی برکت ہوئی۔ اللہ نے خوب دولت دی۔ دولت کے ساتھ دل بھی دیا۔ مال آتا رہتا، اور وہ بھی دل کھول کر خرچ کرتے رہتے۔ سوجھ بوجھ اور دانائی بھی بلا کی تھی۔ مشکل سے مشکل بات چٹکی بجاتے حل کر دیتے۔ اسی لیے ہر معاملہ میں لوگ ان سے مشورہ کرتے اور یوں بھی ان کے پاس آآ کر بیٹھا کرتے۔ ان میں کچھ ایسی باتیں تھیں، جو دلوں کو موہ لیتیں۔

اب ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی اسلام پھیلانے لگے۔ جو لوگ ان کی سوجھ بوجھ، اور ایمانداری سے متاثر تھے۔ ان کو انھوں نے دین کی باتیں بتائیں اور اسلام لانے کی دعوت دی۔ بہتوں نے ان کی بات مان لی۔ اور اسلام لے آئے۔ جو لوگ پہلے مسلمان ہوئے۔ وہ یہ ہیں:

www.quranurdu.com

”عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ۔“

پھر جراح کے بیٹے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ابو ارقم کے بیٹے ارقم رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے، پھر بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ مرد بھی، عورتیں بھی۔ جو عورتیں ایمان لائیں، ان میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹیاں بھی تھیں۔

==================

اَب اِسلام رفتہ رفتہ پھیلنے لگا۔ لوگ مسلمان ہوتے لیکن کھلم کھلا اسلام کا اعلان نہ کرتے۔ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھل کر کام نہ شروع کیا تھا۔ ابھی کھل کر لوگوں کو اسلام کی دعوت نہ دی تھی اور جو مسلمان تھے وہ بھی اپنے اسلام کو چھپاتے اور اندر ہی اندر دین کی تبلیغ کرتے۔ جن لوگوں میں وہ ایمان داری کی بو پاتے اور کچھ حق کی طلب محسوس کرتے۔ بس ان کو ہی وہ دین کی دعوت دیتے اور قریشی سرداروں کی نظروں سے بہت بچ بچ کر رہتے۔ قرآن کی تلاوت کرنی ہوتی یا آیتیں یاد کرانی ہوتیں۔ تو بستی کے باہر نکل جاتے۔ نماز کا وقت ہوتا، تو چھپ چھپا کر غاروں میں چلے جاتے اور وہاں اطمینان سے نماز ادا کرتے۔ پھر پرانے مسلمان نئے مسلمانوں کو حدیثیں یاد کراتے اور دین کی باتیں بتاتے۔

کسی طرح کافروں کو بھی کچھ سُن گن مل گئی، لہٰذا اب سارا بھید جاننے کی فکر ہوئی اور وہ مسلمانوں کی ٹوہ میں لگ گئے۔ چنانچہ بہت جلد ساری باتیں معلوم ہو گئیں اور وہ جان گئے کہ مسلمان غاروں میں جا جا کر نمازیں پڑھتے اور باہم کوئی نیا دین سیکھتے سکھاتے ہیں۔

انھیں معلوم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم توحید کی دعوت دیتے ہیں اور شرک و بت پرستی سے روکتے ہیں۔ بتوں کی دنیا میں توحید کی آواز! کتنی عجیب آواز تھی!!

کیا محمد۔۔۔۔ ابو طالب کا یتیم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے؟ کیا وہ سب کو دین سے پھر جانے پہ ابھارتا ہے؟ کیا وہ دیوتاؤں سے بیوفائی پر اُکساتا ہے؟

قومی دین سے بغاوت!! آبائی دین سے عداوت!! کیا محمد کی یہ ہمت ہو گئی؟

ہر سو ایک ہلچل مچ گئی اور ہر طرح ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ جسے دیکھئے، غصہ سے بے تاب تھا۔

کسی نے تو کہا: ”محمد پر جنّ کا اثر ہے، اور کوئی بات نہیں۔“

کسی نے کہا:

”اس کو نام و نمود کی ہَوس ہے۔ اور یہ تو ایک نشہ ہے، جس کو زمانہ خود ہی اُتار دے گا۔ ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔“

یہ سوچ کر ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لائق التفات ہی نہ سمجھا مگر کچھ ایسے بھی تھے، جو اس نئے دین کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کو خیال ہوا کہ چلیں، اس دین کو بھی جانچیں، پرکھیں اور دیکھیں کہ اس میں کیا ہے؟ ہو سکتا ہے، کوئی کام کی چیز مل جائے۔ نقصان تو ہو گا نہیں۔ ہو گا تو فائدہ ہی ہو گا۔ یہ سوچ کر وہ جائزہ لیتے، نتیجہ یہ ہوتا، کہ اس میں ان کو اچھائیاں ہی اچھائیاں نظر آتیں اور وہ مسلمان ہو جاتے۔

ابو طالب کے بھی دل میں آیا کہ چلیں، بھتیجے سے ملیں اور دیکھیں، اس نے کیسا دین نکالا ہے۔

www.urdurdu.com

ایک دن ابو طالب اسی ارادہ سے گھر سے نکلے۔ ساتھ میں علی رضی اللہ عنہ کے بھائی جعفر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آئے تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے ہیں اور ساتھ میں لختِ جگر علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ دونوں آبادی سے بہت دُور آکر نماز پڑھ رہے ہیں۔ کیوں؟ ان کے اور ان کے ساتھیوں کے ڈر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو ابو طالب نے پوچا:

"بھتیجے! تم نے یہ کیسا دین اپنایا ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"چچا! یہ اللہ کا دین ہے۔ اس کے فرشتوں کا دین ہے۔ یہی سارے نبیوں اور رسولوں کا دین ہے۔ دادا ابراہیم کا بھی یہی دین ہے۔ اللہ نے یہ دین دے کر مجھے دنیا کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔ چچا جان! آپ کا مجھ پر سب سے زیادہ حق ہے۔ میری خیر خواہی کے آپ سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ آپ کے ساتھ میری سب سے بڑی خیر خواہی یہی ہے کہ آپ کو اس دین کی دعوت دوں۔ آپ کو بھی چاہیے، میری اس خواہش کو ٹھکرائیں نہیں۔"

ابو طالب نے کہا: "بھتیجے! باپ دادا کا دین چھوڑنا تو میرے لیے ناممکن ہے۔ البتہ میری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں جب تک جان میں جان ہے، تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ پھر علی رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا:

"بیٹے! اس دین میں تو آگئے، لیکن اسے سمجھتے بھی ہو؟"

علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"ہاں ابا جان! میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہوں اور وہ جو کچھ کہتے ہیں، اس کو مانتا ہوں۔ رب کو خوش کرنے کے لیے نمازیں بھی پڑھتا ہوں۔"

ابو طالب نے کہا: "ٹھیک ہے بیٹے! محمد بھلی باتیں ہی بتاتے ہیں۔ وہ جیسا کہیں، ویسا ہی کیا کرو۔"

ابو طالب خود تو مسلمان نہ ہوئے۔ مگر بیٹوں کے لیے اسلام کو ہی پسند کیا۔ کیا اس میں بھی کوئی راز تھا؟

قریش کے ساتھ ان کا کیا انداز رہا؟ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا برتاؤ رہا؟ یہ ساری باتیں سامنے آئیں گی، تبھی کوئی فیصلہ ہوگا؟

مسلمان جب نماز پڑھتے، تو قریش ان کا مذاق اُڑاتے۔ وہ رکوع کرتے تو یہ قہقہہ لگاتے اور جب وہ سجدے کرتے، تو یہ جملے چست کرتے۔ روز بروز یہ چیز بڑھتی ہی گئی۔ بدمعاشوں نے اسے ایک ہنسی دل لگی کا سامان بنا لیا۔ مسلمان مکہ کی گھاٹیوں میں عصر اور چاشت کی نمازیں پڑھا کرتے۔ ٹھیک اسی وقت یہ بھی وہیں پہنچ جاتے، پھر آنکھیں مارتے، کچھ اشارے بازیاں کرتے اور پھر زور کا قہقہہ لگاتے! اتفاق سے ایک دن مسلمانوں کو غصہ آگیا اور جوش سے وہ بے قابو ہو گئے۔ پھر فریقین کی آستینیں چڑھ گئیں، اور جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک مشرک کو ایسا مارا کہ کھوپڑی پھٹ گئی اور پھر خون کے فوارے جاری ہو گئے۔ یہ پہلا خون تھا، جو عرب میں اسلام کے لیے بہا۔

جتنا ہو سکتا، پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں سے دُور رہتے، تاکہ مسلمان ان کی شرارتوں سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ قرآن سنانا ہوتا، یا کوئی نئی وحی ہوتی، تو آپ سب کو دارِ اَرقم میں لے کر چلے جاتے۔

www.quranurdu.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ہوئے تین سال ہو گئے۔ اب ہر ایک جان گیا کہ آپ ایک نئے دین کی دعوت دیتے ہیں اور سب کو معلوم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زور پکڑ گئے ہیں اور ساتھی کافی بڑھ گئے ہیں۔ چنانچہ اب اللہ کا حکم ہوا کہ آپ کھلم کھلا دعوت دیں۔ جو کام اب تک چھپ کر کرتے تھے، اب علانیہ کریں۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (الحجر:94)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حکم ملے، کیے جائیں اور مشرکوں کے چکر میں نہ پڑیں۔"

==========

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

پہلی پکار

www.quranurdu.com

- سَرورِ عالم کی خانہ نشینی
- اہل خاندان کی دعوت
- ابو لہب کی شر انگیزی
- دوبارہ دعوت
- غمخوار انسانیت کی درد مندانہ تقریر
- حاضرین کی سرد مہری
- حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بے باک حق پسندی
- کوہِ صفا کی پر سوز پکار
- ابو لہب کا شرمناک رویہ
- لوگوں کی گمراہی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے قراری
- قریش کا غیظ و غضب۔
- ابو طالب کے یہاں قریش کا وفد قریش کا دوسرا وفد۔
- مشرکین کی کج بحثیاں
- ابو طالب کو پھسلانے کی ناکام کوشش

- ابو طالب کو قریش کا چیلنج
- رسولِ خدا کا حیرت ناک استقلال
- ابو طالب کی حوصلہ افزائی
- ابو طالب کی حمایتی سرگرمیاں

www.quranurdu.com

وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۔ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۔ الَّذِيْ يَرٰكَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ (الشعراء:214-220)

''اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ اور ایمان لانے والوں میں سے جو لوگ تمہاری پیروی اختیار کریں، ان کے لیے اپنے شانے جھکا دو (تواضع سے پیش آؤ) لیکن اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں، تو ان سے کہہ دو، جو کچھ تم کرتے ہو، اس سے میں بری ہوں اور اس زبردست اور مہربان پر بھروسہ کرو۔ جو تمھیں دیکھ رہا ہوتا ہے۔ جب تم اٹھتے ہو اور سجدہ گزار لوگوں میں تمہاری نقل و حرکت کو بھی (دیکھ رہا ہوتا ہے) بے شک وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔''

نبوت کو تین سال ہو گئے۔ اتنے دنوں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انفرادی طور پر دعوت دیتے رہے۔ پھر اللہ کا حکم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے نہ ڈریں بلکہ کھلم کھلا دین کی تبلیغ کریں، اور نڈر ہو کر رب کا پیغام سنائیں نیز یہ کام پہلے بھائی بندوں سے شروع کریں اور اگر کچھ نادان نہ مانیں، تو ذرا بھی پرواہ نہ کریں۔

یہ حکم پا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ ہر وقت گھر ہی میں پڑے رہتے اور سوچا کرتے کہ کیا کریں، اور کس طرح اہل خاندان کو سمجھائیں!

یہ بات ایسی نہ تھی کہ یوں ہی چھپی رہتی۔ چند ہی دنوں میں سارے عزیزوں، رشتہ داروں میں پھیل گئی اور ہر طرف اس کا چرچا ہو گیا۔ پھوپھیوں نے سنا تو وہ بہت ڈریں اور گھبرائیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تو نہیں پڑ گئے یا کہیں کسی پریشانی میں تو نہیں گھر گئے۔ چنانچہ وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور بولیں:

''پیارے محمد! کہو کیا حال ہے؟ گھر سے نکلنا تم نے کیوں چھوڑ دیا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا بتاؤں پھوپھی جان! مجھ پر ایک بہت بڑا بوجھ ہے، اور میں اس سے دبا جا رہا ہوں۔ دیکھو پھوپھی جان! ایک طرف تو ہمارے بھائی بند خدا کو مانتے ہیں، اور دوسری طرف وہ بتوں کو بھی پوجتے ہیں۔ کیا اس طرح وہ خدا کو راضی کر لیں گے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ تو تباہی کے لچھن ہیں۔ چنانچہ خدا کا حکم ہے کہ میں انھیں ہوشیار کروں، اور ان سے کہوں کہ اپنی حرکتیں چھوڑ دیں۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں! دل میں آتا کہ کیا کروں! دل میں آتا ہے کہ سب کو کھانے پر بلاؤں پھر انھیں اللہ کی نافرمانی سے ڈراؤں۔''

پھوپھیوں نے کہا: '' کیا ہرج ہے؟ کر ڈالو دعوت۔ لیکن دیکھو، چچا ابو لہب کو مت بلانا۔ وہ مرتے دم تک تمہاری باتیں نہیں سنے گا۔''

آپ نے جھٹ پٹ کھانے کا انتظام کیا اور تمام رشتہ داروں کو کھانے پر بلایا، اوروں کے ساتھ ابو لہب کو بھی بلایا۔ حالاں کہ پھوپھیوں نے منع کیا تھا، اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جانتے تھے کہ وہ آپ کا سخت دشمن ہے۔ ہر ہر بات سے جلتا ہے اور مخالفت کے لیے ہر آن تیار رہتا ہے۔

دعوت میں بہت سے لوگ آئے۔ سب کھانے پینے میں شریک ہوئے ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بھی تھے۔ چچیرے بھائی بھی تھے اور سبھی رشتہ دار تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں بیٹھ گئے، کہ لوگ کھا پی چکے، تو اپنی بات کہیں اور سب کو دین کی دعوت دیں۔

www.qurseurdu.com

ابو لہب نے سوچا، یہ تو بڑا اچھا موقع ہے۔ لاؤ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیریں۔ اُس نے جو باپ دادا کا دین چھوڑا ہے۔ اور اک نیا دین گھڑ لیا ہے، اس پر کچھ ڈرائیں، دھمکائیں۔ اتفاق سے عزیزوں میں سارے لوگ بھی موجود ہیں۔ خوب بات بنے گی۔ یہ سوچ کر وہ فوراً کھڑا ہوا، بولا:

''محمد! یہ تمہارے چچا ہیں، اور یہ چچیرے بھائی۔ دیکھو، تم وہی راگ الاپو، جو ان کو بھلا لگے۔ یہ جو کچھ دنوں سے تمہارا سر پھر گیا ہے۔ کہتے ہو کہ باپ، دادا کا دین غلط ہے اور اس سے ہٹ کر ایک نیا دین نکالا ہے۔ تو دیکھو، ان حرکتوں سے باز آ جاؤ۔ اس طرح کی باتیں اچھی نہیں۔ تم تو اپنے بھائیوں پر ایسی مصیبت لائے ہو کہ خدا کی پناہ۔ ہاں، یہ بھی یاد رہے کہ سارے عرب کے مقابلہ میں تمہاری قوم کچھ بھی نہیں۔ اب اگر تم اپنی حرکتیں نہیں چھوڑتے تو بھائیوں کو حق ہو گا کہ پکڑ کر تمھیں قید میں ڈال دیں۔ یہ ان کو گوارا ہے، پر یہ بات گوارا نہیں کہ قریش تم پر پل پڑیں اور پھر سارا عرب بھی انہی کا ساتھ دے گا۔''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت چاہا کہ کچھ بولیں۔ لوگوں کو رب کا پیغام سنائیں، اور ان کو اللہ کی نافرمانی سے ڈرائیں، اور بتائیں کہ ان میں کیا کیا برائیاں ہیں۔ لیکن ابو لہب نے موقع ہی نہ دیا۔ وہ لوگوں کو بھڑکاتے ہوئے پھر بولا:

''یہ تو بخدا بہت بری بات ہے۔ تم لوگ ابھی سے اسے کا ہاتھ پکڑ لو۔ اس کا انتظار کیوں ہے کہ دوسرے پکڑیں کہ اس وقت تو تم بڑی زحمت میں پڑ جاؤ گے۔ اگر حوالہ کر دو گے، تو ذلیل ہو گے اور ہمیشہ کے لیے بدنام ہو گے۔ اور اگر حمایت کرو گے، تو مارے جاؤ گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پھوپھی صفیہ تھیں۔ وہ بھی وہاں موجود تھیں۔ یہ سب سن کر وہ بے تاب ہو گئیں اور بولیں:

''میرے بھائی! تجھ کو شرم نہیں آتی کہ بھتیجے کی مخالفت کر رہا ہے؟ خدا کی قسم جاننے والے تو ایک زمانہ سے کہتے آ رہے ہیں کہ آلِ مطلب میں ایک نبی ہو گا۔ سن لے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہی ہے۔!''

ابو لہب (بہت زور کا قہقہہ لگاتے ہوئے):

''تمہارا کیا؟ ہاتھوں میں چوڑیاں پہن لیں۔ اور گھر میں بیٹھ رہیں۔ اگر قریش دشمن ہو گئے اور ہم سے جنگ کی ٹھان لی۔ اور پھر دوسرے قنبیلوں نے بھی ان ہی کا ساتھ دیا تو۔۔۔۔ پھر کیا بنے گا؟ وہ تو ہمیں چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دیں گے۔''

ابو طالب بولے:

''جب تک جان میں جان ہے، ہم اس کا ساتھ دیں گے۔''

ابو لہب نے کہا:

''بھائیو! چلو، یہاں سے نکل چلو۔ اب یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔''

چنانچہ سب اٹھ کر چل دیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دل کی بات دل ہی میں لیے رہ گئے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار پھر دعوت کا انتظام کیا۔ اور خاندان والوں کو دوبارہ کھانے پر بلایا۔ پھر جب لوگ کھا پی چکے، تو رب کا پیغام سنایا، فرمایا:

''دیدبان اپنوں سے جھوٹ نہیں بولتا۔ خدا کی قسم، میں غیروں سے جھوٹ بول بھی لو، پر تم سے نہیں بول سکتا۔ اوروں کو دھوکہ دے بھی دوں پر تم کو نہیں دے سکتا۔ اللہ جانتا ہے کہ میں اس کا رسول ہوں۔ اور اس نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ سن لو،

www.quranurdu.com

عرب میں کوئی بھی اپنی قوم کے لیے مجھ سے بہتر چیز نہیں لایا۔ میں تمہارے پاس دونوں جہان کی بھلائی لے کر آیا ہوں۔ رب کا حکم ہے کہ تم کو اسی طرف بلاؤں۔ ہے کوئی جو اس کام میں میرا ساتھ دے اور میرے بعد بھی اسے باقی رکھے؟''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اور لوگوں کے چہروں کو تکنے لگے، کہ کس کا دل ایمان کی طرف مائل ہوا؟

کس کا سینہ اسلام کے لیے کھلا، اور کون اس کی مدد کے لیے تیار ہوا؟

کس نے آپ کی پکار پر کان دھرا اور کس نے حق کی حمایت کا فیصلہ کیا؟

لیکن۔۔۔۔ کسی طرف سے کوئی آواز نہ آئی۔ ہر ایک کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

کچھ لوگوں نے تو اسے پاگل کی بڑ جانا، اور حیرت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ تکنے لگے اور کچھ لوگوں نے نفرت سے رخ پھیر لیا اور وہاں سے چل دینے کا فیصلہ کیا۔

ٹھیک اسی وقت ایک لڑکا اُٹھا۔ یہی کوئی بارہ تیرہ سال کا۔ بدن بھی کچھ یونہی سا۔ چھوٹا سا قد۔ دبلا پتلا جسم۔ آنکھیں آئی ہوئیں۔ مگر تھا بہت بہادر، بڑی ہمت والا۔ اُٹھ کر بولا:

''اللہ کے رسول! میں ساتھ دوں گا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کروں گا۔''

کتنا عجیب و غریب منظر تھا یہ۔ لڑکے کی یہ باتیں سن کر اکثر بے قابو ہو گئے اور خاموش فضا قہقہوں کی آوازوں سے گونج اٹھی، پھر وہ چوٹ کرتے ہوئے بولے:

''کیوں ابو طالب! اب بھتیجے کی پیروی کرو گے یا بیٹے کی؟''

اس طرح دوسری مجلس بھی برکاست ہو گئی، لیکن ان کوششوں کا حاصل۔۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔ مگر اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مایوس نہ ہوئے اور پورے ولولہ سے کام کرتے رہے۔ ایک دن کی بات ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا کی پہاڑی پر چڑھ گئے، اور درد بھری آواز سے چیخے: قریشی بھائیو! قریشی بھائیو!!

لوگ چونک اٹھے: ''ارے بھائی! یہ کون پکار رہا ہے؟'' کس کی آواز ہے یہ!''

پھر کچھ ہی دیر میں سب لوگ جمع ہو گئے اور بے تابی سے پوچھنے لگے:

''کیا بات ہے بھائی، کیا بات ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ذرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگ یہ تو بتائیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے دامن سے ایک فوج نکلنا چاہتی ہے، تو کیا آپ یقین کریں گے؟''

لوگوں نے کہا:

''ہاں، ہاں، ضروری۔ نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے تو کبھی جھوٹی بات سنی نہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

www.quranurdu.com

''میرے پیارے عزیزو! میں تمھیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں۔ جو تمہارے سامنے ہے۔ میں اسے اسی طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اس وقت پہاڑ کے دوسری طرف۔ قریشی بھائیو! خدا کی ناراضی سے بچو! اور اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ۔ اگر کہیں اللہ ناراض ہو گیا، اور تم کو اس نے آگ میں جھونکنا چاہا، تو میں نہیں بچا سکوں گا۔ آگ سے بچنے کی تو بس ایک ہی تدبیر ہے۔ کہ اللہ کو ایک مانو۔ اور میرے رسول ہونے کا اقرار کر لو۔''

یہ سننا تھا کہ ابو لہب کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا، جیسے لال انگارا، چنانچہ فوراً وہ تن کر اٹھا اور کڑک کر بولا:

''ناس ہو تیرا! تو نے اسی لیے بلایا تھا!''

یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سناٹے میں آ گئے اور بڑی حسرت کے ساتھ چچا کی طرف دیکھا۔ کہ کاش کچھ دیر وہ خاموش رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں تقریر کر سکیں۔ ان کو سچے دین کی دعوت دے سکیں اور ان کو رب کا پیغام سنا سکیں۔ لیکن اس کو ذرا بھی ترس نہ آیا اس کا انداز اور سخت ہو گیا اور وہ آپ کو جلی کٹی سناتا رہا۔

آخر لوگ وہاں سے چل دیے۔ لیکن اب بھی ان میں وہی باتیں تھیں۔

کوئی کہتا: ''بھائی عبد المطلب کا نوجوان تو آسمان سے باتیں کرتا ہے!''

کوئی کہتا: ''وہ تو ایسے کی عبادت کرنے کو کہتا ہے، جس کو نہ ہم دیکھ سکیں، نہ سن سکیں۔''

کوئی کہتا: ''جس سے وہ باتیں کرتا ہے، ذرا ہماری بھی کیوں نہیں کرا دیتا؟''

اسلام کی آواز اٹھائے ہوئے ایک زمانہ ہو گیا۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیروؤں کو لے کر اپنے گھر آ جاتے یا اَرقَم کے یہاں چلے جاتے۔ وہاں ان کو قرآن کی آیتیں سناتے۔ جو ناخواندہ ہوتے، ان سے کئی کئی بار سنتے کہ خوب یاد ہو جائے اور جو پڑھے لکھے ہوتے، وہ آیتوں کو لکھ لیتے۔ پھر خود یاد کرتے۔ بال بچوں کو یاد کراتے اور دوسرے نو مسلموں کو یاد کراتے۔

آہستہ آہستہ اسلام پھیلتا گیا۔ اور مسلمان بڑھتے رہے مگر مشرکین اسے یوں ہی ہنسی مذاق پر ٹالتے رہے۔ ''یہ ایک سنجیدہ خطرہ ہے۔''

یہ باور کرنے کو بھی وہ تیار نہ تھے۔ وہ سمجھتے رہے کہ یہ تو دیوانے ہیں، ان سے کون اُلجھے؟

وہ تو سمجھ رہے تھے کہ یہ لوگ محمد کے پیچھے دیوانے ہیں اور اسی رَو میں آ کر اپنا دین بھی چھوڑ بیٹھے ہیں۔ مگر یہ ساتھ نبھنے والا نہیں۔ صرف دو دن کی بات ہے۔ اس کے بعد یہ سب گرد کی طرح اُڑ جائیں گے اور دیر سویر قومی ہی دین کی پناہ لیں گے۔ ان ہی دنوں کی بات ہے ایک روز کچھ مشرک کعبہ میں تھے، اور مورتیوں کو سجدہ کر رہے تھے کہ اتفاق سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حالت دیکھی نہ گئی اور ان پر بڑا ترس آیا۔ نیز دل میں خیال آیا کہ اس کام سے کسی طرح روکا جائے اور انھیں اس ذلت سے بچایا جائے۔ چنانچہ فرمایا:

''اہل قریش! تم تو دادا ابراہیم کے دین سے بالکل ہی ہٹ گئے ہو، تم ان حقیر مورتیوں کو پوجتے ہو اور انھیں اللہ کا ساجھی ٹھہراتے ہو! بتاؤ تو، اللہ تم سے کتنا ناخوش ہو گا؟''

مشرکوں پہ یہ بات بہت گراں گزری اور وہ کج بحثی پر تل گئے بولے:

www.quranurdu.com

''کوئی ہم مورتیوں کو تھوڑی پوجتے ہیں۔اصل میں تو ہمیں اللہ سے محبت ہے اور اسی سے قریب ہونے کی تمنا ہے۔یہ تو بس بیچ میں واسطہ ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اگر اللہ کو چاہتے ہو، تو میری بات مانو، اللہ بھی چاہنے لگے گا۔''

یہ سننا تھا کہ وہ آگ بگولا ہو گئے اور آپس میں بولے:

'' اس کی باتیں سنتے سنتے تو کلیجہ پک گیا ہے۔آخر کب تک برداشت کیا جائے؟''

''ہم چپ کیا رہے کہ یہ بالکل ہی ڈھیٹ ہو گیا اتنا کہ ہماری عقلوں پر چوٹیں کرنے لگا اور ہمارے آباؤاجداد تک کو گمراہ کہنے لا۔اور ۔۔۔۔اور ہمارے دیوتاؤں کو بھی تو نہیں بخشا۔اچھا تو اب تو ہم بالکل نہیں گوارا کریں گے۔ایک دم نہیں کریں گے۔''

پھر وہ سب اُٹھ کر چل دیے، مگر آنکھیں بالکل سرخ تھی، اور سینے کھول رہے تھے۔اب جہاں دیکھیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی موضوعِ گفتگو تھے۔کوئی ستانے کے منصوبے بنا رہا تھا تو کوئی ڈرانے اور دھمکانے میں مصروف تھا۔

==========

سارے مشرک سردار سر جوڑ کر بیٹھے اور باہم مشورہ کرنے لگے:

''محمد دیوتاؤں پر زیادتی کر رہا ہے۔اس کا کیا علاج کیا جائے؟ وہ ہمارے دین کے پیچھے پڑا ہے۔اس سے کیسے پیچھا چھڑایا جائے؟ کیا محمد دیوتاؤں کی توہین کرتا ہے؟ ان دیوتاؤں کی جو ہمارے معبود ہیں! ہم سے پہلوں کے معبود ہیں!! کیا محمد ہم کو الو سمجھتا ہے، جو مورتیوں کو چھوڑ دینے کی دعوت دیتا ہے؟ ان مورتیوں کو۔۔۔۔جن کے لیے عرب کے کونے کونے سے لوگ آتے ہیں، آکر ان کو سجدہ کرتے ہیں اور کعبہ کی طرح ان کا طواف کرتے ہیں! کیا وہ چاہتا ہے کہ سارا عرب ہم پر ہلّہ بول دے، یا یہ چاہتا ہے، کہ ہر قبیلہ ہمارا بائیکاٹ کر دے اور ہمارے یہاں آنا جانا چھوڑ دے کہ ساری تجارت ٹھپ پڑ جائے، اور ہم دانہ دانہ کو ترس جائیں؟''

بہت دیر تک یوں ہی باتیں ہوتی رہیں۔پھر طے پایا کہ کچھ لوگ ابو طالب کے پاس جائیں، اور ان سے بھتیجے کی شکایت کریں۔نیز کہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کر دیجیے کہ وہ نہ ہم کو کچھ کہے، نہ ہمارے دیوتاؤں کو نہ اس کو ہمارے دین سے کوئی سروکار ہے، نہ ہم کو اس کے دین سے۔

چنانچہ قریش کے چھ سردار ابو طالب کے پاس گئے اور وہ یہ تھے:

''حرب کا بیٹا ابو سفیان، ربیعہ کا بیٹا عتبہ، مغیرہ کا بیٹا ولید، وائل کا بیٹا عاص، اور ہشام کا بیٹا عمرو۔''

ہاں، وہی عمرو جس کی کنیت ابو الحکم تھی، اور جو ابو جہل کے نام سے مشہور ہے۔یہ سب ابو طالب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی بات رکھی۔ابو طالب نے بھی ان کی دلدہی کی۔بڑی نرمی سے بات چیت کی اور کسی طرح سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔

اسی طرح دن گزرتے گئے، اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم شرک و بت پرستی سے روکتے رہے اور تنہا اللہ کی عبادت پر ابھارتے رہے، یہاں تک کہ مسلمانوں کا ایک جتھا ہو گیا۔

www.quranurdu.com

اب مشرک بہت گھبرائے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب ہو گیا، اور اس کا دین پھیل گیا، نیز ہر طرف اسلام کا بول بالا ہو گیا، تو۔۔۔۔ پھر کیا بنے گا؟ تب تو۔۔۔۔ ہماری شامت آجائے گی۔ وطنِ عزیز ویران ہو جائے گا۔ اور ہمارا سارا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا۔

لہٰذا یہ گول مول بات ٹھیک نہیں۔ اب کوئی دوٹوک فیصلہ ہو جانا چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ پھر ابو طالب کے پاس آئے اور بولے:

''ابو طالب! آپ ہمارے بزرگ ہیں۔ جان و دل سے ہمیں عزیز ہیں۔ ذرا بھتیجے کے معاملہ میں انصاف کیجیے نا۔ اس سے کہیے کہ ہمارے دیوتاؤں کو برا نہ کہے۔ ہمارے دین میں عیب نہ نکالے۔ ہماری عقل و خرد پر حملے نہ کرے، اور۔۔۔۔ ہمارے باپ دادا کو گمراہ نہ کہے۔ ہاں، تو آپ اسے سمجھا دیجیے۔ ورنہ بیچ سے ہٹ جایئے۔ ہم خود ہی اس سے نمٹ لیں۔ آخر آپ بھی تو اس کی باتوں سے بیزار ہیں۔ آپ کو بھی اس طرح چین مل جائے گا۔''

اب ابو طالب سے کچھ بن نہ پڑا۔ مجبور ہو کر انھوں نے محمد کو بلوایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو وہ بولے:

''بھتیجے! یہ قوم کے مالدار اور سردار لوگ ہیں انھیں تم سے کوئی شکایت ہے کہ نہ تم ان کے دیوتاؤں کو کچھ کہو، نہ یہ تم کو اور تمہارے خدا کو کچھ کہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چچا! جو چیز ان کے لیے زیادہ بہتر ہے، کیا اس کی طرف انھیں بلانا چھوڑ دوں؟''

ابو طالب نے کہا: ''وہ کیا چیز؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں کہتا ہوں کہ یہ زبان سے صرف ایک فقرہ کہہ دیں۔ اگر یہ راضی ہو جائیں، تو پورا عرب ان کا غلام ہو جائے۔ اور ساری دنیا ان کے قدم چومے۔''

ابو جہل زور سے چیخا: ''تیرے باپ کی قسم وہ کون سا فقرہ ہے؟ اس جیسے دس فقرے ہم سے سن لے!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صرف لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهِ کہہ دیجیے۔''

یہ سنتے ہی سب کے سب تلملا اُٹھے۔ غصہ سے چہرے سرخ ہو گئے۔ اور نفرت سے گردنیں پھر گئیں۔ اور وہ یہ کہتے ہوئے چل دیے:

''اچھا دیکھ، اب تیری کیسی مٹی پلید کرتے ہیں ہم!''

==========

محمد کی دعوت تیزی سے پھیل رہی تھی اور معاشرے کا صالح عنصر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو رہا تھا۔ یہ دیکھ کر شرک کے علمبردار بہت تلملائے اور ان کے دلوں پر سانپ لوٹنے لگے۔ خدا کی عبادت سراسر بتوں کی توہین تھی۔ اسلام کی عزت کفر کے لیے سراپا ذلت تھی اور مسلمانوں کی سربلندی کافروں کے لیے خطرہ تھی۔ لہٰذا کافر غصہ سے بے تاب ہو گئے۔ بالکل آگ بگولا ہو گئے اور انھوں نے قسمیں کھائیں:

''اب ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ننگی تلوار ہیں۔ جہاں پائیں گے، اسے ستائیں گے اور جس طرح ہو سکے گا، اس کا دل کھائیں گے۔ جسم کو بھی زخمی کریں گے اور رُوح کو بھی چھلنی کریں گے، اور۔۔۔۔ اور اس کے دین کو مٹا کر چھوڑیں گے۔''

www.quranurdu.com

چنانچہ انھوں نے اپنے شاعروں اور بدمعاشوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکا دیا۔ اب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمتیں لگاتے، اشعار میں آپ کی ہجو کرتے، لوگوں میں آپ کے خلاف بدگمانیاں پھیلاتے اور آپ کی عقل ونیت پر حملے کرتے۔ کوئی کہتا: یہ تو جادوگر ہے، کوئی کہتا، اس پر تو جادو کا اثر ہے اور کوئی کہتا، اس کو شہرت کی ہوس ہے۔''

ایک دن کچھ مشرک سردار کعبہ میں جمع ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم موضوعِ سخن بنے!

''ارے محمد تو کہتا ہے کہ ہم لوگ مر جائیں گے، تو پھر زندہ کیے جائیں گے، اور اپنے کیے کا حساب دیں گے۔ اچھے کاموں میں اچھا بدلہ پائیں گے اور برے کا بُرا۔ اچھے کام کریں گے تو جنت میں جائیں گے اور بُرے کام کریں گے تو جہنم میں جائیں گے۔''

پھر انھوں نے سوچا کہ ذرا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلائیں اور کچھ بحث ومناظرہ کریں اگر وہ اپنی باتوں میں سچا ہوگا تو دلیل دے گا، اور اگر جھوٹا ہوگا اور محض دعویٰ ہی کرتا ہوگا تو ہم کو حق ہوگا کہ اسے جتنا چاہیں، ستائیں اور اس میں ہم بالکل معذور ہوں گے، نہ کسی کو ملامت کا حق ہوگا، اور نہ باز پرس کا۔

چنانچہ انھوں نے فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی دوڑایا۔ آدمی پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی طرف سے کچھ امید ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ شاید ان پر حق بے نقاب ہو گیا اور شاید اب وہ ایمان لے آئیں۔ یہ سوچ کر آپ بے تابی سے ان کی طرف بڑھے لیکن۔۔۔۔ وہاں تو کچھ اور تھا۔ وہاں تو وہی دلخراش باتیں تھیں۔ وہی ضد اور نفرت کی ادائیں تھیں۔ انھوں نے کہا:

''ہم تو جانتے نہیں کہ عرب میں کوئی ایسا آدمی ہوا ہو، جس نے تمہاری طرح اپنی قوم کو تنگ کیا ہو۔ تم نے ہمارے دین میں عیب نکالا۔ ہمارے دیوتاؤں کو برا بھلا کہا۔ ہمارے باپ دادا پر کیچڑ اچھالی۔ یہی کیا؟ پوری قوم کو تتّر بتّر کر کے رکھ دیا۔ خود ہی بتاؤ، کیا بات رہ گئی، جو تم نے چھوڑ دی۔ لیکن سنو! اب بھی ہم تم کو سینے سے لگانے کے لیے تیار ہیں۔ دولت، عزت، شہرت سب کچھ دینے کے لیے تیار ہیں۔ دولت کی تمنا ہو، تو بتاؤ۔ ہم تمہارے قدموں پر دولت کے ڈھیر لگا دیں گے۔ شہرت کی تمنا ہو تو بتاؤ، ہم تم کو اپنا سردار بنالیں گے اور اگر کہیں دماغی مرض ہے، یا جن کا آچر ہے تو ہم اچھے سے اچھے علاج کا انتظام کریں۔ علاج تمہارا ہوگا پیسہ ہمارا لگے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل ونیت پر زبردست حملہ تھا؟ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ملال ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' مجھ میں اس طرح کی کوئی شکایت نہیں۔ مجھ کو مال ودولت کی بھی تمنا نہیں۔ شہرت یا بادشاہت کی بھی ہوس نہیں۔ میں تو اللہ کا رسول ہوں۔ اسی نے مجھے بھیجا ہے تاکہ تم کو غفلت سے چونکا دوں۔ برائی کا بُرا انجام بتادوں اور نیکی کا نیک انجام بھی سنادوں اور چاہو تو تمھیں رب سے ملادوں۔''

ان باتوں کا ان پر کیا اثر ہوا؟ جاہلیت کی رگ اور پھڑک اٹھی اور ان میں ایک غل مچ گیا۔ اب جو کچھ منہ میں آیا وہ بکنے لگے۔ نیز انھوں نے کچھ الٹے سیدھے مطالبات بھی کیے، پھر بولے:

''اگر تم سچ مچ اللہ کے رسول ہو، اور اس نے تم کو ہماری رہنمائی کے لیے بھیجا ہے تو ان مطالبات کو پورا کرو۔ پھر ہمیں یقین آئے گا کہ تم سچے ہو اور اس وقت ہم تمہاری بات مانیں گے۔''

www.quranurdu.com

چنانچہ کسی نے کہا: ''اپنے رب سے کہو کہ ہمارے لیے ایک چشمہ رواں کر دے۔ چشمہ بھی ایسا کہ زمزم سے بھی میٹھا اور جیسے شام و عراق میں نہریں بہتی ہیں۔ ہمارے یہاں بھی بہنے لگیں۔''

کسی نے کہا: ''اگر تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہو تو اپنے رب سے کہو کہ وہ تم کو باغوں اور محلوں میں رکھے۔ اور سونے چاندی کے بہت سے خزانے دے دے تاکہ عیش کی زندگی گزر سکے یہ کیا کہ ہماری طرح بازاروں میں مارے مارے پھرتے ہو اور روزی کے پیچھے خون پسینہ بہاتے ہو۔''

کسی نے کہا: ''یمامہ میں ایک آدمی ہے رَحمان، وہی تم کو یہ سب باتیں سکھاتا ہے، تو سن لو، ہم رَحمان پر تو ایمان لانے سے رہے اور اگر ایسا نہیں تو تم ہمارے سامنے آسمان پر چڑھو، اور وہاں سے ایک تحریر لاؤ۔ جس کو ہم بھی پڑھ لیں۔''

کسی نے کہا: ''فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ انہی کو ہم پوجتے ہیں اب اگر تم اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرو، یا آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دو تو ہم تم پر ایمان لے آویں۔ ذرا ہم بھی دیکھیں کہ کیسی سزا اور کیسا عذاب ہے جس کی یہ دھمکیاں ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پاک ہے میرا رب! کیا میں ایک پیغمبر کے سوا اور بھی کچھ ہوں؟''

اللہ نے فرمایا: '' بابرکت ہے وہ ذات جو اگر چاہے تو تمھیں اس سے بھی اچھی چیزیں دے دے۔ چاہے تو ایسے باغ دے دے، جن کے نیچے سے نہریں رَواں ہوں، اور چاہے تو بہت سے محل دے دے۔''

ان لوگوں نے کہا: ''محمد! ہم نے تمہارے سامنے کتنی ہی باتیں رکھیں۔ لیکن تم نے ایک نہ سنی۔ ہم نے تم سے کتنی ہی خواہشیں کیں، لیکن تم نے سب ٹھکرا دیں۔ سن لو، اب ہم معذور ہیں۔ اور اب ہمیں حق ہے کہ تمہارے ساتھ جیسا چاہیں سلوک کریں۔ یاد رکھو، ہم تمہاری جان ہی لے کر چھوڑیں گے۔ اب تو یا تم رہو گے یا ہم۔''

اور اب انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا فیصلہ کر لیا، بالکل آخری اور محکم فیصلہ۔

یہ خیال آتے ہی ان کی ہمت جواب دینے لگی اور سارے حوصلے پست ہو گئے۔

''مگر ہاں، ایک شکل ہے، کوئی ترکیب کی جائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کی نظر سے گر جائے یا کم از کم ان کا دل پھیکا ہو جائے کہ اس کو ہم قتل کریں، تو وہ چپ چاپ رہیں۔''

چنانچہ انھوں نے بہت سوچا، بہت سوچا اور کئی دن تک سوچا، بالآخر ان نادانوں کی عقل نے مشورہ دیا:

''ابو طالب کے پاس اپنا ایک جوان لے کر جاؤ۔ جوان بھی ایسا کہ طاقت اور بہادری میں مشہور ہو اور دنیائے حسن کا بھی بادشاہ ہو۔ پھر ان سے کہو کہ اپنے بھتیجے کو دے دیں اور اس کی جگہ اس جوان کو رکھ لیں۔''

==================

اپنی اس بودی تدبیر پر قریش بہت مگن تھے۔ چنانچہ وہ ابو طالب کے پاس آئے اور ساتھ میں ایک جوان بھی لائے، ولید بن عمارہ نامی جوان، اور بولے:

''ابو طالب! یہ عمارہ کا بیٹا ولید ہے۔ قریش کا سب سے بہادر، اور طاقتور جوان۔ اور پھر دنیائے حسن کا بھی بادشاہ۔ آج سے یہ آپ کا بیٹا ہے۔ ہر معاملہ میں صحیح مشورہ دے گا۔ اور ہر کام میں آپ کا ہاتھ بٹائے گا۔ ہاں، تو اس کو اب آپ رکھیے اور اس کے بدلے بھتیجے کو ہمیں دے دیجیے کہ اس کا قصہ ہی پاک کر دیں۔ خواہ مخواہ کے لیے اس نے ایک فتنہ اُٹھا رکھا ہے اور ساری قوم کو تتّر بتّر کر کے رکھ دیا ہے اور پھر آپ کو تو اس سے بھی اچھا آدمی مل رہا ہے۔''

www.quranurdu.com

قوم کے سمجھداروں کی زبان سے ایسی باتیں! اس قدر عجیب و غریب اور عقل سے ہٹی ہوئی باتیں۔

ابو طالب ہکا بکا رہ گئے۔ کچھ دیر تک تو وہ حیرت سے ان کا منہ تکتے رہے پھر بولے:

''اے عقل کے مارے دیوانو! کتنا بُرا سودا کر رہے ہو تم! تمہارا بیٹا تو میں اپنے پاس رکھ کر موٹا کروں اور اپنے کلیجہ کو دے دوں کہ تم اس کی تکہ بوٹی کرو؟ خدا کی قسم یہ تو قیامت تک نہ ہو گا۔''

عدی کا بیٹا مطعم بولا یہ بھی قریش کے سرداروں میں تھا:

''خدا کی قسم ابو طالب! قوم نے بہت انصاف کیا اور لاکھ کوشش کی کہ ناگواری کی کوئی بات نہ ہو۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ ان کی کوئی بات ہی ماننے کو تیار نہیں!''

ابو طالب نے کہا:

''بخدا میرے ساتھ ذرا بھی انصاف نہیں کیا گیا۔ اصل میں تم نے مجھے رسوا ہی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے کہ لوگوں کو میرے خلاف بھڑکاتے ہی رہو گے۔ تو جاؤ۔ جو جی میں آئے، کر دیکھو۔''

لوگوں نے کہا:

''ہم نے ذرا بھی ناانصافی نہیں کی۔ نہ آپ کے ساتھ کی نہ بھتیجے کے ساتھ کی۔ ہم نے بارہا کہا کہ بھتیجے کو سمجھائیے اور اس کو ان کی حرکتوں سے روکیے، لیکن آپ نے کبھی نہیں روکا۔ سن لیجیے، اب اگر اس نے دیوتاؤں کا نام لیا یا بزرگوں کو کچھ کہا، یا ہماری عقل و سمجھ پر کوئی حملہ کیا، تو برداشت نہ ہو گا۔ اب بس دو ہی صورتیں ہیں یا تو آپ سمجھا بجھا کر اس کا منہ بند کر دیں۔ ورنہ ہم لوگ جنگ کریں گے اس سے بھی کریں گے اور آپ سے بھی کریں گے، اور ہر اس شخص سے کریں گے جو آپ دونوں کا ساتھ دے گا۔ اب توب یا آپ رہیں گے یا ہم!''

پھر یہ کہہ کر لوگ چلے گئے۔ معاملہ چونکہ سخت تھا اور موقع بڑا نازک تھا اس لیے ابو طالب کو بہت رنج ہوا، اور دل کو بہت دکھ ہوا، اور قوم اور خاندان کے اس کھلے چیلنج نے ان کا جگر چیر دیا۔

قوم کی دشمنی مول لینے کا یارا نہیں، اور بھتیجے کو بے سہارا چھوڑ دینا بھی گوارا نہیں۔ ایک عجیب و غریب کشمکش تھی اور بڑی ہی سخت آزمائش تھی۔ چنانچہ ابو طالب کا سر جھک گیا اور وہ سوچنے لگے:

''میں کیا کروں؟ اُف۔۔۔۔! میں کیا کروں؟''

ابو طالب! اب تم کیا کرو گے؟ بولو، اب تمہارا کیا فیصلہ ہے؟ کیا بھتیجے کو ظالموں کا لقمۂ تر بناؤ گے؟ یا اس کی حمایت میں جان لڑاؤ گے؟

ایک فیصلہ کن گھڑی تھی اور دنیا کو انتظار تھا کہ دیکھیں، کیا ہوتا ہے؟

بالآخر ابو طالب نے طے کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلائیں اور کسی طرح دعوت دینے سے روک دیں، کہ یہی دعوت قوم کی عداوت کا سبب تھی۔ اسی نے قریش کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا تھا اور اسی نے ان کی شان و شوکت کا محل ڈھا کر رکھ دیا تھا۔

چنانچہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم چچا کے پاس گئے۔ چچا نے سارا قصہ سنایا اور قریش کا چیلنج بھی بتایا۔ پھر بولے:

''جانِ عم! خدارا مجھ پر اور اپنی جان پر رحم کھاؤ۔ مجھ پر اتنا بار نہ ڈالو کہ میں سہار نہ سکوں۔''

www.quranurdu.com

یہ ایک فیصلہ کن گھڑی تھی اور دنیا پھر سراپا انتظار تھی کہ دیکھیں، اب کیا ہوتا ہے؟

- ❖ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم رب کی پکار سے رخ پھیر لیتے ہیں اور چچا کی پکار پر لبیک کہتے ہیں؟
- ❖ کیا محمد حق کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، اور دینِ اسلام سے منہ موڑ لیتے ہیں؟
- ❖ کیا اب دنیا نورِ ایمان سے جگمگاتی ہے، یا کفر کی تاریکی ہی چھائی رہتی ہے؟

محمد! اپنے دردمند چچا کی باتیں سن لیں، کہو اب تمہارا کیا فیصلہ ہے؟ بولو، اب کیا ارادہ ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی فیصلہ کیا، جو فیصلہ آپ کے رب کا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات پسند کی، جس میں خود خدا کی پسند تھی۔ چنانچہ پورے عزم وہمت سے فرمایا:

''چچا! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج رکھ دیں اور بائیں ہاتھ میں چاند، اور کہیں کہ میں یہ کام چھوڑ دوں، تو یہ ناممکن ہے یا تو یہ کام پورا ہوگا، یا میری جان بھی اسی راہ میں کام آئے گی۔''

اللہ اللہ۔۔۔! یہ حق کی طاقت، اور ایمان کی عظمت! یہ باطن کی قوت اور رُوح کی عظمت!

محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق کے ساتھ تھے۔ حق ہی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جینا تھا اور حق ہی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرنا تھا۔

اب چچا نے بھتیجے کو بہت ہی حیرت اور تعجب سے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم و حوصلہ کا ان پر بڑا اثر ہوا، اور وہ ایک گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ مقصد کی یہ دُھن! اور کام کی یہ لگن! اس راہ میں کیا مصیبتیں آئیں گی؟ اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ قوم کیا سلوک کرے گی؟ اس کی کوئی فکر نہیں۔

پھر محمد چچا کے پاس سے اُٹھے، اور چل دیے، روکنا بہت چاہا، مگر آنکھوں سے آنسو پھوٹ پڑے اور دل میں ایک ہلچل مچ گئی۔

''اب کیا ہوگا؟ اب تو چچا کی بھی آنکھیں بدل گئیں۔ ان کے عزم وہمت نے بھی جواب دے دیا۔ انھوں نے اب مجھ کو بے سہارا چھوڑ دینا گوارا کر لیا آہ۔۔۔ جس چچا نے مجھے سدا کلیجے سے لگائے رکھا، آج مصیبتوں کے طوفان میں اس نے تنہا چھوڑ دیا۔''

لیکن ابھی آپ کچھ ہی دُور گئے تھے، کہ چچا نے آواز دی: ''بھتیجے! ذرا سننا۔''

چنانچہ پھر چچا کے پاس گئے۔

چچا نے کہا: ''بھتیجے جاؤ! اور جو دل چاہے کہو! جب تک جان میں جان ہے، میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

چچا کی زبان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں سنیں، تو خوشی سے چہرہ مبارک کندن کی طرح دمکنے لگا، اور سینہ میں ایک نیا حوصلہ اور ولولہ موجیں مارنے لگا۔ مشرکوں کے چہرے پر بل آتا ہے، آیا کرے۔ ان کی تیوری چڑھتی ہے، چڑھا کرے۔ ہم تو اس راہ میں جان لڑاتے رہیں گے اور تاریک دنیا میں نورِ اسلام پھیلا کے رہیں گے۔ یہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عزم! اور یہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوصلہ!

اب چچا بھتیجے کی مدد کے لیے کمر کسنے لگا، اور اس کے لیے خاندان کو بھی تیار کرنے کا فیصلہ کیا۔

چنانچہ اس نے چٹ پٹ سب کو جمع کیا اور کہا:

www.sirat-e-mustaqeem.net

" بھائیو! سب محمد کے پیچھے پڑے ہیں، اور بالکل اس کی جان لینے پر تُل گئے ہیں۔ تو میں چاہتا ہوں کہ ان کی یہ تمنا بر نہ آئے اور ہم سب مل کر اس کا ساتھ دیں۔"

یہ سن کر سب نے ابو طالب کی ہمت بڑھائی اور مدد کا وعدہ کیا، بس ایک ابو لہب تھا، جس کو بھتیجے پہ ذرا بھی ترس نہ آیا، اور اس نے جیتے جی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کا بیڑا اُٹھایا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ میں قریش کے ساتھ ہوں اور انہی میں مل کر کام کروں گا۔

اب قریش پورے زور شور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر تُل گئے اور دعوت کو ناکام بنانے کے لیے نت نئی چالیں چلنے لگے۔ نیز انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ ظلم ڈھائے کہ خدا کی پناہ! زمین لرز اٹھی اور آسمان تھرّا گئے۔ لیکن ان ظالموں کو ذرا بھی رحم نہ آیا۔ پھر یہ چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تک محدود نہ تھی۔ ساتھیوں کو بھی انھوں نے اپنی بے رحمیوں کا نشانہ بنایا اور ظلم و ستم کی چکی میں پیس کر رکھ دیا۔

لیکن پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ سب کچھ سہتے رہے۔

==========

www.quranurdu.com

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

طوفانی کشمکش

www.quranurdu.com

- قریش کا طوفانِ بے تمیزی
- ابوجہل کی ناکام سازش
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حافظِ حقیقی کی حفاظت میں
- مشرکین کی دلدوز سفاکیاں
- بے بس مسلمانوں کی حیرت ناک استقامت
- حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسلام کا آغوش میں
- حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی جرأت و بے باکی۔
- رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور عتبہ کی گفتگو
- عتبہ کا تاثر اور قریش کو مشورہ۔
- بت کدے میں قرآن کی گونج
- ایک عظیم شور و شر
- قرآن کے بارے میں شرک کے علمبرداروں کا تاثر
- رسالت کا زندہ ثبوت
- مشرکین کی ہٹ دھرمی

کافر ہاتھ دھو کر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ساتھیوں کے پیچھے پڑے رہے چنانچہ وہ بڑی بے دردی سے ستاتے، گالیاں دیتے۔ پتھر برساتے اور اپنی ذلیل حرکتوں کی ایسی ایسی نمائش کرتے کہ شرافت نے کبھی تو آنکھیں بند کر لیں اور کبھی کانوں میں انگلیاں دے لیں۔

رقیہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں تھیں۔ یہ عتبہ اور عتیبہ کو بیاہی تھیں۔ عتبہ اور عتیبہ ابو لہب کے بیٹے تھے اور باپ ہی کی طرح یہ دونوں بھی اسلام کے کٹر دشمن تھے۔ چنانچہ ایک زمانہ تک یہ نیک بیویوں کا نام میں دم کیے رہے۔ اور کڑوی کڑوی باتوں سے ان کے دل چھیدتے رہے مگر بدنصیب ابو لہب کو اس سے بھی تسکین نہ ہوئی اور اس نے ان کو بیٹوں سے جدا کر دیا۔

پھر چونکہ وہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہتا تھا۔ اس لیے اس کا وجود آپ کے لیے ایک مستقل دردِ سر تھا۔ حد یہ ہے کہ آئے دن وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر کوڑا کرکٹ پھینک دیتا اور کبھی غلاظت بھی لا کر ڈال جاتا۔ اس کی بیوی اُمِّ جمیل بھی کچھ کم نہ تھی۔ یہ راستہ میں کانٹے بچھا دیا کرتی۔

دشمنوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ برتاؤ تھا، مگر اس پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرافت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا، اور ان کی بدتمیزی کا جواب ہمیشہ عالی ظرفی اور خوش اخلاقی سے دیا۔ وہ سب کچھ کرتے رہتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھا کرتے اور صبر کرتے اور کبھی پریشان ہو جاتے تو صرف اتنا فرماتے۔

آلِ مطلب! پڑوسی کے ساتھ کیسا سلوک ہے یہ؟

پھر قریش تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل ہی کا فیصلہ کر چکے تھے۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا، کہ بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جان دینے کو تیار ہیں تو اس سے وہ بہت سٹپٹائے اور اب ان کی ہمتیں پست ہو گئیں اور حوصلے ٹوٹ گئے اور انھوں نے یہ ناپاک ارادہ دل سے نکال دیا۔ البتہ چوٹیں کرنے اور پھبتیاں کسنے سے وہ اب بھی باز نہ آئے۔ کہیں راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پا جاتے یا ساتھیوں میں دیکھتے، تو وہ زور کا قہقہہ لگاتے اور کہتے:

"کیوں محمد! آسمان سے آج کچھ نہیں آیا۔"

یا کہتے: "کیا اور کوئی نہیں تھا، کہ خدا نے تمھیں رسول بنا دیا؟ یہاں تو ایک سے ایک موجود تھے۔ تم سے زیادہ ہوشیار بھی اور مالدار بھی!!"

یا وہ تالیاں پیٹتے، اور سیٹیاں بجاتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بات نہ کر سکیں۔ کمزور اور نادار مسلمانوں کو دیکھتے، تو قہقہہ لگاتے اور اشارہ کرتے ہوئے کہتے: "یہ لوگ تو زمین کے بادشاہ ہیں۔ جلد ہی روم و ایران کو تاراج کریں گے۔"

www.quranurdu.com

آپ کا سب سے بڑا دشمن ابو جہل تھا۔ دشمنی میں یہ ایک دم دیوانہ تھا اور شرافت و وقار سے بالکل ہی بے گانہ۔ آپ کے لیے ہر برا کام اسے گوارا تھا۔ چنانچہ جہاں پاتا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوستا، اور اوروں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اُکساتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو کچھ اوباشوں کو ساتھ لے کر خوب ہنسی اڑاتا اور دعوت و تبلیغ کا کام کرتے تو غنڈوں کو جمع کر کے قہقہہ لگاتا اور بار بار لوگوں سے کہتا: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پرزے اُڑاؤ، پھر چین کی بنسی بجاؤ!!'

یہی کیا؟ ایک دن تو اس نے ساتھیوں سے کہا:

''خدا کی قسم! کل ایک پتھر لے کر بیٹھوں گا۔ اتنا بھاری کہ اٹھائے نہ اٹھے اور جونہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جائے گا، اس کا سر پیس کر رکھ دوں گا۔ پھر چاہے تم لوگ میرا ساتھ دو، یا چھوڑ کر الگ ہو جاؤ۔ آلِ مناف بھی جو کچھ کریں گے، دیکھا جائے گا۔''

ساتھیوں نے بھی خوب ہمت افزائی کی، اور جوش دلاتے ہوئے بولے:

''توبہ، توبہ، ہم لوگ ساتھ چھوڑ سکتے ہیں! اس طرف سے تو آپ بالکل بے غم رہیے اور جو جی میں آئے، بے دھڑک کیجیے۔''

چنانچہ صبح ہوئی تو ابو جہل نے ایک بھاری پتھر لیا اور کعبہ کے پاس انتظار میں بیٹھ گیا اور قریب ہی ساتھی بھی بیٹھ گئے، پھر روز کی طرح پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان کھڑے ہوئے اور نماز[1] میں مصروف ہو گئے۔ پھر جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گئے، ابو جہل نے پتھر اُٹھایا اور آپ کی طرف بڑھا۔ ساتھی چپ چاپ بیٹھے رہے اور غور سے دیکھتے رہے، کہ کیا ہوتا ہے؟

کتنا عجیب منظر تھا یہ۔۔۔۔! ایک دشمن خدا اس سر کو کچلنے جا رہا تھا جو سر خدا کے قدموں کو چھو رہا تھا، اور اس وجود کو مٹانے جا رہا تھا۔ جس کا نگہبان خود خدا تھا۔

ساتھی ہونے والے حادثہ پر نظریں جمائے، دھڑکتے ہوئے دل سے ابو جہل کو دیکھتے رہے۔ اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ وہ لوٹ پڑا۔ چہرہ اترا ہوا تھا۔ اور آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں اور ہاتھ میں پتھر جوں کا توں تھا۔

ساتھی سخت حیران ہوئے۔ بڑھ کر انھوں نے پوچھا:

''ارے ابوالحکم! کیا ہوا، کیا ہوا؟''

ابو جہل (ہانپتے ہوئے):

''ارے تم کو کچھ نہیں دکھتا؟ سامنے آگ کا الاؤ ہے ذرا بھی آگے بڑھتا تو بھسم ہو کر رہ جاتا۔''

یہ سن کر وہ اور حیران ہوئے اور حیرت سے اس کا منہ تکنے لگے پھر انھوں نے سوچا کہ معلوم ہوتا ہے، ارادہ بدل گیا ہے اور کرنے کو جی چاہتا نہیں۔ بس اسی کے لیے یہ سب حیلے بہانے ہیں۔ چنانچہ ایک ساتھی تو جوش سے بے تاب ہو گیا، اور فوراً اس نے وہی پتھر اُٹھایا اور اسی رادہ سے آپ کی طرف بڑھا، مگر کچھ ہی دُور گیا، کہ اس کے بھی قدم رک گئے اور پھر وہ لوٹ پڑا۔ لوگوں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ بھی اُترا ہوا تھا اور خوف سے آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔

---

[1] چاشت کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم حرم ہی میں ادا کرتے۔ کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب میں بھی جائز تھی۔ (ابن الاثیر)

www.quranurdu.com

اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کی اور دشمنوں کی سازش دَھری کی دَھری رہ گئی۔

یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں۔ قریش نے بڑی بڑی سازشیں کیں اور بار بار کیں۔ لیکن ان کے ارمان کبھی پورے نہ ہوئے اور وہ مسلسل منہ کی کھاتے رہے۔ پر اب بھی وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی طرح بس نہ چلا تو انھوں نے بے چارے کمزور مسلمانوں کو نشانہ بنایا اور ان کو تڑپا تڑپا کر دل کی بھڑاس نکالنے لگے۔ پھر اس کام میں قریش تنہا نہ تھے اور بہت سے قبیلے بھی ان کے ساتھ تھے، اور ان کی پیٹھ ٹھونک رہے تھے۔ ان قبیلوں نے آپس میں ایک معاہدہ بھی کیا۔

اس معاہدہ کی رو سے کوئی قبیلہ کسی مسلمان کو پناہ نہیں دے سکتا تھا۔ ہر قبیلہ کا فرض تھا کہ جہاں کہیں مسلمان مل جائیں، وہ ان کے لیے سراپا ظلم و ستم بن جائے۔ ان کو خوب مارے پیٹے اور جس طرح ہو سکے انھیں ذلیل و رسوا کرے۔ شرافت اور انسانیت سر پیٹتیں تو پیٹا کریں، وہ اس کی ذرا بھی پروانہ کرے اور اگر کسی کا غلام یا باندی مسلمان ہو جائے، تو اس پر وہ ذرا بھی ترس نہ کھائے۔ ترس کھانا تو درکنار، اسے وہ اتنا ستائے کہ وہ نئے دین سے بیزار ہو جائے اور پھر اپنے آبائی دین ہی کی پناہ لے۔

دن بدن ان کے مظالم بڑھتے ہی گئے۔ ان میں ایسے ایسے بھی بے رحم تھے، جن کے سینوں میں دل نہ تھے، پتھر کے ٹکڑے تھے۔ ان ظالموں نے بے کس مسلمانوں کو قید کیا۔ مارا پیٹا، بھوکا پیاسا رکھا۔ مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر لٹایا۔ لوہے کی گرم سلاخوں سے داغا۔ پانی میں غوطہ دیا اور نہ جانے کیا کیا کیا!!

مگر ان سب کے باوجود پوری پامردی سے اسلام پر جمے رہے اور مردانہ وار ساری آزمائشوں کا مقابلہ کرتے رہے۔

انہی جواں مردوں میں یاسر، ان کی بیوی سُمیہ اور لختِ جگر عمارہ بھی تھے۔ یہ تینوں مکہ کے غریبوں میں سے تھے، اور بہت پہلے اسلام لے آئے تھے۔ خاندان والے اُن کے کپڑے اتار دیتے اور جب دوپہر سخت ہ جاتی، تو تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیتے۔ اس کے علاوہ کبھی آگ میں جلاتے اور کبھی پانی میں غوطے دیتے۔ اسی بے کسی کے عالم میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تسلی دیتے اور بہت ہی درد بھرے لہجے میں فرماتے:

''صبر کرو، صبر، تمہارا ٹھکانا جنت ہے۔''

حضرت یاسر رضی اللہ عنہ نے تو اسی طرح تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ لیکن حضرت سمیہ کو ابو جہل نے شہید کیا۔ یہ ہر وقت ان کی جان کے پیچھے پڑا رہتا۔ اور بڑی بے دردی سے ستاتا۔ چنانچہ ایک روز انھیں جوش آگیا۔ اور گفتگو کا لہجہ ذرا سخت ہو گیا۔ اب کیا تھا، ابو جہل غصہ سے بے تاب ہو گیا۔ اتفاق سے اس وقت ہاتھ میں برچھی بھی تھی۔ کھینچ کر اس نے ایسا مارا کہ آپ کا دم نکل گیا۔ اس طرح اسلام میں سب سے پہلے شہادت کا شرف انہی کو نصیب ہوا۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو بھی ظالم لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں چھوڑ دیتے یا تپتی ہوئی زمین پر لٹا کر اتنا اتنا مارتے کہ وہ بے ہوش ہو جاتے لیکن اس مار پیٹ اور دھوپ کی سختی سے ایمانی گرمی میں کوئی کمی نہ ہوتی۔

انہی جواں مردوں میں حضرت خباب بھی تھے۔ یہ اُمِّ اَنمار کے غلام تھے۔ اُمِّ اَنمار روز لوہے کی سلاخیں گرم کرتی اور ان کے سر پر رکھ دیا کرتی۔ اس کے علاوہ اور نہ جانے ان پر کیا کیا ستم ہوتے۔ حد یہ ہے کہ ایک دن کوئلے دھکائے گئے، اور وہ ان پر چت لٹا

www.quranurdu.com

دیے گئے، اور اسی حال میں کوئلے ٹھنڈے ہو گئے۔ تاب نہ لا کر حضرت خباب نے ان بے دردیوں کی فریاد رحمتِ عالم سے کی تو آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی: ''خدایا! خباب کی مدد کر۔''

چنانچہ دعا رنگ لائی اور اُمِّ اَنمار کے سر میں کوئی بیماری ہو گئی۔ حکیموں نے اس کا علاج کیا بتایا۔۔۔۔! گرم سلاخوں سے وہ سر کو داغا کرے۔ چنانچہ حضرت خباب لوہے کی سلاخیں گرم کرتے، اور پھر اس کا سر داغتے۔

انہی جواں مردوں میں ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ حبشہ کے رہنے والے تھے۔ اور خلف کے بیٹے امیہ کے غلام تھے۔ امیہ ان کا کھانا پانی سب بند کر دیتا۔ پھر جب بھوک پیاس سے وہ بے قرار ہو جاتے اور ٹھیک دوپہر ہو جاتی، تو وہ تپتی ہوئی چٹانوں پر انھیں چت لٹا دیتا اور چھاتی پر بہت بھاری پتھر رکھوا کر کہتا:

''یا تو محمد کا ساتھ چھوڑو، اور لات و عزّٰی کو پوجو ورنہ اسی طرح ایڑیاں رگڑتے رہو۔''

حضرت بلال یہ سارے مظالم سہتے اور اس وقت بھی زبانِ مبارک پر یہ الفاظ ہوتے:

اَحَدٌ ! اَحَدٌ ! !

''ایک ہے، بس ایک ہے۔''

وہ تو ایمان کے نشہ میں چور تھے، اور وہ نشہ ایسا نہ تھا، جو ان تلخیوں سے اتر جاتا۔ چنانچہ جوش کے عالم میں وہ بار بار یہی الفاظ دہراتے۔

رحمتِ عالم کا گزر ہوتا، تو ان کی یہ مظلومی دیکھ کر تڑپ اُٹھتے، اور بہت ہی درد بھرے لہجہ میں فرماتے:

''بلال! گھبراؤ نہیں۔ اَحَد، اَحَد جلد ہی نجات دے گا۔''

ورقہ بن نوفل کا گزر ہوتا تو وہ کہتے:

''بلال! بخدا وہ ایک ہی ہے۔ ہاں، وہ ایک ہی ہے۔''

پھر وہ ظالموں کی طرف متوجہ ہوتے اور کہتے:

''خدا کی قسم! اگر تم لوگوں نے اِسی طرح اس کی جان لے لی، تو میں اس کی قبر کو زیارت گاہ بناؤں گا۔''

غرض حضرت بلال رضی اللہ عنہ یہ سختیاں جھیلتے رہے اور صبر کرتے رہے بالآخر ایک دن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ امیّہ کے پاس گئے اور بولے:

''ارے تجھ کو ذرا بھی خدا کا ڈر نہیں کہ اس بیچارے کو مارے ڈال رہا ہے؟''

وہ بولا: '' تم نے ہی تو اس کو بگاڑا ہے۔ اب تم ہی بچاؤ بھی۔''

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میرے پاس ایک مشرک غلام ہے۔ تو اُسے لے لے۔ اور اسے مجھے دے دے۔''

وہ بولا: ''چلو، منظور ہے۔ لے جاؤ اسے۔''

اس طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنا غلام اُمیّہ کو دے دیا۔ اور اس سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو لے کر آزاد کر دیا۔

www.quranurdu.com

صرف حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہی نہیں۔ اور نہ جانے کتنے غلام تھے، جو مسلمان ہو گئے تھے۔ اور اس جرم میں بے رحم آقاؤں کی سفاکیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان مظالم کو دیکھ دیکھ کر تڑپ اُٹھتے۔ آخر ان سے رہ نہ گیا۔ اور سب کو خرید خرید کر انھوں نے آزاد کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک دن اُن کے باپ نے کہا:

"بیٹے! تم تو بہت کمزور کمزور غلام آزاد کر رہے ہو۔ ذرا ایسے غلام آزاد کرو، جو بہادر اور طاقت ور ہوں۔ کہ وقت پڑے، تو کچھ کام بھی آ سکیں۔ اور مصیبت میں تمہاری مدد کر سکیں۔"

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "ابا جان! میرا مقصد تو صرف اللہ کو خوش کرنا ہے۔"

بارگاہِ خداوندی میں یہ بات بہت پسند آئی اور وحی ہوئی:

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى o اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى o وَلَسَوْفَ يَرْضٰى o

(اللیل:19-21)

"اور کسی کا اس کے ذمہ کوئی احسان نہیں ہے، جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو۔ اسے بس اپنے بلند و برتر رب کی خوشی حاصل کرنی ہے اور وہ جلد ہی راضی ہو جائے گا۔"

=================

ابو جہل پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے میں ذرا بھی نرم نہ پڑا۔ وہ موقع بہ موقع دل کا بخار نکالتا رہا۔

نبوت کا چھٹا سال تھا۔ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اس کا گزر ہوا۔ دیکھتے ہی وہ گالیاں دینے لگا۔ اور جتنا برا بھلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہہ سکتا تھا، کہتا رہا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس سے منہ نہ لگے۔ منہ لگنا تو درکنار آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ بھی نہ ہوئے۔ یہ بات اس کو اور کھل گئی۔ اور وہ غصہ سے بیتاب ہو گیا۔ چنانچہ جھک کر اس نے زمین سے مٹھی بھر کنکری اٹھائی۔ اور روئے مبارک پر پھینک ماری۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیر تک صلوٰتیں سناتا رہا۔ اور منہ میں جو کچھ آتا رہا، بکتا رہا۔

وہیں ایک لونڈی کھڑی یہ سب دیکھ رہی تھی۔ یہ عبد اللہ تیمی کی لونڈی تھی۔ ہاں، وہی عبد اللہ تیمی جو آپ کے یارِ غار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا چچازاد بھائی تھا۔ قریش کے سرداروں میں اس کا شمار تھا۔ اور بہت ہی دولت مند رئیس تھا۔ مگر عیاشی اور بدکاری میں طاق تھا۔ باندیاں خرید خرید کر رکھتا اور اُن سے بدکاری کراتا۔

رسولِ خدا سے دشمنِ خدا کا یہ سلوک! اس لونڈی کا دل بھر آیا۔ کیونکہ اسلام سے اُس کو بڑی محبت اور حضور سے بے پناہ الفت تھی۔ اگرچہ لوگ اس بات سے بے خبر تھے اور اُس نے بھی کسی کو بتایا نہیں تھا کیونکہ اسے خطرہ تھا کہ آقا اگر جان گیا تو مارتے مارتے بے دم کر دے گا۔

شام کو اُسے پیروں کی چاپ سنائی دی۔ یہ چاپ ابو قیس نامی پہاڑ کی طرف سے آ رہی تھی۔ دیکھا تو ایک آدمی چلا آ رہا تھا۔ قد درمیانہ تھا۔ آنکھیں سیاہ تھیں۔ کاندے چوڑے چوڑے تھے۔ چہرے سے وقار اور ہیبت ٹپک رہی تھی۔ کمر میں تلوار بندھی تھی۔ اور گردن سے کمان لٹک رہی تھی۔ پشت پر ترکش بھی تھا۔ وہ کون تھا؟ شیرِ قریش۔۔۔۔ حمزہ رضی اللہ عنہ تھا۔ ہاں وہی حمزہ جو عبد المطلب کا بیٹا اور حضور کا

www.quranurdu.com

چچا تھا۔ایک رشتہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ کا بیٹا تھا۔اور دودھ شریک بھائی بھی تھا وہ شکار سے واپس ہوا تھا۔اور کعبہ کا طواف کرنے جارہا تھا۔اس کا ہمیشہ یہی معمول تھا۔شکار سے واپس ہو کر سب سے پہلے وہ کعبہ جاتا۔وہاں پہنچ کر طواف کرتا اور پھر گھر واپس آتا۔

حمزہ قریب ہوا تو لونڈی بولی:

''ابو عمارہ! کیا آپ لوگوں میں غیرت نام کو نہ رہی کہ بنی مخزوم کے غنڈے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی آزادی سے ستا رہے ہیں!''

حمزہ چلتے چلتے رک گیا اور بڑی حیرانی سے اس نے پوچھا: ''عبد اللہ کی لونڈی! تو کیا کہہ رہی ہے؟''

لونڈی نے جواب دیا:

'' میں کیا بتاؤں، آج تمہارے بھتیجے پہ کیا بیتی! محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہیں پر تھے کہ اتنے میں کہیں سے ابو جہل بھی آگیا۔آتے ہی اُس نے وہ وہ گالیاں دیں کہ میں تو سر پیٹ کے رہ گئی پھر اسی پر بس نہ کیا۔ مٹھی بھر کنکری بھی اس نے ان کے منہ پر پھینک ماری۔

حمزہ نے کہا: ''کیا یہ آنکھوں دیکھی بات ہے؟''

لونڈی بولی: ''ہاں، ہاں، میری ان آنکھوں نے دیکھا ہے۔اور میرے ان کانوں نے سنا ہے۔''

یہ سننا تھا کہ حمزہ غصہ سے لال ہو گیا۔ چنانچہ لپک کر وہ کعبہ گیا۔اور آج کسی سے کوئی بات چیت نہ کی۔ سلام تک نہ کیا۔ پہنچتے ہی وہاں ابو جہل پر نظر پڑ گئی۔ جو لوگوں کے درمیان بیٹھا تھا۔ حمزہ رضی اللہ عنہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔اور کمان سنبھال کر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ اب کیا تھا۔ خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ اور پورا چہرہ لہولہان ہو گیا۔ پھر حمزہ رضی اللہ عنہ نے پھٹکارتے ہوئے کہا:

'' وہ میرا بھتیجا ہے۔ جسے تو نے بے وارث سمجھ رکھا ہے۔۔۔۔وہ میرا بھتیجا ہے، جس کا چہرہ گالیاں اور پتھر کھانے کے لیے نہیں ہے۔''

حمزہ رضی اللہ عنہ بہت بارعب آدمی تھا۔اس کے غصہ سے ہر ایک کانپتا تھا۔ وہ بگڑ جاتا تو کوئی بول نہ سکتا تھا۔اس لیے ابو جہل نے اس خطا کو خوشنما بناتے ہوئے کہا:

''صاحب! اس نے تو ہم کو اُلو سمجھ لیا ہے۔ جو چاہتا ہے، بک دیتا ہے۔ کبھی ہماری عقلوں پر چوٹیں کرتا ہے اور کبھی باپ دادا کے خلاف آواز اٹھاتا ہے۔اس پر بھی بس نہیں۔ وہ ہمارے دیوتاؤں تک کو نہیں بخشتا۔ پھر ہمارے جتنے لونڈی غلام ہیں۔ان سب کو وہ بہکاتا ہے۔''

حمزہ رضی اللہ عنہ بولا:

'' تم سے زیادہ نادان ہے بھی کون، کہ اللہ کو چھوڑ کے بے جان مورتیوں کو پوجتے ہو! سن لو، میں بھتیجے کے ساتھ ہوں۔اب اسلام ہی کے لیے میرا جینا ہے اور اسلام ہی کے لیے میرا مرنا ہے۔''

چونکہ ابو جہل قبیلہ بنی مخزوم سے تھا اور وہاں اس قبیلہ کے بھی کچھ لوگ موجود تھے۔اس لیے فوراً وہ ابو جہل کی مدد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔اور بولے:

''حمزہ! معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے دین سے پھر گئے اور کسی اور کے چکر میں آگئے۔''

حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

www.quranurdu.com

''جب اس کا حق ہونا مجھ پر واضح ہو گیا، تو پھر کیوں نہ مانوں؟ سن لو، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو کچھ وہ کہتے ہیں، بالکل حق ہے! خدا کی قسم! اب میں اس سے نہیں پھر سکتا۔ ہاں اگر تم سچے ہو، اور کچھ بل بوتہ رکھتے ہو تو روک کر دیکھ لو۔''

ابو جہل نے حمزہ رضی اللہ عنہ کا یہ غصہ دیکھا تو وہ ڈرا اور سمجھ گیا کہ اس کا انجام اچھا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ساتھیوں سے وہ بولا:

''ہٹاؤ، جانے دو، میں نے واقعی محمد پر بڑا ظلم کیا۔''

اس طرح حمزہ نے بھرے مجمع میں اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور پوری بے باکی سے کہہ دیا کہ میرا وہی دین ہے، جو محمد کا ہے۔

مگر پھر لوٹ کر جب گھر آئے تو فکر مند ہوئے کہ:

'' کیا میں جو کچھ کہہ کے آیا ہوں، صحیح ہے؟ کہیں میں نے غلط بات کا تو اعلان نہیں کیا؟ کہیں میں جذبات کی رَو میں تو نہیں بہہ گیا؟''

اسی طرح وہ سوچتے رہے اور سوچتے رہے، یہاں تک کہ آنکھوں آنکھوں میں رات کٹ گئی۔ وہ پوری رات جاگتے رہے، اور دعا کرتے رہے:

''خدایا! مجھ کو سیدھا راستہ دکھا۔ میرے دل کو قرار عطا فرما۔''

پھر صبح ہوئی تو انھیں ایسا معلوم ہوا، گویا سینہ کے پٹ کھل گئے۔ دل کو پورا اطمینان ہو گیا اور باطن نورِ یقین سے جگمگا اُٹھا۔ چنانچہ وہ دوڑے ہوئے بھتیجے کے پاس آئے اور اپنے مسلمان ہونے کی خوش خبری سنائی۔ نیز مرتے دم تک دین کے لیے جان لڑانے کا عہد کیا۔

حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے سے ایوانِ کفر میں زلزلہ آ گیا۔ کیونکہ باطل ایک بہت بڑے بہادر اور جانباز سپاہی سے محروم ہو گیا۔

حمزہ کے ایمان لانے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی خوشی ہوئی؟ اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ لوگوں نے دیکھا کہ اس وقت چہرۂ مبارک گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا، اور چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ نیز اسی موقع پر بے اختیار آپ کی زبان سے نکلا:

''خدایا! حمزہ رضی اللہ عنہ کو ثابت قدم رکھ۔''

کیونکہ حمزہ رضی اللہ عنہ قریش کے سب سے بڑے پہلوان تھے۔ ان کی بہادری کا ہر طرف چرچا تھا۔ ہر چھوٹا بڑا ان سے دبتا تھا۔ اس طرح ان کا مسلمان ہونا اسلام کے دورِ اقبال کا آغاز تھا۔ پھر اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بھی فرمائی:

''خدایا! عُمر اور عَمرو میں جو تجھے زیادہ محبوب ہو، اس سے اسلام کی مدد فرما۔''

عُمر خطاب کا بیٹا تھا۔ اور عَمرو (ابو جہل) ہشام کا۔ یہ دونوں بھی قریش کے بہت ہی طاقتور اور بااثر سردار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا تھی۔ کہ ان دونوں میں سے کوئی مسلمان ہو جائے کہ اسلام کی شوکت دوبالا ہو جائے۔

==========

مسلمان رفتہ رفتہ بڑھ رہے تھے۔ اس سے قریش بہت پریشان اور فکر مند تھے۔ لیکن حضرت حمزہ کا اسلام لانا تو ان کے لیے ایک عظیم سانحہ اور ان کی عزت و اقتدار کے لیے کھلا ہوا خطرہ تھا۔ چنانچہ جس نے بھی یہ خبر سنی، سر پیٹ کے رَہ گیا اور غم و غصہ سے دیوانہ ہو گیا۔ ہر طرف مایوسی پھیل گئی اور ہر طرف بے قراری اور اُداسی چھا گئی۔ اب جہاں بھی دو آدمی جمع ہوتے، اسی کا رونا روتے اور اسی پر رنج و غم کا اظہار کرتے۔

www.quranurdu.com

ایک روز کا واقعہ ہے۔ قریش جمع تھے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر چھڑا تھا۔ اور وہی اپنی بے بسی کا رونا تھا کہ عُتبہ بن رَبیعہ۔۔۔ قریش کا ایک بڑا سردار بولا:

''بھائیو! کیا میں جاؤں، اور محمد سے گفتگو کروں؟ میرا خیال ہے کہ اس کے سامنے کچھ باتیں رکھوں، ہو سکتا ہے کوئی بات وہ مان لے۔ اور سر سے یہ بلا ٹل جائے۔''

سب نے کہا: ''ضرور جاؤ۔ ضرور جاؤ ابوالولید! جا کر اس کو کسی طرح راضی کرو۔''

چنانچہ عُتبہ اُٹھ کر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور بولا:

'' بھتیجے! تمھیں معلوم ہے کہ تم کتنے اونچے خاندان کے فرزند ہو۔ ہمارے دل میں تمھارا کیا مقام ہے؟ اس سے بھی خوب واقف ہو، مگر تم نے تو بہت بُری آواز اُٹھائی ہے۔ دیکھ رہے ہو۔ پوری قوم تتّر بتّر ہو گئی۔ اور سارا نظام درہم برہم ہو گیا۔ اچھا سنو، میں کچھ باتیں رکھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی بات دل کو لگ جائے اور تم اپنا یہ کام چھوڑ دو۔''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، ہاں، کہیے ابوالولید! میں خوشی سے سنوں گا۔''

عتبہ بولا:

'' بھتیجے! قوم میں پھوٹ ڈالنے سے کیا فائدہ؟ دولت چاہتے ہو، تو بتاؤ، تمھارے سامنے ہم دولت کے ڈھیر لگا دیں۔ سرداری کا شوق ہو تو تمھیں اپنا سردار بنا لیں۔ بادشاہت کی تمنا ہو، تو اس کے لیے بھی ہم تیار ہیں۔ پھر تمھارے بغیر کوئی فیصلہ نہ ہو گا۔ اور جو تم کہو گے، وہی ہو گا۔ اور اگر آسیب کا اثر ہو گیا ہے اور اس کے مقابلے میں تم بے بس ہو جاتے ہو، تو بتاؤ، ہم علاج کا اچھے سے اچھا انتظام کریں گے۔ اور جب تک اچھے نہیں ہو جاؤ گے پانی کی طرح دولت بہائیں گے۔''

اس طرح عُتبہ وہیں باتیں کرتا رہا، جو اس سے پہلے لوگ کر چکے تھے۔ پھر عُتبہ اپنی بات سے فارغ ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابوالولید! ذرا سنیے، میں بھی کچھ سناتا ہوں۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ سجدہ کی تلاوت کی۔ عُتبہ پوری توجہ سے سنتا رہا۔ اور کئی جگہ تو اس کا دل دَہل دَہل گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت سے فارغ ہوئے، تو وہ اٹھا۔ اور قریش کی طرف لوٹ پڑا۔ لیکن اب اُس کی رائے پہلی جیسی نہ تھی۔ اب اس کے دل کی دنیا بدل چکی تھی۔ چنانچہ ساتھیوں کی نظر پڑی، تو انھوں نے دُور ہی سے کہا:

''خدا کی قسم! یہ وہ چیز نہیں، جو یہاں سے لے کر یہ گیا تھا۔''

پھر وہ قریب ہوا تو سب نے پوچھا: ''کہو ابوالولید! کیا رہا؟''

ابوالولید بولا: ''خدا کی قسم! میں نے شاعروں کے قصیدے سنے ہیں۔ کاہنوں کے بھی کلام سنے ہیں۔ لیکن یہ چیز ہی اَور ہے۔ اس جیسی چیز تو میرے کانوں نے اب تک نہ سنی۔ بھائیو! میری بات مان لو اور جو کچھ وہ کرتا ہے، کرنے دو۔ اس کو عرب پر چھوڑ دو۔ اگر وہ غالب آ گئے تو تمھارا مقصد حاصل ہے بھائی کے خون میں ہاتھ رنگنے سے بھی بچ جاؤ گے۔ اور اگر وہ اس کے سامنے جھک گئے تو اس کی عزت تو تمھاری عزت ہے۔ اس کی طاقت تو تمھاری طاقت ہے۔''

قریش بولے: ابوالولید!۔۔۔ خدا کی قسم۔۔۔ تم بھی اس کے جادو سے بچ نہ سکے۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

عُتبہ نے کہا: ''میں نے جو سمجھا، کہہ دیا۔ اب تمہارا جو دل چاہے، کرو''

قریش کسی کو قرآن گنگنا تا سن لیتے، تو بہت ستاتے، اور مذاق اُڑاتے۔ کسی کو نماز پڑھتا دیکھ لیتے، تو آوازے کستے اور قہقہہ لگاتے۔ صرف ہٹ دھرمی اور دشمنی کے مارے۔ ورنہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں جاننے کا انھیں بہت شوق تھا۔ نیز قرآن کی آیتیں سننا بھی انھیں بہت مرغوب تھا۔ ہاں، تو مسلمان ان سے بہت بچتے تھے۔ قرآن پڑھنا ہوتا تو چھپ کر پڑھتے اور کچھ یاد کرنا ہوتا تو ہلکی آواز سے کرتے۔ پھر ایک روز کسی نے کہا:

''قرآن بہت ہلکی آواز سے پڑھا جاتا ہے۔ قریش نے تو کبھی اسے سنا تھا وہ کیا جانیں، اس کے جمال و جلال کا عالم؟! ہے کوئی جو اس کی ہمت کرے؟ ہے کوئی جو انھیں جا کر قرآن سنائے؟''

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور کے ایک مخلص سا تھی تھے اور بہت پہلے اسلام لائے تھے۔ وہ بولے: ''میں جاتا ہوں۔''

لوگوں نے کہا: ''عبداللہ رضی اللہ عنہ! ہمیں تمہارے بارے میں خطرہ ہے۔ کوئی ایسا آدمی ہو، جس کا وہاں قبیلہ بھی ہو، کہ مشرک حملہ کریں، تو اس کو وہ بچا سکے۔''

عبداللہ رضی اللہ عنہ بولے: ''جانے دو۔ اللہ مجھے بچائے گا۔''

چنانچہ وہ اُٹھے۔ اور ٹھیک دوپہر میں خانہ کعبہ آئے۔ قریش بھی اس وقت وہیں جلسہ جمائے بیٹھے تھے۔ مقامِ ابراہیم کے پاس وہ پہنچے تو بآوازِ بلند کہا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ، اَلرَّحۡمٰنُ ، عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ (الرحمن)

پھر وہ سورہ رحمن پڑھنے لگے۔ اب لوگ ابن مسعود کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ہر ایک دوسرے سے پوچھنے لگا:

''ابن اُمِّ مَعبد (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کیا کہہ رہا ہے؟!''

کسی نے کہا: ''یہ تو شاید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔''

اب کیا تھا۔ سارے مشرک ان پر ٹوٹ پڑے۔ اور بے تحاشا منہ پر طمانچے برسانے لگے۔ مگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ذرا بھی پروا نہ کی۔ مار پڑتی رہی اور وہ بلند آواز سے قرآن پڑھتے رہے پھر جی بھر کے جب سنا لیا۔ تو لوٹ کر ساتھیوں میں آئے۔ چہرہ اس وقت بالکل لہولہان تھا۔ لوگوں نے دیکھتے ہی کہا:

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ! ہم کو اس کا تو ڈر تھا۔''

وہ بولے: ''خدا کے دشمن آج سے زیادہ مجھے کبھی کمزور نہیں نظر آئے۔ کہو تو کل پھر اسی طرح سنا آؤں۔''

ساتھیوں نے کہا: ''رہنے دو۔ اتنا کافی ہے۔ جس چیز سے انھیں چڑ تھی، ان کے کانوں میں وہ پڑ چکی۔''

قرآن ۔۔۔۔ ہاں، یہی قرآن، جس سے قریش کو اتنی چڑ تھی، اسے سننے کے لیے بھی وہ بے قرار رہتے۔ اور ساتھیوں سے چھپ چھپ کے اسے سنا کرتے۔ ہر ایک کو شوق تھا کہ ذرا محمد کا کلام سنیں۔ اور دیکھیں وہ کیسا کلام ہے۔ جس کے سامنے شاعروں کی شاعری پھیکی پڑ گئی۔ کاہنوں کا کلام ماند پڑ گیا اور جو جادوگروں سے بھی نمبر لے گیا۔

www.quranurdu.com

چنانچہ جب رات کی تاریکی پھیل جاتی۔اور ہر طرف سناٹا چھا جاتا۔تو قریش کے بڑے بڑے سردر حجرۂ مبارک کا رخ کرتے۔اور وہاں قریب ہی کہیں دبک کر بیٹھ جاتے۔خاموشی اور سکون کا وقت ہوتا۔اس سکون میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مصروف ہو جاتے۔بہت ہی میٹھی آواز سے قرآن پڑھتے اور خوبصورتی کے ساتھ اسے بار بار دہراتے۔یہ لوگ خاموشی سے بیٹھے سنا کرتے،پھر فجر طلوع ہونے کو ہوتی،تو دبے پاؤں گھر لوٹ آئے اس طرح رات کے پردہ ہی میں یہ سب ہو جاتا اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی۔حتیٰ کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بے خبر رہتے۔

ایک دن کی بات ہے،ابو جہل،ابو سفیان اور اَخنس اپنے اپنے گھروں سے نکلے۔ہر طرف اندھیرا اور سناٹا تھا ہی۔یہ تینوں حجرۂ مبارک کے پاس آئے۔اور قریب ہی چھپ چھپ کے بیٹھ گئے۔

تینوں اپنے اپنے گھروں سے چلے۔مگر چونکہ رات اندھیری تھی۔کوئی کسی کو دیکھ نہ سکا۔پھر وہاں پہنچے،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھ رہے تھے۔انتہائی رسیلی اور پیاری آواز سے جو کانوں کو بہت بھلی لگ رہی تھی۔چنانچہ ہر ایک قریب ہی دبک کر بیٹھ گیا اور سمجھتا رہا،میں یہاں تنہا ہوں پھر صبح ہونے کو ہوئی،توسب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ پڑے۔خدا کا کرنا ایسا کہ راستہ میں ایک جگہ آکر تینوں مل گئے اور ایک دوسرے کا ارادہ تاڑ گئے۔اب تینوں اپنی غلطی پر شرمندہ ہوئے۔اور ہمیشہ کے لیے کان پکڑ لیے۔ہر ایک نے کہا:

''اگر کسی نے دیکھ لیا،تو پھر بڑا غضب ہو جائے گا۔ہمارا سارا کھیل بگڑ جائے گا۔اور محمد کے لیے میدان صاف ہو جائے گا۔''

مگر دوسری رات آئی،تو ابو جہل پھر حجرہ مبارک کے پاس جا کر دبک گیا اور قرآن سننے لگا۔وہ سوچ رہا تھا کہ آج تو وہ دونوں آئیں گے نہیں۔

کچھ دیر بعد ابو سفیان بھی آ پہنچا اور وہ بھی قریب ہی دبک کر بیٹھ گیا۔اس کا بھی خیال تھا کہ آج تو وہ دونوں آئیں گے۔نہیں۔

کچھ ہی دیر بعد اَخنس بھی آ پہنچا اور وہ بھی کہیں قریب ہی بیٹھ گیا۔اس کا بھی خیال تھا کہ آج تو وہ دونوں آئیں گے نہیں۔

پھر صبح ہونے کو ہوئی،تو تینوں لوٹ پڑے۔مگر اتفاق سے آج بھی کی مڈبھیڑ ہو گئی۔چنانچہ وہ سب پھر شرمندہ ہوئے اور آئندہ کے لیے توبہ کی۔

تیسری رات آئی تو پھر ابو جہل نے حجرۂ مبارک کا رخ کیا۔اس نے سوچا کہ دونوں دو بار آئے۔اور ہر بار پکڑے گئے۔بھلا اب پھر یہ غلطی کیسے کر سکتے ہیں!

اس طرح ہر ایک نے یہی سوچا،اور اور پھر جا پہنچا اور راستہ میں آج بھی مڈبھیڑ ہو گئی چنانچہ تینوں نے پھر اظہارِ شرمندگی کیا اور پھر ان میں نیا عہد و پیمان ہوا۔ہر ایک نے پھر قسمیں کھائیں کہ اب کبھی نہیں آئیں گے۔

اس کے بعد صبح ہوئی تو اَخنس ابو سفیان کے پاس گیا۔بولا:''ابو حنظلہ! محمد کا کلام تم نے سن لیا۔اب بولو! اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

ابو سفیان نے کہا:''قسم ہے ابو ثعلبہ! کچھ تو ایسی چیزیں سنیں،جن کا مطلب سمجھ میں آتا ہے۔پتہ چلتا ہے کہ ان سے کیا مراد ہے۔لیکن کچھ ایسی باتیں بھی ہیں۔جن کا مدعا ہی نہیں کھلتا۔سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ ان سے کیا مراد ہے؟''

اَخنس بولا:''خدا کی قسم! اپنا بھی یہی حال ہے۔''

پھر وہ ابو جہل کے پاس آیا اور اس سے بھی یہی سوال کیا۔ابو جہل نے کہا:

''کچھ سنا تم نے؟ ہم اور عبد مناف ہمیشہ نیک نامی میں برابر رہے۔کوئی بھی ایسا کام نہیں،جو انھوں نے کیا اور ہم نے چھوڑ دیا۔ہر موقع پر ہم ان کے دوش بدوش رہے۔اور ہر میدان میں ان کے حریف رہے۔یوں سمجھ لو،ہم دونوں مقابلہ کے دو گھوڑے تھے۔

www.quranurdu.com

اب آج وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اندر ایک نبی ہے اور اس کے پاس وحی آتی ہے۔ بتاؤ، اب اس چیز میں ہم ان کو کہاں پا سکتے ہیں؟ خدا کی قسم! ہم تو قیامت تک ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کی بات بھی نہیں مانیں گے۔"

اللہ اللہ! یہ کینہ اور حسد!

وہ جانتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں بالکل سچ ہیں۔ انھیں یقین تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچ مچ اللہ کے رسول ہیں۔ آسمانی بادشاہ کی طرف سے آپ پر وحی آتی ہے۔ لیکن دشمنی میں وہ اندھے ہو گئے تھے اور حسد کی آگ میں جل رہے تھے۔ ادھر شیطان بھی ان کی خوب پیٹھ ٹھونک رہا تھا۔

وہ چاہتے تھے کہ جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا ہے، ہم کو بھی مل جائے اور جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی آنے لگے تاکہ شرفِ نبوت میں ہم آلِ مطلب سے پیچھے نہ رہیں۔

ولید بن مغیرہ تو کھلم کھلا کہتا: "کیا میرے ہوتے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آسکتی ہے؟ حالانکہ میں تو قریش کا سردار ہوں۔ سب کی نظروں میں قابل احترام ہوں۔ کیا ابو مسعود۔۔۔ ثقیف کا سردار بھی چھوڑ دیا جائے گا؟"

کتنی عجیب بات ہے۔۔۔! یہ لوگ نبوت کو آپ ہی تقسیم کرنا چاہتے تھے، حالانکہ روزی تک تو اللہ نے خود تقسیم کی ہے!

قریش میں ایک بہت بڑا شیطان تھا نضر بن حارِث۔ اس نے قسم کھائی کہ ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ڈٹا رہے گا۔ لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اُکساتا رہے گا۔ اور ذرا بھی رواداری کو راہ نہ دے گا۔ یمن کا ایک مشہور شہر ہے حیرہ نضر وہاں بھی جا چکا تھا اور وہاں اس نے شاہانِ فارس کے قصے بھی پڑھے تھے۔ اور علماء اور حکماء کی صحبتیں بھی اُٹھائی تھیں چنانچہ یہ سایہ کی طرح آپ کے پیچھے لگا رہتا اور جہاں کہیں دیکھتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اسلام کی دعوت دے رہے ہیں یا کفر کے بُرے انجام سے ڈرا رہے ہیں۔ یا عبرت کے لیے پچھلی قوموں کے واقعات سنا رہے ہیں اور اس طرح ان کے دلوں کو نرم کرنا چاہتے ہیں۔ تو جھٹ یہ بھی وہیں پہنچ جاتا۔ پھر جب آپ وہاں سے چلے جاتے تو لوگوں سے کہتا:

"بھائیو! میں تو اس سے اچھی باتیں کر سکتا ہوں۔ لو، سنو، میں سناتا ہوں۔"

پھر وہ انھیں ایران کے واقعات سناتا۔ وہاں کے بادشاہوں کے قصے سناتا۔ وہاں کے مذاہب وادیان کے تذکرے کرتا۔ اور نہ جانے کیسی کیسی دلچسپ اور خیالی داستانیں سناتا۔ پھر کہتا:

"محمد مجھ سے زیادہ خوش کلام کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا میری ہی طرح وہ بھی پچھلوں کی داستانیں نہیں سناتا؟"

اس طرح سارے لوگ الجھن میں پڑ جاتے۔ کون حق پر ہے؟ اور کون باطل پر؟ کون ہمارا خیر خواہ ہے؟ اور کون بدخواہ؟ یہ فیصلہ کرنا ان کے لیے دشوار ہو جاتا۔

نضر کی سرکشی پورے عروج پر تھی۔ اسی زمانہ میں ساتھیوں نے اس سے کہا:

"ابو مُعیط کے بیٹے عقبہ کو اپنے ساتھ لے لو۔ اور مدینہ جا کر یہودی عالموں سے ملو۔ اور ان سے محمد کی ساری باتیں بیان کرو۔ نیز پوچھو کہ اس سلسلہ میں ان کا کیا خیال ہے کیونکہ وہ لوگ اہل کتاب ہیں۔ نبیوں کا علم ان کے پاس ہے وہ زیادہ بہتر بتا سکتے ہیں۔"

چنانچہ نضر اور عقبہ یہودی عالموں کے پاس گئے اور ان سے اپنے آنے کی غرض بتائی ساری باتیں سن کر یہودیوں نے کہا:

www.quranurdu.com

'' پچھلے زمانہ میں کچھ جوان تھے۔ان کی داستان بڑی عجیب و غریب ہے۔ذرا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو، دیکھو، ان کے متعلق کچھ بتاتے ہیں۔ایک آدمی اور گزرا ہے اس نے زمین کا چپہ چپہ چھان مارا۔ محمد سے پوچھو کہ اس کے متعلق بھی جانتے ہیں؟ نیز یہ بھی پوچھو کہ یہ قرآن وہ لاتے کہاں سے ہیں؟ اگر یہ تینوں باتیں وہ بتادیں، تو سمجھ لو کہ وہ سچے پیغمبر ہیں۔ ورنہ جھوٹے ہیں۔اور پھر جو جی میں آئے کرو۔''

اس کے بعد وہ دونوں لوٹ کر مکہ آئے۔قریش کو انتظار تو تھا ہی۔دیکھتے ہی انھوں نے پوچھا کہو بھائیو! کیا رہا؟

اب یہودیوں سے جو بات چیت ہوئی تھی۔سب ان دونوں نے دہرا دی۔

پھر کچھ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ہی سوالات کیے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مہلت چاہی اور وحی کا انتظار کرنے لگے۔ مگر کچھ زیادہ وقفہ نہیں گزرا کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی ساری باتیں بتادیں۔ جوانوں کا قصہ بھی بتایا جو سورۂ کہف میں موجود ہے۔پھر تیسرے سوال کے بارے میں فرمایا:

'' انھیں بتادو کہ یہ وحی میرے رب کے حکم سے آتی ہے۔ مگر تم لوگ انسانی کلام اور آسمانی کلام میں تمیز ہی نہیں کر پاتے اور شبہ کرتے ہو، کہ یہ انسانی کلام ہے اور کوئی انسان اسے گھڑا کرتا ہے۔وجہ صرف یہ ہے کہ تم علم سے محروم اور بصیرت سے کوسوں دُور ہو۔''

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل:85)

'' اور یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو یہ رُوح میرے رب کے حکم سے آتی ہے۔ مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے۔''

اس وقت پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوڑے ہوئے مشرکوں کے پاس آئے اور اُن کو سوالات کے جواب بتائے کہ شاید وہ ایمان لے آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مان لیں۔ لیکن یہاں تو دل ہی سیاہ ہو چکے تھے۔ چنانچہ وہ لوگ ذرا بھی نرم نہ پڑے۔ نرم پڑنا تو درکنار۔اور ہٹ دھرمی پر اُتر آئے۔ چنانچہ نضر بولا:

''بھائیو! رُکو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی باتیں ابھی میں تمھیں سناتا ہوں۔''

ایک دوسرے نے کہا:''اس قرآن کو سنو ہی نہیں۔ یہ تو بالکل پاگل کی بکواس ہے اور جتنا ہو سکے، اس کا مذاق اڑاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم قابو میں آجائے۔

ابو جہل بولا:''کیا محمد کی باتوں سے تم ڈرتے ہو؟ ہو سکتا ہے کہ آگ میں جلائے جاؤ گے اور اللہ کے انیس سپاہی ہیں۔ وہ نکل بھاگنے نہیں دیں گے۔ تو کیا یہ بھی کوئی ڈرنے کی بات ہے۔ کیا ہم میں کے سو بھی ایک کے لیے کافی نہیں ہوں گے۔''

اُف خدا کی پناہ! یہ ڈھٹائی! اور یہ سرکشی! حالانکہ خود ان کا ہی خیال تھا کہ ایک ہی فرشتہ ساری دنیا کو تہہ و بالا کر سکتا ہے۔

وَ مَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً وَّ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ (المدثر:31)

''اور ہم نے اس آگ پر رہنے والوں کو فرشتے ہی بنایا ہے اور ہم نے ان کی تعداد کو بس آزمائش بنا دی ہے، ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا۔''

==========

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

کالی گھٹائیں

www.quranurdu.com

- ہجرت حبشہ
- مشرکین کی تلملاہٹ
- مشرکین کا وفد نجاشی کے دربار میں
- دربار میں مسلمانوں کی حاضری
- حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی پر اثر تقریر
- نجاشی کا تاثر
- ایک شیطانی کانفرنس
- عمر۔ قتلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے سے
- فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سعید رضی اللہ عنہ کا جوشِ ایمان
- عمر رضی اللہ عنہ ، دربارِ رسالت میں
- عمر رضی اللہ عنہ کا ایمانی جوش وحمیّت
- مسلمانوں کا مکمل بائیکاٹ
- مسلمانوں کا غیر معمولی استقلال
- آلِ مطلب کی غیرت وحمیّت
- عہد نامہ چاک ہو گیا
- ابو طالب بستر موت پر
- چچا اور بھتیجے کی آخری گفتگو
- بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا جوارِ رحمت میں۔

اللہ کے لیے گھر بار چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جا بسنے کا نام ہجرت ہے۔ جب عرب کی زمین مسلمانوں کے لیے تنگ ہو گئی اور وہاں رہنا ان کے لیے بالکل ہی دوبھر ہو گیا، تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلص ساتھیوں سے فرمایا:

''خدا کی زمین بہت وسیع ہے۔ اپنے لیے اب کوئی اور جگہ تلاش کرو۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح ظالموں سے نجات مل جائے اور تم آرام سے زندگی بسر کر سکو۔''

ساتھیوں نے عرض کیا: ''اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بتائیں، ہم کہاں جائیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''حبشہ چلے جاؤ۔ وہاں کا بادشاہ بڑا ہی اِنصاف پسند ہے۔ کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا، لوگ وہاں بہت سُکھ چین سے رہتے ہیں!''

حبشہ افریقہ کا ایک مشہور ملک ہے جو عرب سے بہت قریب ہے۔ دونوں کے درمیان صرف ایک سمندر حائل ہے۔ جس کا نام بحر اَحمر ہے۔ وہاں کے بادشاہ کو نجاشی کہتے ہیں۔ اور وہ عیسائی مذہب کے پیرو تھے۔

رَجب کا مہینہ اور نبوت کا پانچواں سال تھا۔ اشارہ پاتے ہی بہت سے مسلمانوں نے حبشہ کا رخ کیا، اور دو، دو، چار، چار کر کے سب نے عرب کو خیر باد کہا۔ پھر حبشہ پہنچے تو نجاشی نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اپنے یہاں بڑی عزت سے بسایا اور ہر طرح کا آرام پہنچایا۔

قریش کو خبر ہوئی، تو وہ بہت جز بز ہوئے جیسے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

ایسا کیوں تھا؟ مسلمانوں نے ان کا کیا بگاڑا تھا؟ بے چاروں نے اپنا گھر بار ہی تو چھوڑا تھا۔ پھر ان کے چلے جانے سے قریش کو سکون بھی تو مل گیا تھا!

بات یہ تھی کہ قریش ان سے ڈرتے تھے۔ وہ سوچتے تھے کہ کہیں باہر سے ان کو مدد مل گئی تو۔۔۔۔ کیا بنے گا؟ تب تو ہم ان کے سامنے بے بس ہو جائیں گے، اور ان کے لیے میدان بالکل صاف ہو جائے گا۔ پھر تو ان کی آواز ہر طرف سے گونج اُٹھے گی اور جدھر دیکھو، اسلام ہی کا بول بالا ہو گا، اور۔۔۔۔۔ بتوں کے لیے قیامت آجائے گی۔

چنانچہ فوراً انھوں نے شاہِ حبشہ کے پاس دو سفیر بھیجے۔ ایک ابو ربیعہ کا بیٹا عبد اللہ تھا۔ اور دوسرا عاص کا بیٹا عمرو۔ یہ لوگ گئے تاکہ بادشاہ کے کان بھریں اور مسلمانوں کو پکڑ کر پھر اپنے یہاں لے آئیں بادشاہ کو لبھانے کے لیے وہ قیمتی تحفے بھی ساتھ لے گئے۔

حبشہ پہنچتے ہی وہ پہلے پادریوں سے ملے، کیونکہ اسکیم یہ تھی کہ پہلے انہی کو ہموار کیا جائے۔ چنانچہ اس غرض سے ان کو بھی کچھ تحفے دیے۔

پھر اس کے بعد دونوں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور بڑی نیاز مندی سے تحفے پیش کیے۔ پھر بولے:

بادشاہ سلامت! ہمارے یہاں سے کچھ مجرم بھاگے ہیں اور انھوں نے حضور کے یہاں پناہ لی ہے۔ جہاں پناہ! انھوں نے قومی دین سے بغاوت کی ہے اور حضور کا دین بھی نہیں اپنایا ہے۔ ایک نیا ہی دین لے کر وہ اٹھے ہیں، اس کو نہ ہم جانتے ہیں نہ حضور۔ گھر

www.quranurdu.com

گھرانہ والے بھی ان سے عاجز آ چکے ہیں۔ چنانچہ ان کو لینے ہی کے لیے انھوں نے ہمیں بھیجا ہے۔ وہ ان کی رگ رگ سے واقف ہیں اور ان کے عزائم کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔''

پادریوں نے بھی فوراً تائید کی اور پر زور انداز میں بولے:

''جہاں پناہ! یہ بالکل سچ کہتے ہیں۔ واقعی کچھ مجرم یہاں گھس آئے ہیں۔ انھیں ضرور ان کے حوالہ کر دیا جائے۔''

لیکن نجاشی نے انکار کیا، اس نے کہا:

''جن لوگوں نے ہمارے یہاں پناہ لی ہے۔ اور ہمارے پاس رہنا پسند کیا ہے۔ میں ان کی باتیں بھی سنوں گا۔ وہ جہاں کہیں بھی ہوں، حاضر کیے جائیں۔''

جب کہ یہی چیز تھی، جس سے قریشی سفیر سب سے زیادہ گھبرا رہے تھے۔ چنانچہ مسلمان حاضر ہوئے، تو بادشاہ نے پوچھا:

''سنا ہے کہ تم لوگوں نے قومی دین چھوڑ دیا، اور میرا دین بھی نہیں اپنایا اور جو دوسرے دین ہیں، ان سب سے بھی بیزار ہو۔ سنا ہے کہ تم لوگ کوئی نیا دین لے کر اُٹھے ہو آخر وہ کون سا دین ہے؟ کیا قصہ ہے؟''

ابو طالب کے بیٹے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، وہ سب کی طرف سے بولے:

''اے بادشاہ! ہم لوگ جاہل تھے۔ بت پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ طاقتور کمزوروں کو کھا جاتا۔ اتنے میں اللہ نے ہم میں ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھیجا۔ اُس رسول کے خاندان کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس کی سچائی اور پاکبازی سے بھی خوب واقف ہیں۔ اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سچے دین کی دعوت دی، اور اس نے کہا کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں، بے جان مورتیوں کو پوجنا چھوڑ دیں۔ سچ بولیں۔ ایماندار بنیں۔ صلۂ رحمی کریں۔ پڑوسیوں کو آرام پہنچائیں۔ ظلم سے باز آئیں۔ بدکاری چھوڑ دیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ شریف عورتوں پر تہمت نہ لگائیں۔ نماز پڑھیں اور خیرات دیں۔ چنانچہ ہم نے اس کو سچ جانا اور اس پر ایمان لے آئے۔ نیز اللہ کی طرف سے اس نے جو کچھ بتایا اسے جان و دل سے تسلیم کر لیا۔ بس یہی جرم ہے، جس پر قوم ناراض ہو گئی، اور ہم کو بے دردی سے ستانے لگی، تاکہ ہم اس دین سے توبہ کر لیں، اور پھر غلط راہوں میں بھٹکتے پھریں۔ جب ہم بالکل ہی تنگ آ گئے۔ اور وہاں سانس لینا دوبھر ہو گیا تو مجبوراً ہم نے آپ کے ملک میں پناہ لی کہ شاید یہاں چین نصیب ہو جائے اور ظلم و ستم کا سایہ سر سے ٹل جائے۔''

نجاشی بولا: ''اس پر جو کلام اُترا ہے، اُسے میں بھی سننا چاہتا ہوں۔ کیا تمہارے پاس کچھ موجود ہے۔''

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ تو موقع کی تلاش میں تھے ہی، انھوں نے انتہائی سوز کے ساتھ سورۂ مریم کی چند آیتیں سنا دیں۔ نجاشی پر ان آیتوں کا بہت اثر ہوا۔ چنانچہ اس پر رقت طاری ہو گئی اور آنکھوں سے بے تحاشا آنسو اُبل پڑے، وہ اتنا رویا کہ داڑھی بھیگ گئی۔ جتنے پادری وہاں موجود تھے ان سب کا بھی دل پگھل کر رہ گیا۔ اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ روتے روتے ان سب کی بھی داڑھیاں اور صحیفے تر ہو گئے۔ پھر نجاشی بولا:

''خدا کی قسم! یہ اور عیسیٰ کا کلام دونوں ایک ہی چشمہ کی شاخیں ہیں۔ اور ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔''

پھر اس نے قریش کے سفیروں سے کہا:

www.quranurdu.com

''واپس ہو جاؤ۔ بخدا اب یہ تمہارے ساتھ نہیں جائیں گے۔''

اس طرح اس کو مسلمانوں سے خاص ہمدردی ہو گئی اور ان کو ظالم دشمنوں کے حوالہ کرنا اس نے گوارا نہ کیا۔ قیمتی تحفوں کو اس نے نفرت اور حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اور سفیروں کی ایک بات بھی سننے کو تیار نہ ہوا چنانچہ وہ دونوں اپنا سا منہ لیے واپس آئے اور مسلمان حبشہ میں آرام و اطمینان سے رہتے رہے۔

==========

''اب تو مسلمان حبشہ میں امن سے ہیں۔ اب تو مسلمانوں کے زور پکڑنے کی راہیں کھل گئیں۔''

یہ سوچ کر مشرک سردار تڑپ تڑپ اُٹھتے۔

چنانچہ ایک دن وہ اکٹھا ہوئے اور آپس میں ایک کانفرنس کی مغیرہ کا بیٹا ولید صدر بنا۔ جو بہت ہی بوڑھا تھا اور پوری قوم میں ہر دلعزیز تھا پھر کانفرنس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات چھڑ گئی۔ ولید نے کہا:

''حج کے دن قریب آ گئے ہیں، اس لیے باہر سے اب وفد آئیں گے اور محمد کا تو چرچا ہے ہی۔ اس لیے اس کے بارے میں بھی وہ تحقیق کریں گے۔ لہٰذا آپس میں ایک بات طے کر لو اور سب مل کر وہی کہو۔ دیکھو، ایک دوسرے کی الٹی مت کہنا، ورنہ لوگ سمجھ جائیں گے کہ تم جھوٹے ہو اور پھر سارا کھیل بگڑ جائے گا۔''

قریش نے کہا: ''عبد شمس کے باپ! پھر ہمیں کوئی ایک بات بتا دیجیے کہ ہم سب وہی کہیں۔''

ولید بولا: ''نہیں، پہلے تم بتاؤ۔ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟''

قریش نے کہا: ''ہم کہیں گے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کاہن ہے۔''

ولید بولا: ''نہیں، خدا کی قسم وہ کاہن نہیں۔ ہم نے بہتیرے کاہن دیکھے ہیں۔ کاہنوں کے گیت اور ان کے کلام دوسرے ہی رنگ کے ہوتے ہیں۔

قریش نے کہا: ''تو ہم کہیں گے، وہ مجنوں ہے۔''

ولید بولا: ''نہیں، وہ مجنوں بھی نہیں۔ ہم نے جنون کو خوب دیکھا پہچانا ہے۔ اس کے اندر ایک بھی جنون کی علامت نہیں اور مجنونوں کی سی کوئی بھی کیفیت نہیں۔''

قریش نے کہا: ''تو ہم کہیں گے، وہ شاعر ہے۔''

ولید بولا: ''وہ شاعر بھی نہیں۔ ہم نے خوب خوب زمینِ شعر کی خاک چھانی ہے اور ہم ساری بحروں سے اچھی طرح واقف ہیں، اس کا کلا شعر نہیں ہو سکتا۔''

قریش نے کہا: '' تو ہم کہیں گے، وہ جادوگر ہے۔''

ولید بولا: ''وہ جادوگر بھی نہیں۔ ہم نے بہتیرے جادوگر دیکھے ہیں اور جادو کے بیسیوں کرتب بھی دیکھے ہیں۔ یہ جادوگروں کا ٹونا منتر نہیں معلوم ہوتا۔''

قریش نے کہا: ''(بہت حیرانی کے ساتھ) پھر! ہم کیا کہیں گے عبد شمس کے باپ؟''

www.quranurdu.com

ولید بولا: ''خدا کی قسم اس کے کلام میں بلا کی مٹھاس ہے۔ وہ گویا ایک ایسا درخت ہے جس کی جڑیں بہت گہری اور مضبوط ہیں اور شاخیں انتہائی میٹھے اور لذیذ پھلوں سے لدی ہیں، لہٰذا ان میں سے کوئی بات بھی کہی تو سارا پول کھل جائے گا اور جو سنے گا، سمجھ جائے گا کہ یہ پروپیگنڈا ہے۔ سب سے لگتی ہوئی بات یہ ہے کہ وہ ایک جادو گر ہے جو جادو اثر کلام لے کر آیا ہے۔ اور اس سے وہ باپ بیٹے، بھائی، بہن، بیوی، شوہر، اور خاندان، خاندان میں پھوٹ ڈال رہا ہے۔''

یہ رائے سن کر سبھی لوگ بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ جلسہ برخاست ہو گیا، اور اب طے ہو گیا کہ حاجیوں کے قافلے آئیں گے، تو سب لوگ یہی پروپیگنڈہ کریں گے۔

لیجیے، حج کا زمانہ آگیا اور حاجیوں کے قافلے بھی آگئے اور اب وہ ہر وقت تاک میں لگے رہتے اور جہاں موقع پاتے، ان کے کان بھرتے۔ اس وقت جس کو دیکھو، بس زبان پر یہی الفاظ تھے:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک جادو گر ہے جو جادو اثر کلام لے کر آیا ہے۔''

پھر قافلے لوٹ کر اپنے یہاں گئے اور سب کو آپ کی خبر دی۔ اس طرح پورے عرب میں آپ کا چرچا ہو گیا۔ اور بہتوں کو حقیقت حال جاننے کا بھی شوق ہوا، اور وہ اسی دھن میں گھروں سے نکل پڑے۔

آسمان کا تھوکا منہ پر آتا ہے۔ مشرکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش کی۔ مگر وہ سازش خود ان کے سر پر آپڑی۔ انھوں نے اسلام کو مٹانے کی کوشش کی مگر اس سے اسلام کی ترقی ہوئی۔

سارے عرب میں آپ کا شہرہ ہو گیا تو اس کے اثرات بہت دُور تک پہنچے جب کہ مشرکوں کو سب سے زیادہ ڈر اسی کا تھا۔ کہتے تو وہ یہ تھے کہ ہمیں آبائی دین عزیز ہے۔ اور ہم جان لڑا کر اس کی حفاظت کریں گے لیکن اصل بات کچھ اور تھی کیونکہ دین سے زیادہ ان کو دنیا کی فکر تھی۔ عرب بالکل آزاد زندگی گزارتے آئے تھے۔ وہاں نہ کوئی اصول تھا نہ قانون۔ جو جی میں آتا تھا وہ کرتے تھے۔ ہر طرف بے حیائی اور بدکاری کا بازار گرم تھا۔ لوگ انجام سے آنکھیں بند کئے رنگ رلیوں میں مست تھے ادھر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ان برائیوں کے خلاف ایک زبردست آواز تھی۔ پھر یہی نہیں، مکہ بتوں کا گڑھ تھا، اس لیے لوگ دُور دُور سے ان کی زیارت کو آتے تھے اور قریش ہی ان بت خانوں کے مہنت اور ان آستانوں کے مجاور تھے، اس لیے ان کو بھی نذرانے ملتے تھے۔ پھر مختلف چالوں سے یہ اچھی طرح لوٹتے بھی تھے۔ ظاہر ہے کہ اسلام کا پھیلنا اس کاروبار کے لیے ایک خطرہ تھا۔ اس لیے اب وہ نچلے کب بیٹھ سکتے تھے۔

نہیں۔۔۔۔ اب ہم خاموش نہیں رہ سکتے۔ آج سے بالکل برداشت نہیں کر سکتے۔ اب ہمدردی کا کوئی سوال نہیں۔ چاہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو، یا اس کے ساتھی!

کچھ مسلمان ایسے بھی تھے، جو مشرکوں کے غلام تھے۔ یہ ظالم انھیں بہت ہی بے دردی سے ستاتے اور چاہتے کہ کسی طرح یہ اسلام سے پھر جائیں۔ مسلمانوں سے یہ بے رحمیاں دیکھی نہ جاتیں۔ بے اختیار وہ تڑپ تڑپ اُٹھتے، اور جو لوگ کچھ مالدار ہوتے، ان مظلوموں کو خرید خرید کر آزاد کر دیتے۔

مشرکوں نے دیکھا کہ اس طرح تو مسلمانوں کی طاقت اور بڑھ رہی ہے۔ لہٰذا اب انھوں نے غلاموں کو بیچنا بھی بند کر دیا اور سوچا کہ ان کا خوب ناک میں دم کریں، خود ہی یہ ساری مستی بھول جائیں گے۔

www.quranurdu.com

جو مسلمان رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اور حبشہ نہیں جا سکے تھے، ان کو بھی ظالم پہلے سے زیادہ ستانے لگے۔ وہی کیا؟ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وہ اور زیادہ ستانے لگے، اور ظلم کی بھٹی میں بُری طرح تپانے لگے۔ حالانکہ ابو طالب کھل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور اہلِ خاندان بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طرفدار تھے۔

==================

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی:

''خدایا! خطاب کے بیٹے عمر کو ہدایت دے اور اس کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ اس طرح اسلام کی مظلومی کافی حد تک دور ہو جائے گی۔

عمر کی اٹھتی ہوئی جوانی تھی۔ وہ عزم و حوصلہ کا پتلا تھا۔ طاقت بھی اس کی بے پناہ تھی۔ کسی سے وہ ڈرتا اور نہ کسی سے دبتا تھا۔ جو کرنے کا ارادہ کر لیتا، اسے کر ہی کے دم لیتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اسلام کی دشمنی میں بھی آگے آگے تھا، اور مسلمانوں کے لیے سنگدلی اور بے رحمی کا ایک نمونہ تھا۔ کوئی باندی اسلام لے آتی، اور اس کے ہاتھ لگ جاتی، تو اسے بے تحاشا پیٹتا، اور مارتے مارتے جب تک تھک نہ جاتا، ہاتھ نہ روکتا پھر تھک کے چور ہو جاتا تو کہا:

''میں نے تو تھک کر چھوڑ دیا ہے، ذرا دم لے لو، پھر تیری خبر لوں گا۔''

ایک طرف بے رحمی کا یہ عالم تھا، لیکن ساتھ ہی سینے میں درد مند دل بھی تھا۔ وہ رشتہ داروں کا بہت ہی ہمدرد اور گھر والوں پر انتہائی مہربان تھا۔ اس کو جب خبر ہوئی کہ بہت سے مسلمان حبشہ ہجرت کر گئے تو اس کے دل کو بہت سخت چوٹ لگی اور جب اس نے یہ سنا کہ نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دے دی اور مکہ سے گئے ہوئے دونوں سفیر ناکام لوٹ آئے، تو وہ سر پیٹ کے رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور کنپٹی کی رگیں بھی غصہ سے تھرائیں کہ:

''محمد ہی بس کی گانٹھ ہے اس نے قریش میں پھوٹ ڈالی ہے اسی نے خاندانوں میں یہ خلیج کھودی ہے اور اسی نے اپنوں کو باہم ٹکرایا ہے۔ ہاں تو اب اس کا سر ہی قلم کر کے دم لوں گا۔''

چنانچہ وہ تلوار لگا کر گھر سے نکلا اور تیزی سے چل پڑا کہ آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قصہ ہی پاک کر دے اور روز روز کی فکر و بے چینی سے نجات پا جائے۔

اتفاق سے راستہ میں بن عدی کے ایک آدمی سے ملاقات ہو گئی۔ یہ نعیم بن عبد اللہ تھے۔ پہلے ہی اسلام لا چکے تھے، لیکن کسی کو خبر نہ تھی۔ وہ ظلم و ستم کا جانکاہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اس لیے کھل کر سامنے نہیں آ رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ عمر بہت جوش میں ہے اور کمر سے تلوار بھی لٹکی ہے تو وہ بہت پریشان ہوئے اور پوچھا:

''خطاب کے بیٹے! کدھر چل دیے؟''

عمر نے جواب دیا:

''اِسی بددین کے پاس جو دیوتاؤں کی توہین کر رہا ہے۔ اور اس طرح سارا نظام درہم برہم کیے دے رہا ہے۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نعیم عمر کا غصہ جانتے ہی تھے۔ انھوں نے سوچا، کہیں سچ مچ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان خطرہ میں نہ پڑ جائے، اس لیے کسی طرح عمر کا رخ بدل جائے چنانچہ فوراً ایک تدبیر ان کے ذہن میں آئی، اور وہ بولے:

''عمر! تم کس دھوکے میں ہو؟ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دو گے تو عبد مناف تمھیں جیتا چھوڑ دیں گے؟ اور ذرا پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو!''

عمر بولا: ''کیا کہا، کیا کہا۔۔۔۔ میرے گھر میں کون؟''

نُعیم نے جواب دیا: ''بہن اور بہنوئی مسلمان ہو گئے ہیں، انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کر لیا ہے، پہلے ان سے تو نمٹ لو۔''

یہ سنتے ہی عمر ہکا بکا رہ گیا، جیسے سارے بدن میں آگ لگ گئی ہو۔ بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے تھے اور اسی کے لیے جینے اور مرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ مگر عمر بالکل ہی بے خبر تھا، کیونکہ انھوں نے اب تک اس کو چھپایا تھا۔ چنانچہ عمر فوراً بہن کی طرف پلٹا۔ اور حالت یہ تھی کہ سینہ سلگ رہا تھا اور غصہ سے رگیں پھول آئی تھیں۔

وہاں وہ پہنچا تو اندر سے کسی کے پڑھنے کی آواز آئی۔ اب وہ بے تحاشا دروازہ پیٹنے لگا۔ جس سے گھر کے سب لوگ گھبرا گئے۔ اور انھوں نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا: ''عمر!''

عمر سننا تھا کہ لوگ چونک اُٹھے اور خوف سے بدحواس ہو کر ادھر اُدھر چھپنے لگے۔

عمر کی بہن کا نام فاطمہ رضی اللہ عنہا تھا اور بہنوئی کا نام سعید۔ یہ دونوں خباب سے قرآن پڑھتے تھے۔ خباب رضی اللہ عنہ کو خود پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کیا تھا۔ چنانچہ جو آیتیں نازل ہوتیں یہ پڑھ کر سنا دیا کرتے، اور وہ دونوں یاد کر لیتے اس وقت خباب رضی اللہ عنہ سورۂ طٰہٰ پڑھ رہے تھے۔ عمر کی آواز سنتے ہی وہ اندر چھپ گئے اور جس صحیفہ سے وہ پڑھ رہے تھے اُسے فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے پیچھے چھپا لیا۔ پھر شوہر ہمت کر کے آگے بڑھے اور جا کر دروازہ کھولا۔

دروازہ کھلتے ہی عمر ایک غضب ناک شیر کی طرح اندر آیا، اور عقابی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا، کہ ابھی جو آواز کانوں میں پڑی، وہ کہاں سے آئی۔ لیکن بہن اور بہنوئی کے سوا سامنے کوئی نہ تھا، اس لیے کڑک کر اس نے پوچھا:

''ابھی آواز کہاں سے آ رہی تھی؟''

خوف سے تو برا حال تھا ہی۔ اس لیے سچ سچ بتانے کی ہمت نہ ہوئی۔ جھٹ وہ بولے:

''یہاں تو کچھ بھی نہیں!''

عمر نے کہا: ''چھپاؤ نہیں کیا سمجھتے ہو کہ تمہارے اسلام سے میں بے خبر ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ بہنوئی کی طرف بڑھا اور بے تحاشا انھیں پیٹنے لگا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یہ دیکھا نہ گیا اور بڑھ کر شوہر کو بچانے لگیں۔ اب عمر نے بہن کو مارنا شروع کیا اور اتنا مارا کہ ان کا سر پھٹ گیا مگر آگ کو جتنا ہی پیٹو، وہ اتنا ہی اوپر اٹھتی ہے۔ عمر کی مار سے بھی جوش و عقیدت کی آگ اور بھڑک اٹھی۔ چنانچہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر چیخ اُٹھے:

''ہاں، ہم اسلام لے آئے ہیں۔ جو جی چاہے، کر لو!''

www.quranurdu.com

یہ آواز۔۔۔۔بے انتہا عزم و سوز میں ڈوبی ہوئی آواز۔۔۔۔۔دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی آواز براہِ راست عمر کے دل سے ٹکرائی اور عمر آگ سے پانی تھے۔اور پتھر سے موم تھے چنانچہ بے رحم ہاتھ چلتے چلتے رک گئے۔بہن کے سر سے خون کے فوارے بھی جاری تھے۔عمر کا دل پر دردناک منظر دیکھ کر پسیج گیا اور فوراً شرم سے جھک گیا پھر یکایک نظر اس صحیفہ پر پڑی جس سے خباب رضی اللہ عنہ پڑھ رہے تھے۔اسے دیکھتے ہی انھوں نے بہن سے کہا:

''یہی تم دونوں پڑھ رہے تھے۔ذرا دینا میں بھی اسے دیکھوں۔''

بہن بولیں:''مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے ہاتھ لگ گیا، تو پھر نہیں ملے گا۔''

مگر عمر نے اطمینان دلایا اور قسم کھا کر کہا میں اسے ضرور واپس کردوں گا۔چنانچہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وہ صحیفہ دیا اور دل میں یہ تمنا چٹکیاں لے رہی تھی کہ کاش یہ اسلام لے آئے۔

عمر نے صحیفہ کو لیا، اور صحیفہ کو غور سے دیکھا۔پڑھتے ہی دل کانپ اٹھا اور خوف و دہشت سے لرز اٹھا۔پھر بے اختیار زبان سے نکلا:

''کتنا اچھا اور پاکیزہ کلام ہے یہ!''

خباب رضی اللہ عنہ قریب ہی چھپے تھے، اور سارا ماجرا دیکھ رہے تھے وہ فوراً باہر آئے اور بولے عمر! رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ:''خدایا! ہشام کے بیٹے ابوالحکم یا خطاب کے بیٹے عمر سے اسلام کی مدد فرما۔''

عمر! خدا کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ اللہ نے تمہارے لیے یہ دعا سن لی۔عمر! اب اللہ سے جڑ جاؤ۔اب اس کے در کو نہ چھوڑو!

عمر رضی اللہ عنہ بولے:''اچھا خباب! بتاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ جاتا ہوں۔اب مسلمان ہو جاؤں گا۔''

یہ سننا تھا کہ خباب رضی اللہ عنہ کا دل خوشی سے کھل اُٹھا اور بولے:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا کے پاس اَرقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں ہیں۔''

اللہ، اللہ!!۔۔۔۔فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا یہ کتنا پر مسرت لمحہ تھا، اور سعید رضی اللہ عنہ کی خوشی کا کیا عالم تھا۔آج فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھائی اور سعید کا سالا اسلام کی گود میں تھا۔

عمر آئے تو مشرک تھے اور خونِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاسے تھے اور جا رہے تھے تو خدا کے۔۔۔۔تنہا خدا کے غلام، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جاں نثار تھے۔وہ دوڑے ہوئے جا رہے تھے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آقا بنالیں اور مبارک قدموں میں اپنا سر ڈال لیں!

عمر رضی اللہ عنہ اَرقم کے گھر پہنچے تو کواڑ بند تھے۔کنڈی کھٹکھٹائی تو بلال رضی اللہ عنہ کی آواز آئی:''کون ہے؟''

جواب ملا:''خطاب کا بیٹا!''

اس وقت رسولِ خدا کچھ ساتھیوں میں تشریف فرما تھے۔حمزہ رضی اللہ عنہ، ابو بکر رضی اللہ عنہ، بلال رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ بھی وہیں موجود تھے۔بلال رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا:

''اللہ کے رسول! دروازے پر خطاب کا بیٹا عمر رضی اللہ عنہ ہے۔اگر دروازہ کھول دیا تو ڈر ہے کہ کہیں پریشان نہ کرے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''آنے دو، اگر نیت ٹھیک ہے تو کیا کہنا!''

حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا:''اور اگر نیت بُری ہوئی تو اس کو مارنا ہاتھ کا کھیل ہے۔''

www.sursanurdu.com

چنانچہ بلال رضی اللہ عنہ دروازہ کھولنے گئے اور حمزہ رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہو لیے کہ عمر نے اگر حملہ کیا تو بلال کی مدد کریں گے۔
دروازہ کھل گیا تو عمر رضی اللہ عنہ اندر آ گئے۔ اور اسی لمحے حمزہ رضی اللہ عنہ اور بلال رضی اللہ عنہ جھپٹے اور باہوں میں جکڑ لیا۔
پھر عمر رضی اللہ عنہ پر نظر پڑی، تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:
''خدایا! عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں جو کھوٹ ہو اسے دُور کر دے اور اُس کا سینہ نورِ ایمان سے چمکا دے۔''
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''حمزہ رضی اللہ عنہ! عمر کا ہاتھ چھوڑ دو۔ بلال رضی اللہ عنہ! تم بھی چھوڑ دو!''
چنانچہ حمزہ رضی اللہ عنہ اور بلال رضی اللہ عنہ الگ ہو گئے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں کھڑے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''عمر! رضی اللہ عنہ کیا جب تک کوئی دردناک عذاب نہ آ لے، اپنی روش نہیں چھوڑو گے؟ کہو کیا ارادہ ہے؟''
عرض کیا: ''ایمان لانے آیا ہوں۔''
یہ کہنا تھا کہ مسلمانوں نے اتنے زور کا نعرہ لگایا کہ گھر کی دیواریں ہل گئیں اور مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں:
اَللّٰہُ اَکْبَر ۔ ۔ ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرْ ۔ ۔ ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرْ
تھوڑی دیر کے لیے عجیب سماں بندھ گیا، اور پوری فضا پر ایک دہشت اور جلال چھا گیا۔
یہ ایک فقرہ تھا، جو بے اختیار زبانوں سے نکل پڑا۔ یہ بتا رہا تھا کہ اُن کو کتنی زیادہ خوشی ہے، اور روح کو کتنا سکون اور دل کو کتنا سرور ہے، کیونکہ آج عمر رضی اللہ عنہ مسلمان تھے۔ آج عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ تھے۔ عمر مسلمان ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر ان کے سینہ پر دستِ مبارک پھیرا اور دعا کی:
''خدایا! عمر رضی اللہ عنہ کو ہدایت دے۔ خدایا! عمر رضی اللہ عنہ کو ثابت قدم رکھ!''
عمر رضی اللہ عنہ بھی اب مسلمانوں میں بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ عرض کیا:
''اللہ کے رسول! کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔ چاہے مریں، چاہے جائیں؟''
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''کیوں نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم حق پر ہو، مرنے اور جینے سے کیا ہوتا ہے۔''
انھوں نے کہا: ''پھر چھپنا کیسا اے اللہ کے رسول؟''
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم تھوڑے ہیں اور دشمن بہت ہیں۔''
انھوں نے عرض کیا:
''خدا کی عبادت اور چھپ کر کی جائے، بخدا یہ نہ ہو گا اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ جن مجلسوں میں اب تک میں نے کفر کے گن گائے ہیں۔ اب اسلام کے نعرے لگاؤں گا۔''

www.quranurdu.com

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں کی دو صفیں بنائیں۔ایک کے امیر حضرت عمر تھے۔اور دوسری کے حضرت حمزہ۔ پھر بہادر جوانوں کی دونوں صفیں کعبہ کی طرف بڑھیں اور وہاں پہنچ کر انھوں نے نماز ادا کی۔ پھر نعرہ لگایا، کہ جس سے مکہ کی پہاڑیاں دَہل گئیں:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ

آج ماہِ اسلام کی تابانی کا پہلا دن تھا۔آج پہلی بار اسلام پوری شان و شوکت سے نمودار تھا۔

اس دن قریش کو جتنا رنج و ملال ہوا، اس سے پہلے اور کبھی نہ ہوا تھا۔اور مسلمانوں کو جتنی خوشی تھی، اس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ان سے کہیں زیادہ خوشی خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تھی کہ آج دنیا کی سب سے بڑی دولت سے وہ مالا مال تھے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھوم گھوم کر اسی رات اپنے اسلام کا اعلان کیا، اور لوگوں کو بھی اس کی دعوت دی۔ گویا جو دلیری اور بے باکی کبھی اس سے روکنے میں صَرف ہو رہی تھی، آج وہی دلیری و بے باکی اس کی تبلیغ میں نمایاں تھی۔ابو جہل ان کا ماموں تھا، اس لیے اس کے یہاں بھی گئے۔گھر کی کنڈی کھٹکھٹائی تو وہ باہر آیا اور بہت ہی پیار و محبت سے بولا:

''خوش آمدید بھانجے! کہو کیسے آئے؟''

عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''بس یہ بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مان لیا۔ نیز ان کی ساری باتوں کو تسلیم کر لیا۔''

یہ کہنا تھا کہ ابو جہل کے ذہن و دماغ پر جیسے بجلی گر گئی۔اس نے زور سے دروازہ پیٹا اور کڑک کر بولا:

''خدا تجھے غارت کرے اور تیرے دین کا بھی جنازہ اُٹھے۔''

اب قریش عمر رضی اللہ عنہ پر پل پڑے اور ان کو ستانے اور تنگ کرنے لگے مگر عمر رضی اللہ عنہ نے بھی تلوار سے مقابلہ کیا۔کافروں میں ہوتے ہوئے بھی ڈر کا نام نہ تھا۔ بار بار وہ شیر کی طرح گرجتے اور پوری بے باکی سے کہتے:

''سن لو! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے سچے رسول ہیں۔ کوئی بھی ہلا تو سر قلم کر دوں گا۔''

اسی وقت پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فاروق کا خطاب دیا کہ اللہ نے ان کے ذریعہ حق اور باطل میں فرق کیا۔

یہ نبوت کا چھٹا سال تھا اور ذی الحجہ کا مہینہ۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو مسلمان ہوئے صرف تین ہی دن ہوئے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اسلام لے آئے۔[1]

==========

اب دن بدن مسلمانوں کا زور بڑھ رہا تھا، اور لوگ اسلام کی طرف تیزی سے کھینچ رہے تھے تو کیا قریش ہاتھ پاؤں مار کر بیٹھ رہے؟ نہیں، وہ برابر اس دھن میں رہے کہ کس طرح مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دیں یا جاں نثاروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بد گمان کر دیں۔

---

[1] اخبار عمر، بحوالہ ''تاریخ الخلفاء'' و ''شرح المواہب''

www.quranurdu.com

اسی غرض سے وہ ایک روز سر جوڑ کر بیٹھے اور سوچنے لگے، کیا تدبیر کی جائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدت مندوں کا جال چھنٹ جائے۔ سارے جاں نثار گرد کی طرح اڑ جائیں اور وہ بے بس ہو کر رہ جائے۔ چنانچہ بہت دیر ہو گئی۔ اور وہ سوچتے رہے اور غور و فکر کرتے رہے۔ پھر آخر میں رائے ہوئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بائیکاٹ کیا جائے، مکمل بائیکاٹ۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں سے کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔ نہ ان سے کوئی شادی بیاہ کرے، نہ خرید و فروخت کرے نہ انھیں کھانے پینے کا کوئی سامان دے اور نہ کسی طرح کا ان سے کوئی لین دین کرے۔

اس رائے کی سب نے تائید کی۔ پھر مزید اطمینان کے لیے ایک تحریری معاہدہ بھی تیار ہوا، جس میں انہی ناپاک عزائم کا تذکرہ تھا، اور وہ معاہدہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا، کہ ہر ایک اس کا احترام کرے۔ نہ کوئی اس کی خلاف ورزی کرے اور نہ اس کو ہاتھ لگانے کی جرأت کرے۔

پھر قریش کے کچھ سردار آلِ مطلب کے پاس گئے، اور بولے:

''اب بس دو ہی شکلیں ہیں، یا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حوالہ کر دو کہ ہم اس کو قتل کر دیں۔ اس طرح تم کو بھی آرام مل جائے گا اور ہم کو بھی چین نصیب ہو جائے گا۔ نیز ہم تم کو بہت سا خون بہا بھی دیں گے۔ اگر اس پر راضی ہو جاؤ تو کیا کہنا۔ ورنہ ہم تمہارا بائیکاٹ کر دیں گے۔ پھر نہ تم سے کبھی خرید و فروخت کریں گے اور نہ اور کوئی لین دین۔ نتیجہ کیا ہو گا؟ تڑپ تڑپ کر مر جاؤ گے۔ اب کہو، کیا خیال ہے؟''

آلِ مطلب کبھی یہ سوچنے کو بھی تیار نہ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان بے رحم ہاتھوں میں دے دیا جائے اور وہ اپنے دل کے ارمان پورے کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان کی آنکھوں کا نور، اور دل کا سرور تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جان سے بھی زیادہ عزیز تھے۔ چنانچہ انھوں نے قریش کی ان دھمکیوں کا ذرا بھی خیال نہ کیا، اور صاف صاف کہہ دیا کہ:

''ہر بات گوارا ہے، پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑنا گوارا نہیں۔'

مشرکوں نے بھی کہا:

''تب ٹھیک ہے۔ آج سے ہم تمہارے دشمن ہیں، اور تم ہمارے دشمن، اور اب ہم تمہارا محاصرہ کریں گے۔''

چنانچہ قریش نے ان کا محاصرہ کر لیا اور بھوکوں مارنے کی مہم شروع کر دی۔ بنی ہاشم چونکہ آلِ مطلب کے رشتہ دار تھے، اس لیے وہ بھی ان کے ساتھ تھے، بس ایک ابو لہب نے بے وفائی کی، یعنی اس نے خاندان کی مخالفت کی اور قریش کی طرف داری کی، کیونکہ یہ خاندان سے بیزار تھا، اور ان کو مصیبت میں دیکھ کر پھولا نہ سماتا تھا۔ حتیٰ کہ یہی وہ شخص اوّل تھا جس نے آلِ مطلب کا بائیکاٹ کرنے اور ان سے کسی طرح کا لین دین نہ کرنے پر اُبھارا تھا۔

محرم کا مہینہ اور نبوت کا دسواں سال تھا۔ ابو طالب پورے خاندان کے ساتھ ایک درّہ میں بند ہو گئے۔ یہی وہ درّہ ہے جو بعد میں شِعبِ ابی طالب کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ لوگ دن رات یہیں پڑے رہتے نہ کسی سے کچھ تعلق اور نہ کوئی لین دین، گویا یہ ایک جیل خانہ تھا، جس میں وہ ہمیشہ رہتے اور صرف محترم مہینوں میں اس سے باہر آتے جب کہ عرب کی ساری جنگیں رک جاتیں۔ لڑائی جھگڑے بند ہو جاتے۔ ہر طرح کے خطرے جاتے رہتے اور ہر آدمی بالکل آزاد اور بے غم ہوتا۔

www.quranurdu.com

انہی مہینوں میں آنحضرت بھی باہر آتے اور پھر دعوتِ دین میں لگ جاتے۔

حاجی انہی دنوں مکہ میں آتے۔ تاجر مکہ کے قریب ہی بازار لگاتے اور تجارت کے سامان لگاتے۔ آپ ان سب کے پاس جاتے اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے بہت ہی درد اور محبت سے فرماتے:

''خدا کا دین قبول کر لو۔ وہ بہت خوش ہو گا۔ تم پر مہربان ہو گا، اور اچھا بدلہ دے گا، اور اگر کفر و شرک سے چمٹے رہے اور اس دین کو ٹھکرا دیا۔ تو وہ ناراض ہو گا اور بہت سخت عذاب دے گا۔''

جو لوگ حبشہ میں تھے، ان کو اطلاع ملی کہ عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے ہیں، اور اس طرح اسلام کے قدم جم گئے ہیں اور اس کی مظلومی اور بے کسی ختم ہو گئی ہے۔ مسلمان اب بے جھجک قریش کو دعوتِ اسلام دے رہے ہیں اور ان کو ان کی گمراہی پر متنبہ کر رہے ہیں۔ مکہ کا کونہ کونہ اب نورِ اسلام سے جگمگا رہا ہے، اور نہ صرف مکہ، بلکہ بیرونِ مکہ بھی اس کا ڈنکا بج رہا ہے۔ یہ سن کر وہ خوشی سے بے تاب ہو گئے۔ اتنے بے تاب کہ انھوں نے حبشہ کو خیر باد کہہ دیا، اور پھر مکہ کا رخ کیا۔

مگر قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ مسلمان تو نظر بند ہیں اور قریش کا ان پر انتہائی سخت پہرہ ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بڑی تنگی اور بہت مصیبت میں ہیں، لہٰذا ایسے میں وہ مکہ کیا جاتے، مجبوراً پھر اُلٹے پاؤں وہ حبشہ لوٹ گئے۔

درّہ میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مخلص ساتھی پڑے رہے۔ ایک مہینہ نہیں، دو مہینہ نہیں، سال چھ مہینے بھی نہیں، مسلسل تین سال پڑے رہے۔ بلائیں امنڈ امنڈ کر آتی رہیں اور سب سہتے رہتے۔ بالآخر جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ساتھیوں کو بھی ہجرت کی اجازت دے دی۔ چنانچہ مخلص ساتھیوں نے حبشہ کا رخ کیا، اور وہاں پہنچ کر انھوں نے اطمینان کا سانس لیا اور اب مکہ میں صرف گنے چنے مسلمان رہ گئے۔

جو مسلمان رَہ گئے، ان پر ایک عرصہ تک دشمنوں کا پہرہ رہا۔ جس کی وجہ سے ایک ایک لمحہ ان کے لیے عذاب بن گیا۔ لیکن واہ ری غیرت و حمیّت! سب کچھ ایک طرف اور آلِ مطلب کا جوش و جذبہ ایک طرف۔ بھوک و فاقہ کی سختیاں وہ سہتے رہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ذرا بھی آنچ نہ آنے دی اور جی جان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی۔ چچا ابو طالب کی شفقت و محبت بھی قابلِ دید تھی۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بالکل دیوانے تھے۔ جیسے ایک شفیق ماں اپنے لختِ جگر کے پیچھے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غافل نہ ہوتے۔ یہاں تک کہ سوتے بھی تو ساتھ سلاتے۔ اور اگر کبھی کسی مجبوری کی وجہ سے ساتھ چھوڑنا ہی پڑتا تو اپنی جگہ کسی بیٹے کو کر دیتے کہ رات میں جاگ کر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرے۔

کتنا کٹھن مرحلہ تھا یہ! سارا ماحول دشمن، دوست، عزیز سب سے اَن بَن۔ پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں۔[1] لوگوں سے کوئی لین دین نہیں گویا ہر وقت موت منہ کھولے کھڑی ہو۔ مگر ایسے میں اللہ نے مدد کی اور کچھ دلوں کو اُن کے لیے نرم کر دیا۔ چنانچہ مسلمانوں کی بے بسی دیکھ کر انھیں ترس آنے لگا۔ اور اب وہ چھپ چھپ کر ان کے پاس آتے اور کچھ کھانے پینے کا سامان دے جاتے۔ انہی لوگوں میں ایک حزام کے بیٹے حکیم تھے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا ان کی پھوپھی تھیں۔ یہ اپنی پھوپھی کو روٹی، سالن دے

---

[1] یہ زمانہ اتنا سخت تھا کہ خدا کی پناہ۔۔۔۔! پتے کھا کر انھوں نے دن گزارے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ وہ بھی اس وقت مسلمان تھے۔ اور اس آزمائش سے دوچار تھے۔ ان کا بیان ہے۔ ایک بار رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آگیا۔ میں نے ان کو پانی سے دھویا۔ پھر آگ میں بھونا۔ اور پانی میں ملا کر کھایا۔

جاتے۔ حضرت خدیجہ خود کھاتیں، اوروں کو بھی کھلاتیں۔ اس طرح عمر کے بیٹے ہشام بھی اُن مسلمانوں کے بڑے ہمدرد تھے۔ وہ اونٹ پہ بہت سا کھانا کپڑا لاد لیتے۔ پھر رات ہو جاتی، تو ان مظلوموں کے پاس آتے۔ اونٹ کو گھاٹی کے باہر ہی بٹھا دیتے۔ اور سارا سامان اندر پہنچا دیتے۔ ہشام برابر ایسا ہی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ کچھ دنوں میں قریش کو بھی پتہ چل گیا۔ اور اب وہ ان کو بھی ستانے لگے۔ لیکن وہ اپنی ہمدردیوں سے باز نہ آئے پھر ہشام نے ایک کام اور کیا وہ ابوامیّہ کے بیٹے زہیر کے پاس گئے۔ جو عاتکہ کا بیٹا تھا اور عبدالمطلب کا نواسہ تھا۔ اس سے جا کر ہشام نے کہا: ''زُہیر! تم خوب عیش کرو۔ عمدہ سے عمدہ کھانے کھاؤ۔ اور اچھے سے اچھے کپڑے پہنو۔ اور تمہارے ماموں اس طرح رسوائی اور بے کسی کے ساتھ دن پورے کریں۔ کیا تمھیں یہ گوارا ہے۔۔۔!

خدا کی قسم! اگر یہ لوگ ابوالحکم (ابوجہل) کے ماموں ہوتے، اور تم اس سے ایسا کرنے کو کہتے تو وہ ہرگز نہ تیار ہوتا۔''

زُہیر بولا: '' میں تن تنہا کر ہی کیا سکتا ہوں؟ خدا کی قسم اگر کوئی اور ساتھ دینے والا ہوتا، تو میں تو اس معاہدہ کو توڑ دیتا۔''

ہشام نے کہا: ''کوئی اور مل جائے تو؟''

زُہیر بولا: ''وہ کون؟''

ہشام نے کہا: ''میں!''

زَہیر بولا: ''اچھا ایک اور آدمی تلاش کرو، کوئی اَور مل جائے تو بڑا اچھا رہے گا۔''

چنانچہ دونوں جوان معاہدہ توڑنے کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ وہ معاہدہ جو سارے قریش کا معاہدہ تھا۔ اور اب کسی تیسرے کو ڈھونڈنے لگے۔ اللہ نے ان کی مدد کی اور نہ صرف ایک، بلکہ تین تین بہادر اُن کے ساتھ ہو گئے۔ اور یہ تینوں قریش کے معزز سردار تھے۔ ایک عَدّی کے بیٹے مطعم تھے۔ دوسرے ہشام کے بیٹے ابوالبختری۔ اور تیسرے اَسود کے بیٹے زَمعہ تھے۔

صبح ہوئی تو ہشام، مطعم، ابوالبَختری اور زَمعہ گھر سے نکل کھڑے ہوئے کعبہ کے قریب ہی قریش جلس جمائے بیٹھے تھے۔ یہ چاروں سردار بھی وہیں جا کر بیٹھ گئے۔ مگر زُہیر گئے اور انھوں نے کعبہ کا طواف کیا۔ پھر آکر بولے:

''مکہ والو! ہم تو مزے سے کھاتے پیتے ہیں اور بنی ہاشم ایک ایک نوالہ کو ترس رہے ہیں۔ نہ کسی سے لین دین کر سکتے ہیں، نہ خرید و فروخت۔ کیا یہ مناسب ہے؟ کیا انسانیت اور شرافت کا تقاضا یہی ہے؟ خدا کی قسم میں تو بیٹھ نہیں سکتا، جب تک کہ اس معاہدہ کی دھجیاں نہ اُڑ جائیں۔''

یہ سنتے ہی ابوجہل تن کر اُٹھا اور کڑک کر بولا: ''تو نے غلط کہا۔ خدا کی قسم یہ ہرگز نہ ہو گا۔''

اسی دم زُہیر کے سب ساتھی ایک ساتھ بول اُٹھے: ''ہاں، بالکل ٹھیک ہے۔ یہ ہو گا، ضرور ہو گا، ہو کر رہے گا۔''

ابوجہل سمجھ گیا کہ یہ سوچی سمجھی اسکیم ہے۔ اور اس میں بولنا بیکار ہے۔ چنانچہ وہ کلیجہ مسوس کر بیٹھ گیا۔

پھر مطعم عہد نامہ پھاڑنے کے لیے آگے بڑھا، مگر دیکھا تو اُس کو دیمک چاٹ گئی تھی اور اب صرف ایک فقرہ باقی تھا، جو عہد نامہ کے شروع میں تھا۔ وہ فقرہ تھا:

''بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ''

''اے اللہ! تیرے نام سے۔''

www.quranurdu.com

عہد نامہ چاک ہو گیا تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مخلص ساتھی دَرّہ سے باہر آ گئے اور پوری سر گرمی سے پھر دعوت و تبلیغ میں لگ گئے۔ یہ نبوت کا دسواں سال تھا۔

==========

سَر سے نظر بندی کی بلا تو ٹل گئی۔ لیکن یہیں پر بس نہ تھا۔ جو بلائیں ابھی گھات میں تھی، وہ اس سے بھی زیادہ سخت اور جاں گُسل تھیں۔ کچھ ہی دن گزرے تھے، کہ ابو طالب بیمار پڑ گئے اور حالت بہت نازک ہو گئی۔ یہاں تک کہ قریش کو ان کی موت کا اندیشہ ہونے لگا۔ چنانچہ انھوں نے طے کیا کہ ایک بار پھر ابو طالب کے پاس چلیں۔ اور ان سے کہیں وہ زندگی ہی میں ہمارے اور محمد کے درمیان کوئی فیصلہ کر دیں۔ کیونکہ اگر موت کے بعد اس کو ستائیں گے، تو اہل عرب عار دلائیں گے۔ اور کہیں گے کہ زندگی میں تو ہمت نہ ہوئی۔ اب چچا مر گیا تو یہ شیر بن گئے۔

غرض ابو طالب بسترِ مرگ پر پڑے آخری سانس لے رہے تھے کہ اسی وقت قریش کے کچھ سردار پہنچے اور بولے:

''ابو طالب! ہمارے دل میں آپ کا کیا مقام ہے؟ اس سے آپ بے خبر نہیں۔ ہماری تمنا ہے کہ بھتیجے کے بارے میں آپ انصاف کریں اور اس سے کہہ دیں کہ نہ وہ ہمارے دین کو کچھ کہے اور نہ ہم اس کے دین کو کچھ کہیں۔''

چنانچہ ابو طالب نے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا اور آپ کے سامنے قریش کی بات رکھی۔ سب کچھ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آپ لوگ صرف ایک فقرہ کہہ دیں اور بس۔ میں اور کچھ نہیں چاہتا۔''

قریش نے کہا: ''وہ کیا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ''

یہ سنتے ہی وہ غصے سے تلملا اٹھے۔ اور آپس میں یہ کہتے ہوئے چل دیے:

''یہ شخص تو تمہاری بات ماننے کا نہیں۔ اب اس کے ساتھ جو کچھ کرو، معذور ہو۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا سے فرمایا:

''چچا ایک فقرہ کہہ دیجیے، کہ قیامت کے دن میں آپ کے حق میں گواہی دے سکوں۔ میرے مہربان چچا! صرف ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہہ دیجیے۔''

چچا نے جواب دیا: ''اہل عرب طعنے دیں گے اور کہیں گے کہ ابو طالب تو موت سے ڈر گیا۔ بھتیجے! اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا، تو میں تیری بات ضرور مان لیتا۔''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چچا سے بہت محبت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اُن کی بڑی چاہ تھی۔ جہاں آپ ان کے لیے دنیا کی کامیابی چاہتے تھے، وہیں آخرت کی سرخروئی کے بھی متمنی تھے۔ وہ اسلام نہیں لائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تڑپ کر رہ گئے۔ آپ کا یہ حال ہوا تو خدا کی طرف سے وحی ہوئی:

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (القصص:56)

www.quranurdu.com

''تم جس کو چاہو، ہدایت نہیں دے سکتے، اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔''

اس طرح ابو طالب مر گئے۔ ہاں، وہی ابو طالب، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سہارا اور مددگار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مونس اور غمگسار تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم؟ آپ قریش کی بے رحمیوں کا نشانہ بننے کے لیے تنہا رہ گئے۔[1]

پھر اس سانحہ کو ابھی کچھ ہی دن ہوئے تھے، کہ ایک دوسرا سانحہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جگر چیر گیا۔ وہ سانحہ کیا تھا؟ بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا۔۔۔ آہ۔۔۔ بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہ کی وفات۔

- ہاں، وہی خدیجہ، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باوفا بیوی اور آپ کے دکھ درد کی شریک تھیں۔
- ہاں، وہی خدیجہ رضی اللہ عنہا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پیار و محبت کا دریا اور شفقت و دلسوزی کا مجسمہ تھیں۔
- ہاں، وہی خدیجہ رضی اللہ عنہا، جنھوں نے سدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو سینے سے لگائے رکھا اور عشق و عقیدت کی آنکھوں میں بٹھائے رکھا۔
- ہاں، وہی خدیجہ رضی اللہ عنہا، جنھوں نے پہلے دن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ مایوسی میں ڈھارس بندھائی۔ اُداسی میں سکون پہنچایا۔ اور پھر اسی حال میں جان دے دی۔
- ہاں، وہی خدیجہ رضی اللہ عنہا، جو رب پر سب سے پہلے ایمان لائیں۔
- ہاں، وہی خدیجہ رضی اللہ عنہا جن کو رب۔۔۔ ہاں، خود رب نے سلام کہلایا اور جنت میں موتیوں کے محل کا مژدہ سنایا۔

ابو طالب اور خدیجہ رضی اللہ عنہا[2] کی موت تھی؟ ایک سہارا تھا جو ٹوٹ گیا ایک قلعہ تھا جو ڈھ گیا۔

لیکن اب نورِ اسلام مکہ سے باہر پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ اب ناممکن تھا کہ مشرکوں کی پھونکوں سے یہ چراغ گل ہو جاتا۔ چاہے وہ کم ہوں یا زیادہ۔ کمزور ہوں یا زور آور۔ یہ اللہ کا فیصلہ تھا۔ چاہے کافر کتنے ہی جز بز ہوں۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ (الصف:8)

==========

[1] یہ 10 نبوی کا زمانہ ہے۔ جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں حضور بہت رنجیدہ اور بے قرار رہتے تھے۔ چنانچہ فرماتے بھی کہ یہ عَامُ الحُزن ہے۔ یعنی غم کا سال۔

[2] خدیجہ کی وفات ماہِ رمضان میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر 65 برس تھی۔ مقام حجون میں دفن ہوئیں۔ حضور خود اُن کی قبر میں اُترے۔

www.quranurdu.com

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

نازک مرحلے

www.quranurdu.com

- رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، ظلم و ستم کے نرغے میں
- عائشہ رضی اللہ عنہا اور سودہ رضی اللہ عنہا رسولِ پاک کے نکاح میں
- طائف کا سفر
- اہل طائف کا شرمناک سلوک
- رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پرسوز فریاد
- جنوں کی ایک جماعت اِسلام کے دامن میں
- قریش کی سازش
- مطعم کے امان میں
- فرش سے عرش تک
- ابوجہل کی شرانگیزی
- معراج کے اثرات
- ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ''صدیق'' کا خطاب
- سفر معراج کی ایک جھلک

کافروں نے بہت کوشش کی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی دعوت دینا بند کردیں۔ لیکن انھیں ذرا بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اسلام کا چراغ گل کرنے کی مسلسل کوشش، اور پھر مسلسل ناکامی! دشمنوں کے لیے یہ ایک المناک سانحہ تھا۔ عقل حیران تھی کہ کیا کریں؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کون سی چال چلیں۔۔۔۔!! لیکن۔۔۔۔ افسوس، ابو طالب جا چکے تھے۔ ہاں، وہی ابو طالب جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سہارا اور مددگار تھے۔ بلاؤں کے طوفان میں ایک محکم دیوار تھے۔ اور جو پورے قبیلہ کا شیرازہ اور سارے خاندان کا گلدستہ تھے۔ کہ انہی کی بدولت لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک سے وابستہ اور دل و جان سے آپ کی حمایت پر کمربستہ تھے۔

اب میدان خالی تھا، راستہ ہموار تھا۔ دل کا بخار نکالنے کے لیے موقع ساز گار تھا۔ اب نرمی اور رحم دلی کا کیا سوال تھا۔ اب تو ظلم و ستم کے تیز جھونکے تھے۔ اور بغض و عناد کے بھڑکتے ہوئے شعلے۔ اب آپ کو ستانے میں ہر ایک شیر تھا۔ اور ذرہ بھی رورعایت سے کام لینے کے لیے تیار نہ تھا۔ انتہا یہ کہ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک بدبخت کو شرارت سوجھی اور اس نے آپ پر بکری کی اُوجھ لا کر ڈال دی۔ رحمت عالم کی طرف سے اس بدتمیزی کا کیا جواب تھا؟ کیا اس ظالم کو بُرا بھلا کہا؟ کیا اس کو کوئی بددعا دی؟ نہیں صرف اتنا فرمایا:

"آلِ مناف! پڑوسی کے ساتھ کیسا سلوک ہے یہ؟"

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں جارہے تھے۔ کسی بدبخت نے سر مبارک پر خاک ڈال دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی حال میں گھر آئے۔ بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھا تو دوڑ کر پانی لائیں۔ اور سر کو دھونے لگیں۔ وہ پانی گرا رہی تھی، اور اس میں گرم گرم آنسو بھی ملا رہی تھیں۔ باپ کی مظلومی ان کا جگر چیر رہی تھی اور قریش کی بدسلوکی دل کو تڑپا رہی تھی۔ آور۔۔۔۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تسلی دے رہے تھے:

"بیٹی! روؤ نہیں۔ خدا تمہارے باپ کی مدد کرے گا۔"

اور ابو لہب کا کیا رنگ تھا؟ ابو طالب کی وفات ہوئی تو وہ کچھ دنوں تو خاموش رہا۔ پھر پہلے سے بھی زیادہ بے دردی سے ستانے لگا۔ اُس نے اور اس کی بیوی نے تو اتنا تنگ کیا، کہ خدا کی پناہ! ناک میں دم کر دیا۔

اور ابو جہل کا کیا انداز رہا؟ وہ تو رات دن گھات میں رہتا۔ کبھی آوباشوں کو پیچھے لگا دیتا۔ اور وہ خوب ستاتے۔ کبھی غنڈوں کو اشارہ کر دیتا۔ اور وہ اپنی بدتمیزیوں کا مظاہرہ کرتے۔ کبھی کچھ کمینوں کو لے کر بیٹھ جاتا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے آتے، یا طواف کا ارادہ کرتے، تو وہ بدبخت آپ کو مارنا چاہتے اور آپ کے قتل کی اسکیم بناتے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کو روکتے اور ان کی حرکتوں پر بیزاری و نفرت کا اظہار کرتے۔ بہت ہی حسرت کے ساتھ کہتے:

www.iqraurdu.com

''کیا کسی کو محض اس بات پر قتل کروگے، کہ وہ کہتا ہے، میرا رب اللہ ہے! حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے واضح نشانیاں بھی لے کر آیا ہے!''

نتیجہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی ان کی اذیتوں سے نہ بچ پاتے۔ سب چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتے۔ اور بے تحاشا مارتے کہ آئندہ ہونٹ ہلانے کی بھی جرأت نہ کریں۔ اور وہ اپنی ناپاک حرکتوں کو پوری آزادی سے انجام دے سکیں۔ مگر ابو بکر رضی اللہ عنہ کب ماننے والے تھے۔ وہ جانتے بوجھتے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتے کیونکہ ان کو اپنی جان سے زیادہ آپ کی جان پیاری تھی۔ پھر ماننے کا سوال بھی کیا تھا؟ کہ دوست کے لیے ہر چوٹ ان کے لیے آرامِ جان اور باعثِ تسکین واطمینان تھی۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال تھا؟ آپ بہت ہی درد و حسرت کے ساتھ بار بار فرماتے:

''خدا کی قسم! جب تک ابو طالب زندہ رہے، قریش نے مجھ کو کبھی نہ ستایا۔''

==================

''رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اذیتوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ زبانوں کے تیر آپ کے جگر میں پیوست ہو رہے ہیں۔''

یہ سوچ کر مخلص ساتھیوں کا دم گھٹنے لگتا۔ کیونکہ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو دو تلخیوں سے دوچار تھے۔ ایک تو چچا ابو طالب اور پیاری خدیجہ کی وفات کا صدمہ، اور پھر قریش کی بد سلوکی کا ملال۔ لیکن مکہ میں مسلمان تو بہت تھوڑے تھے۔ بس گنتی کے چند۔ اور مقابلہ میں دشمنوں کا ایک سمندر تھا ٹھاٹھیں مارتا سمندر۔ بھلا ایسے میں وہ بے چارے کرہی کیا سکتے تھے؟ کہ وہ تو بالکل بے بس تھے۔ چنانچہ وہ صبر کرتے، اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے جہاں تک ہو سکتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچاؤ کرتے۔

www.urduru.com

اور مسلمان عورتیں؟ وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بلاؤں کی یلغار دیکھتیں، تو بہت رنجیدہ ہوتیں۔ اور کلیجہ مسوس کے رہ جاتیں۔ چنانچہ ایک دن حضرت خولہ رضی اللہ عنہا خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں۔ یہ حکیم کی بیٹی اور عثمان بن مظعون کی بیوی تھیں۔ بولیں:

''کیوں نہیں آپ شادی کر لیتے؟ کوئی خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی نہ ملے نہ سہی۔ لیکن کچھ تو سکون نصیب ہوگا۔ کچھ تو دل کا بار ہلکا ہوگا۔''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حکیم کی بیٹی! کس کی طرف اشارہ ہے؟''

خولہ رضی اللہ عنہا بولیں: ''کنواری بھی مل سکتی ہے اور چاہیں تو شوہر آشنا بھی مل جائے گی۔''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کنواری کون؟''

خولہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے زیادہ حق ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا ہے۔''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اور شوہر آشنا کون؟''

خولہ رضی اللہ عنہا بولیں:

''زمعہ کی بیٹی سودہ۔ وہ آپ پر ایمان لائی ہیں۔ اور تمام باتیں خوشی خوشی تسلیم کی ہیں۔ مہاجرین حبشہ میں ان کے شوہر بھی تھے۔ وہاں سے وہ واپس آئے تو اللہ کو پیارے ہوگئے۔''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا جاؤ دونوں کے لیے بات چیت کرو۔''

خولہ رضی اللہ عنہا ، سودہ کے پاس گئیں۔ بولیں: ''اللہ ! اللہ ! تمہاری قسمت ! کتنی برکتوں کا تم پر سایہ ہے !''

سودہ رضی اللہ عنہا کو بہت تعجب ہوا۔ (بڑی بے تابی سے) ''آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ میں کچھ سمجھ نہیں سکی۔''

خولہ رضی اللہ عنہا بولیں:

''رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اسی کے لیے بات چیت کرنے آئی ہوں۔''

سَودہ رضی اللہ عنہا کا چہرہ خوشی سے تمتما اُٹھا۔ بولیں:

''سبحان اللہ ! ! ذرا جایئے والد سے بھی تذکرہ کیجیے۔ دیکھئے، وہ کیا کہتے ہیں۔''

خولہ اَسوَد کے والد کے پاس گئیں اور اُن کو یہ مبارک خبر سنائی۔ والد نے یہ خبر سنی تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلا:

''اس جوڑے کا کیا کہنا۔''

پھر خولہ اُمِّ رُومان رضی اللہ عنہا کے یہاں گئیں۔ جو عائشہ رضی اللہ عنہ کی والدہ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ وہاں پہنچتے ہی وہ بولیں:

'' زہے نصیب ! یہ برکتوں اور رحمتوں کی بارش؟ رسولِ خدا عائشہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔''

اُمِّ رومان رضی اللہ عنہا نے کہا: ''واہ واہ ! کتنی مبارک تقریب ہوگی یہ ! ذرا ٹھہرو ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی آجائیں۔''

پھر کچھ ہی دیر میں ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی آگئے۔ اور انھوں نے بڑی خوشی خوشی اس برکت کا خیر مقدم کیا۔

اس طرح حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی سودہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما سے کرادی۔ شادی سے ساتھیوں کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور زیادہ استوار ہو گیا۔

دونوں نکاح ہو گئے ۔ سودہ رخصت ہو کر آپ کے گھر چلی آئیں مگر عائشہ رضی اللہ عنہا ابھی چھوٹی تھیں۔ اس لیے چند سال بعد رخصت ہوئیں۔

==========

مشرکوں کی زیادتیاں پورے شباب پر تھیں۔ کیونکہ ابو طالب کی وفات ہوئی، تو قریش نے عہد کیا تھا:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم اس وقت تک ستاتے رہیں گے، جب تک وہ دعوتِ دین سے باز نہ آجائیں۔ یا ہماری تلواریں اُن کے خون سے رنگ نہ جائیں۔ اور ساتھیوں کا بھی ناک میں دم کیے رہیں گے، جب تک وہ اسلام سے بیزار نہ ہو جائیں۔ اور پھر آبائی دین کو نہ اپنالیں۔''

نبوت کا دسواں سال اور جمادی الاُخریٰ یا شوال کا مہینہ تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کی سختیوں سے تنگ آگئے اور صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کو روانہ ہوئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی بے چین تھے۔ اور پھر اس بے چینی میں تنہائی ! مت پوچھو، دل پہ کیا بیتی ہو گی ! اور پھر گئے بھی ایسا کہ سب بے خبر۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں گئے تھے؟ صرف اس لیے کہ شاید وہاں والے مدد کریں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اطمینان کا سانس لے سکیں۔

www.quranurdu.com

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے، تو معاملہ بر عکس تھا۔ مدد کرنا تو درکنار، انھوں نے اپنے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھہرانا بھی گوارا نہ کیا۔ پوری ہٹ دھرمی سے نبوت کا انکار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو جھٹلا دیا۔ اور بڑی بے شرمی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے رُخ پھیر لیا۔ کیونکہ ان کو بھی قریش کی طرح دینِ اسلام سے خطرہ تھا۔ طائف کی آب و ہوا اچھی تھی۔ وہاں کی سرزمین بالکل باغِ اِرم تھی۔ انگور اور دوسرے پھلوں کی پیداوار بے انتہا تھی۔ اس لیے اشراف قریش گرمیاں وہیں گزارتے۔ پھر عرب کا مشہور بت ''لات'' بھی وہیں تھا۔ جو کعبہ ہی کی طرح زیارت گاہِ خاص و عام تھا۔ ان خصوصیات کی وجہ سے طائف بھی عرب کی بہت خاص اور متبرک بستی تھی۔ ان کو ڈر تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امان دے دی، تو سارا قریش دشمن ہو جائے گا۔ اور پھر طائف کی ساری حیثیت اور مقبولیت خاک میں مل جائے گی۔

اب آپ کو اندیشہ ہوا کہ اگر اہل مکہ کو طائف کا ماجرا معلوم ہو گیا، تو وہ اور زیادہ مذاق اڑائیں گے اور ظلم و ستم میں پہلے سے بھی زیادہ بے باک ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہاں سے رخصت ہونے لگے۔ تو ثقیف (طائف کا ایک قبیلہ ہے) کے ایک سردار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم لوگوں نے میری بات تو نہیں مانی۔ لیکن کم از کم میرے معاملہ کو پوشیدہ رکھو۔''

لیکن وہ اس پر بھی راضی نہ ہوئے۔ پھر یہی نہیں۔ انھوں نے طائف کے بازاریوں اور اوباشوں کو بھی ابھار دیا۔ ان اوباشوں نے پوری بے دردی سے پائے مبارک پر پتھر برسانے شروع کر دیے۔ یہاں تک کہ جوتیاں خون سے بھر گئیں۔۔۔! جب آپ زخموں سے نڈھال ہو جاتے اور پتھر کھاتے کھاتے بے دم ہو جاتے، تو بیٹھ جاتے۔ مگر ظالموں کو اب بھی ترس نہ آتا۔ وہ ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے۔ ساتھ ہی گالیاں بھی دیتے اور تالیاں بھی بجاتے۔ اُف۔۔۔ ۔ دنیائے انسانیت کا کتنا عجیب اور المناک منظر تھا یہ!

وہ اَبرِ لطف جس کے سائے کو گلشن ترستے تھے
یہاں طائف میں اس کے جسم پر پتھر برستے تھے

اے محمد! پیغمبر میں جو جو پریشانیاں اُٹھائیں، دعوت کی راہ میں جو جو سختیاں جھیلیں، ان کے بدلہ میں اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو گیا!

آپ چلتے رہے۔ چلتے رہے۔ یہاں تک کہ بستی کے کنار پہنچ گئے۔ وہاں ایک بہت بڑا باغ تھا۔ جس میں انگور کی بہت سی بیلیں تھیں۔ جگہ جگہ خوشنما خوشے لٹک رہے تھے۔ آپ اسی باغ میں داخل ہو گئے۔ اس طرح کہیں جا کر جان چھوٹی!

نگاہیں بے اختیار آسمان کی طرف اُٹھ گئیں۔ آپ مولیٰ سے گڑگڑانے اور اپنی بے بسی کی فریاد کرنے لگے۔ کہ اس کی رحمت کو جوش آئے۔ اور آپ کو اپنے دامن میں لے لے۔ زبان مبارک پر یہ الفاظ لرز رہے تھے:

''اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَ قِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَ ھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ''

''خدایا! میں اپنی بے بسی، بے چارگی اور لوگوں میں بے وقعتی کی فریاد تجھی سے کرتا ہوں۔''

''یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۔ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَ اَنْتَ رَبِّیْ''

''اے رحمت کے بادشاہ! تو کمزوروں کا رب ہے۔ تو ہی میرا بھی رب ہے۔''

www.auraurdu.com

''اِلٰی مَنۡ تکلنی الی بعید یتجھمنی، اَو الی عدوّ ملکته امری ۔''

''تو مجھے کس کے حوالہ کر رہا ہے؟۔۔۔ کیا کسی بیگانے کے؟۔۔۔ جو مجھے دیکھ کر تیوری چڑھائے۔۔۔ یا کسی دشمن کے؟ جس کو تو نے مجھ پر قابو دے دیا ہو۔''

''اِنۡ لمۡ یَکُن بِكَ عَلٰی غَضَب فَلَا اُبَالِیۡ''

''خدایا! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں، تو پھر مجھے کوئی پروا نہیں۔''

''وَ لٰکِنۡ عَافیتك اوسع لی''

''لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ آرام دہ ہے!''

''اَعُوذُ بِنُورِ وَجۡهَكَ الَّذِیۡ اَشۡرَقت لَهُ الظُّلُمٰت وَ صلح عَلَیۡهِ اَمر الدُّنۡیَا والاٰخِرَة''

''میں پناہ چاہتا ہوں، تیرے چہرہ کے نور سے، جس سے ساری تاریکیاں کافور ہو گئیں۔۔۔ اور جس پر دونوں جہان کا نظام قائم ہے۔''

''من ان تنزل بی غضبك او تحل علی سخطك''

''میں پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ مجھ پر تیرا اعتاب ہو یا تو مجھ سے روٹھ جائے۔''

''لَكَ العَتبی حَتّٰی تَرضٰی''

''جب تک تو خوش نہ ہو جائے، تجھے منائے جانا ناگزیر ہے۔''

''وَ لَا حَوۡلَ وَ لَا قُوَّة اِلَّا بِكَ ۔''

''ساری طاقتیں اور ساری تدبیریں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔''

یہ باغ جس میں آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے تھے، وہ دو آدمیوں کا تھا اور وہ دونوں سگے بھائی تھے۔ ایک کا نام عُتبہ تھا، اور دوسرے کا نام شَیبہ، اور یہ رَبیعہ کے بیٹے تھے۔ دونوں نے اپنی آنکھوں سے ماجرا دیکھا تھا، اور وہ دردناک منظر ان کی نگاہوں میں تھا، جب کہ قوم کے غنڈے آپ پر پتھراؤ کر رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خون میں نہائے ہوئے۔ بڑی بے کسی اور بے قراری کے عالم میں آگے بڑھ رہے تھے۔ اس وجہ سے دونوں کو بڑا ترس آیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مظلومی پر ان کا دل بھر آیا۔ چنانچہ انھوں نے فوراً عیسائی غلام کو آواز دی اور بولے:

''عدّاس! باغ سے انگور کا خوشہ توڑو، اور ایک پلیٹ میں رکھ کر اس غریب کو دے آؤ، کہو، اسے کھالے۔''

عدّاس نے حکم کی تعمیل کی۔ وہ انگور لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور سامنے رکھتے ہوئے بولا: '' اسے کھا لیجیے''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کہتے ہوئے ہاتھ بڑھایا اور کھانے لگے۔ عدّاس ہکا بکا سا ہو گیا۔ حیران ہو کر بولا:

''خدا کی قسم! یہاں تو کبھی کسی زبان سے اس طرح کا فقرہ سنا نہیں!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم کس سرزمین کے ہو اور کس مذہب سے تعلق رکھتے ہو۔ تمہارا نام کیا ہے؟''

عدّاس نے جواب دیا: ''میں نینوا کا رہنے والا، عیسائی مذہب کا پیرو ہوں اور نام میرا عدّاس ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یونس بن متّٰی علیہ السلام کی بستی کے؟ وہ تو بہت نیک آدمی تھے۔''

www.quranurdu.com

یہ سن کر عدّاس کی حیرانی اور بڑھی۔ بڑی بے تابی سے بولا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے جان گئے، یونس بن متّٰی علیہ السلام کیا تھا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یونس میرے بھائی ہیں۔ وہ بھی نبی تھے۔ میں بھی نبی ہوں۔''

یہ سن کر عدّاس بے قابو ہو گیا، اور فوراً اس نے جھک کر آپ کے ہاتھ پیر چومے، اور سر مبارک کو بوسہ دیا۔

عُتبہ اور شیبہ یہ سب دیکھ رہے تھے اور سخت حیران تھے کہ ماجرا کیا ہے؟ پھر عداس لوٹ کر گیا تو وہ بولے:

''میاں عدّاس! اس آدمی کے ہاتھ پیر کیوں چوم رہے تھے؟''

عَدّاس نے جواب دیا: ''میرے آقا! روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی آدمی نہیں۔ اس نے ایک ایسی بات بتائی، جس کو بس نبی ہی بتا سکتا ہے!''

یہ سن کر وہ بولے: ''میاں عدّاس! اس کی باتوں میں آکر کہیں اپنا دین مت کھو بیٹھنا۔ تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ثقیف کی ہدایت سے بالکل مایوس ہو گئے اور ان سے مدد ملنے کی بھی کوئی امید نہ رہی، اس لیے اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کو خیر باد کہا اور صحرا میں تیز تیز قدم بڑھانے لگے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ مکہ کی طرف تھا۔ وہی مکہ جس کو قوم سے عاجز آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الوداع کہا تھا، اور اس آرزو میں نکلے تھے کہ اس کے علاوہ کوئی اور پناہ گاہ مل جائے، جو یہاں کی مظلومی اور بے کسی کا بدل بن سکے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آرزو بر نہ آئی۔

طائف اور مکہ کے درمیان ایک مقام ہے نخلہ [1]۔ چلتے چلتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھک گئے تو وہیں دم لینے کے لیے ٹھہر گئے۔ پھر جب رات کافی گزر گئی، اور ہر طرف سناٹا چھا گیا، تو اس پر سکون تنہائی میں آپ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے! اور بڑی شیریں اور پر سوز آواز سے قرآن پڑھنے لگے۔ اتفاق سے جنوں کی ایک جماعت کا اِدھر سے گزر ہوا۔ اس طرح قرآن پڑھنے کی آواز ان کے کانوں میں بھی آئی۔ ان کو یہ کلام بہت عجیب معلوم ہوا، اور وہ ٹھہر کر سننے لگے۔ پھر خدا کی توفیق شاملِ حال ہوئی اور ان کو ہدایت نصیب ہو گئی۔ چنانچہ وہ لوٹ کر اپنی قوم میں آئے اور بولے:

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا اَحَدًا (الجن:1-2)

''ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ وہ سیدھا راستہ دکھاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہر گز کسی کو اپنے رب کا ساجھی نہیں ٹھہرائیں گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے سناٹے میں قرآن پڑھ رہے تھے۔ اور جنوں کا یہ گروہ بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا، اور اثر لے رہا تھا۔ بالآخر وہ ایمان بھی لے آیا۔ اور اپنی قوم کو جا کر ہوشیار بھی کیا۔ لیکن آپ بالکل بے خبر رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے خود خبر دی:

وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ (احقاف:29)

''اور یاد کرو جب ہم نے کچھ جنوں کا رخ تمہاری طرف پھیر دیا کہ وہ قرآن سن لیں تو جب وہ اس کے پاس پہنچے، تو آپس میں کہنے لگے، چپکے رہو اور کان لگا کر سنو۔ پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ اپنی قوم کو ہوشیار کرنے کے لیے لوٹے۔''

---

[1] نخلہ مکہ اور طائف کے بیچ میں ہے۔ مکہ سے ایک دن اور ایک رات کی مسافت ہے۔

ادھر قریش کو طائف کا سارا حال معلوم ہو چکا تھا اور انہیں خبر ہو گئی تھی، کہ آپ کو وہاں کس طرح ناکامی ہوئی، اور ثقیف کے اَوباشوں نے کس بے دردی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیفیں پہنچائیں۔ اس پر وہ بہت خوش تھے اور آپ کا خوب مذاق اُڑا رہے تھے۔ نیز انھوں نے باہم قسمیں کھائیں:

''اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر لوٹ کر مکہ آیا، تو جب تک اس کو مار نہ لیں گے، چین سے نہ بیٹھیں گے۔''

کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ثقیف کی ناکامی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوصلے پست کر دے گی اور سارے جوش و جذبہ کو سرد کر دے گی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قابو پانا آسان ہو گا، اور موت کے گھاٹ اُتارنا بائیں ہاتھ کا کھیل ہو گا۔

قریش کی یہ سازشیں تھیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل بے خبر تھے۔ چنانچہ آپ نخلہ سے مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ مگر حسن اتفاق! حراء نامی ایک مقام پر پہنچے تو قریش کے کچھ لوگ مل گئے۔ اس طرح آپ کو سب معلوم ہو گیا کہ قریش کے کیا کیا ارادے اور منصوبے ہیں؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی میں سے ایک سے فرمایا:

''کیا قریش کو میرا ایک پیغام پہنچا سکتے ہو؟''

آدمی نے کہا: ''جی ہاں، ضرور۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شریق کے بیٹے اَخنس کے پاس جاؤ، اور ان سے کہو کہ محمد نے پوچھا ہے کیا آپ مجھے پناہ دے سکتے ہیں؟ کہ میں لوگوں تک رب کا پیغام پہنچا سکوں۔''

وہ جا کر اَخنس سے ملا اور آپ کا پیغام سنایا۔ اَخنس نے کہا:

''میں تو قریش کا حلیف ہوں۔ ان سے میرا معاہدہ ہے بھلا ان کے خلاف میں کیسے پناہ دے سکتا ہوں؟''

وہ لوٹ کر آپ کے پاس آیا، اور اَخنس سے جو بات ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دہرا دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا دوبارہ زحمت کرو گے؟''

آدمی نے کہا: ''جی ہاں!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ذرا عمرو کے بیٹے سہیل کے پاس چلے جاؤ اور ان سے بھی یہی پوچھو کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو امان دے سکتے ہو کہ وہ آزادی سے رب کا پیغام پہنچا سکے؟''

وہ پیغام لے کر سہیل کے پاس پہنچا، تو سہیل نے جواب دیا:

''قبیلہ عامر بن لویّ آلِ کعب کے خلاف امان نہیں دے سکتا۔''

وہ آدمی پھر لوٹ کر حراء آیا اور سہیل نے جو کچھ کہا تھا آپ کو بتا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا، ایک بار پھر زحمت اُٹھاؤ گے؟''

آدمی نے کہا: ''جی ہاں، فرمایئے!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' اس بار عدی کے بیٹے مطعم کے پاس جاؤ اور ان سے یہی درخواست کرو۔''

چنانچہ وہ مطعم[1] کے پاس گیا اور پوچھا: '' کیا آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو امان دیں گے؟''

---

[1] مطعم نے غزوۂ بدر سے پہلے وفات پائی۔ اس وقت تک وہ اسلام نہیں لایا تھا۔

www.quranurdu.com

مطعم نے جواب دیا: ''ہاں، وہ ضرور آئیں۔''

پھر صبح ہوئی تو مطعم خود تیار ہوا۔ اور بیٹوں، بھتیجوں کو بھی تیاری کا حکم دیا کہ مکہ میں داخل ہوتے وقت اگر کوئی چھیڑ چھاڑ کرے، تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کر سکے چنانچہ سب نے جنگی لباس تبدیل کر لیے۔ کمر سے تلواریں لٹکا لیں، ہاتھوں میں برچھیاں لے لیں اور کعبہ کی طرف بڑھے۔ اس وقت قریش وہاں موجود تھے ابو جہل بھی وہیں موجود تھا۔ دیکھتے ہی وہ بولا:

''کیوں مطعم! امان دی ہے یا ایمان لے آئے؟''

مطعم نے کہا: ''اَمان دی ہے۔''

ابو جہل بولا: '' جس کو تم نے امان دی، اس کو ہم نے بھی امان دی۔''

اس طرح رسولِ خدا مکہ میں داخل ہوئے اور چونکہ مُطعم اَمان دے چکا تھا۔ کوئی کچھ نہ بولا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کی غرض سے سیدھے کعبہ گئے۔ اس وقت قریش بھی وہیں جلسہ جمائے بیٹھے تھے۔ ان میں کچھ ہاشمی بھی موجود تھے۔ ابو جہل نے آپ کو دیکھا تو ان پر یہ فقرہ چست کیا:

''آلِ مناف! تمہارا نبی ہے یہ!''

رَبیعہ کا بیٹا عتبہ بھی وہیں موجود تھا۔ یہ بھی ہاشمی تھا اور ابھی تک قریش ہی کے مذہب پر تھا۔ جھٹ بولا:

''اگر ہم میں کوئی نبی ہو جائے، یا کسی کو بادشاہت مل جائے، تو اس میں جلنے کی کیا بات ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں سنیں، تو قریب آئے اور فرمایا: ''تعجب ہے عتبہ! خدا اور رسول کے لیے تو غیرت نہ آئی پر اپنے لیے آگئی۔''

پھر ابو جہل سے فرمایا: ''سن لو اَبو جہل! وہ وقت آرہا ہے، ہاں بہت تیزی سے آرہا ہے۔ جب ساری ہنسی غائب ہو جائے گی اور تم خون کے آنسو روؤ گے۔''

پھر اَوروں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: ''قریش کے سردارو! تم بھی سن لو۔ کان کھول کر سن لو۔ وہ دن دُور نہیں جب تم چار و ناچار بہت ہی ہولناک انجام سے دوچار ہو گے۔''

ان باتوں سے قریش کتنا تلملائے ہوں گے؟ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ لیکن مطعم آپ کو پناہ دے چکا تھا، اس لیے وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

اب قریش سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ہٹ گئی، اور آپ نے دوسرے قبیلوں کا رخ کیا۔ ان کے گھروں پر گئے۔ ان کی چوپالوں میں گئے۔ ان کی بستیوں اور بازاروں میں گئے۔ جا جا کر انھیں اللہ کی طرف بلایا، اپنے نبی ہونے کا یقین دلایا۔ ایمان لانے اور پیروی کرنے پر اکسایا، مدد کرنے اور ساتھ دینے پر ابھارا، تاکہ آپ اللہ کا پیغام پہنچا سکیں اور گمراہ انسانوں کو سیدھی راہ پر لگا سکیں۔

==========

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک چچیری بہن تھیں، ہند۔ یہ ابو طالب کی بیٹھی تھیں اور لوگوں میں اُمِّ ہانی کے نام سے مشہور تھیں۔ نبوت کا دسواں سال اور رجب کا مہینہ تھا۔ ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہی کے گھر سوئے۔ حسب معمول طلوع فجر سے پہلے آنکھ کھل گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت اُٹھ گئے۔ ساتھ ہی وہ بھی اُٹھ گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا۔ نماز ادا کی، پھر ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"اُمِّ ہانی! عشاء کی نماز میں نے یہیں پڑھی تھی، تمہارے ساتھ۔ تم نے تو دیکھا ہی تھا۔ پھر میں بیت المقدس گیا۔ وہاں نماز پڑھی۔ پھر درمیانِ شب بیت المقدس میں پڑھی! پھر اس وقت کی ہمارے ساتھ پڑھی۔ آخر یہ کیونکر ہوا؟

چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر بیٹھ گئیں اور بولیں:

"ذرا تفصیل سے بتائیے، کیا کیا ہوا؟ اور کیسے ہوا؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" اُمِّ ہانی! میں سو رہا تھا کہ یکایک محسوس ہوا، جیسے کوئی جگا رہا ہے۔ چنانچہ میری آنکھ کھل گئی۔ اب جو دیکھا تو چھت شق تھی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام میرے پاس تھے، اور یہ بالکل پہلا اتفاق تھا۔ اس سے پہلے تو وہ کبھی اس طرح آئے نہیں۔ وہ جب کبھی آتے تو سامنے سے آتے۔ غرض آتے ہی انھوں نے ہاتھ پکڑا، اور مجھ کو لے کر کعبہ کی حطیم کے پاس آئے۔ پھر وہاں لٹا کر میرا سینہ چاک کیا اور سونے کی ایک پلیٹ جو ایمان و حکمت سے لبریز تھی۔ میرے سینہ میں انڈیل دی۔ پھر سینہ بند کر دیا۔ اس کے بعد ایک بہت سفید جانور تھا، جو خچر سے ذرا چھوٹا اور گدھے سے کچھ بڑا تھا۔ اس پر ہم دونوں سوار ہو گئے۔ اور چشم زدن میں بیت المقدس پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر میں نے نماز پڑھی۔ میرے پیچھے سارے نبیوں نے بھی پڑھی۔"

اُمِّ ہانی بڑے غور سے یہ عجیب و غریب واقعہ سنتی رہیں اور اس وقت جہاں انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا احساس ہوا۔ وہیں کچھ خطرہ کا بھی اندیشہ ہوا، بولیں:

"میرے بھائی! یہ کسی اَور سے نہ بیان کیجیے گا۔ ورنہ جو ایمان لائے ہیں وہ بھی کانوں پر ہاتھ دھر لیں گے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں نہیں۔ میں تو قریش سے بھی بیان کروں گا۔"

وہ بولیں: "میرے بھائی! قسم دے کر کہتی ہوں، قریش سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل نہ بیان کیجیے ورنہ وہ فوراً جھٹلا دیں گے اور الٹا نقصان پہنچائیں گے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں نہیں، میں تو ان سے بھی بیان کر کے رہوں گا۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر قریش کی مجلسوں میں جانے لگے۔ اس وقت اُمِّ ہانی سے اور کچھ تو بن نہ پڑا۔ ہاں اپنی ایک لونڈی کو بھی آپ کے ساتھ کر دیا، کہ جا کر دیکھے اور جو کچھ ہو آکر اس کی اطلاع دے۔

آپ سیدھے کعبہ پہنچے، دیکھا تو قریش کے کچھ لوگ وہاں بیٹھے ہوئے تھے، جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے پاس بیٹھ گئے، کہ جو کچھ دیکھا تھا، ان سے بیان کریں۔ لیکن پھر سوچا، تو کچھ تردّد ہوا، اور آپ ایک گہری سوچ میں ڈوب گئے:

www.quranurdu.com

''یہ واقعہ بیان کروں گا، تو اس کا انجام کیا ہو گا؟ کیا لوگ میری بات مان لیں گے؟ یا مجھے جھٹلا دیں گے؟ اور کیا میں انھیں پورا واقعہ سنا دوں؟ کیا ان سے کہوں کہ میں رات بیت المقدس گیا تھا، اور کیا یہ بھی بتا دوں کہ وہاں سے پھر آسمانی بادشاہت کی سیر کرنے گیا تھا! یا صرف اتنا ہی بتاؤں جتنا اُمّ ہانی کو بتایا ہے!''

بہت دیر ہو گئی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں ہی بیٹھے رہے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو قسم کی کیفیات طاری تھیں:

ایک طرف تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہشاش بشاش تھے۔ چہرہ مبارک خوشی دمک رہا تھا، کہ میرے رب نے مجھے کیسی کیسی نعمتوں سے نوازا ہے۔ اور میری کتنی عزت افزائی کی ہے! ایک ہی رات میں خانہ کعبہ سے بیت المقدس کی سیر کرائی پھر وہاں سے بلند آسمانوں کی معراج بھی۔ جہاں کہ عرش الٰہی ہے اور جہاں خدا کی بادشاہت ہے۔ دوسری طرف اندیشوں کا ایک طوفان تھا جو اُمڈ آرہا تھا۔ رَہ رَہ کر خیال آتا: '' قریش کو جب یہ سناؤں گا، تو وہ تو وہ میرا مذاق اُڑائیں گے۔ مجھ کو جھوٹا سمجھیں گے۔ حالانکہ میں تو چاہتا ہوں کہ پروردگار کی جس عظمت کا خود مشاہدہ کیا ہے، اسے ان سے بھی بیان کروں اور خدا کی جن نشانیوں کو میری آنکھوں نے دیکھا ہے، ان سے ان کو بھی آگاہ کروں۔''

اس خیال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بڑی بے چینی تھی۔ چنانچہ آپ سر جھکائے چپ چاپ بیٹھے رہے۔ حالانکہ کعبہ میں اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہ بیٹھتے تھے۔

اوروں نے بھی دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عادت کے خلاف چپ چپ سے بیٹھے ہیں۔ ابو جہل بھی وہیں تھا اور عَدَی کا بیٹا مطعم بھی۔ ابو جہل نے چہرہ اترا ہوا دیکھا تو اُٹھ کر قریب آیا، اور بولا:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہوا؟ آج کوئی نئی بات تو نہیں!''

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بات کہنے کا موقع مل گیا۔ فرمایا: ''ہاں! آج رات مجھے سیر کرائی گئی ہے۔''

ابو جہل نے کہا: ''کہاں تک؟''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بولے: ''بیت المقدس تک''

ابو جہل کی ہنسی چھوٹی پڑ رہی تھی اور قریب تھا کہ وہ زور کا قہقہہ لگاتا، لیکن اس نے ضبط سے کام لیا۔ کیونکہ یہ بات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناکام کرنے اور لوگوں کی نظروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشتبہ بنانے کے لیے ایک کامیاب ہتھیار بن سکتی تھی۔

اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حوصلہ بڑھایا۔ بولا: ''اچھا، اگر اَوروں کو بھی بلا لوں تو کیا ان سے بھی یہ باتیں بیان کر دو گے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں۔''

ہاں سننا تھا کہ ابو جہل نے زور سے آواز لگائی: ''اے آلِ کعب بن لویّ!''

فضا کو چیرتی ہوئی یہ آواز کانوں سے ٹکرائی اور آناً فاناً سارے لوگ اکٹھا ہو گئے:

''ابو الحکم! کیا بات ہے، کیا بات ہے؟''

اب اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا کہ: ''جو ابھی سنایا ہے، ذرا لوگوں کو بھی سنا دو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

www.quranurdu.com

''آج رات بُراق نامی ایک جانور آیا۔ اس پر بیٹھ کر میں نے بیت المقدس کی سیر کی، وہاں پہنچا تو نبیوں کی جماعت آئی۔ ان میں ابراہیم علیہ السلام بھی تھے۔ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام بھی تھے۔ میں نے ان سب کی امامت بھی کی۔''

یہ سن کر اکثر بے قابو ہو گئے، اور ایک زور کا قہقہہ بلند ہوا۔ ابو جہل بولا (تمسخر کے انداز میں)

''اچھا سارے نبی زندہ کر کے تمہارے پاس لائے گئے تھے؟ ذرا ان کا حلیہ تو بیان کرو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عیسیٰ علیہ السلام نہ تو پستہ قد ہیں، اور نہ زیادہ لانبے۔ سینہ چوڑا ہے۔ جسم سے خون ٹپکا پڑتا ہے۔ سر کے بال سرخی مائل ہیں۔ موسیٰ کا جسم بھاری بھرکم اور سانولا ہے اور قد لانبا ہے، اور خدا کی قسم ابراہیم علیہ السلام سب سے زیادہ مجھ سے مشابہ ہیں۔ صورت میں بھی، سیرت میں بھی۔''

سب نے دانتوں تلے انگلیاں دبالیں کہ محمد یہ کیا کہہ رہے ہیں!

کیا یہ واقعی سچ ہے، یا جھوٹ اور من گھڑت ہے۔

اس طرح کچھ دلوں پر تو آپ کی عظمت اور بڑائی کا سکہ بیٹھ گیا۔ کچھ لوگوں کی عقلیں حیران اور ذہن پریشان ہو گئے۔ کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے اور مذاق اڑانے میں لگ گئے، اور کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز دوست ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے کہ ان کو بھی یہ عجیب و غریب خبر سناویں! بولے:

''ابو بکر رضی اللہ عنہ! ذرا اپنے جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی تو سنو۔ کہتے ہیں کہ آج رات مجھ کو بیت المقدس کی سیر کرائی گئی ہے۔''

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا انھوں نے کہا ہے؟''

وہ بولے: ''جی ہاں۔''

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر انھوں نے کہا ہے، تو یقیناً سچ کہا ہے۔''

وہ بولے: ''یہ بھی کوئی یقین میں آنے والی بات ہے! وہ بیت المقدس گئے، اور صبح سے پہلے ہی لوٹ آئے؟''

انھوں نے فرمایا: ''بے شک۔ یہی کیا؟ مجھے تو اس سے بھی زیادہ عجیب عجیب باتوں پر یقین ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رات یا دن کا کوئی بھی وقت ہو، آسمان سے میرے پاس ذرا سی دیر میں خبریں آجاتی ہیں اور مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں۔ بتاؤ، یہ کتنی عجیب بات ہے؟''

پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں تھے۔ اور مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ رہے تھے:

''محمد! اب تک تو ہمیں کچھ شبہ تھا۔ لیکن آج پتہ چل گیا کہ تم واقعی جھوٹے ہو اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کے ہر بات کہتے ہو ہم لوگ تو اونٹوں پر جاتے ہیں، تو ایک مہینہ پہنچنے میں لگتا ہے، اور ایک مہینہ واپسی میں اور تم کہتے ہو کہ ایک ہی رات میں گئے بھی، اور واپس بھی آگئے؟ لات و عزّٰی کی قسم! ہم کبھی نہیں مان سکتے۔ یہ تو جھوٹ ہے بالکل جھوٹ۔''

ابو بکر رضی اللہ عنہ بول اُٹھے: محمد صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹ نہیں بولتے۔ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچ کہہ رہے ہیں۔''

مطعم بولا: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ذرا بیت المقدس کا نقشہ تو بیان کرو۔''

www.quranurdu.com

ابو بکر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ مطعم آپ کو زچ کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ ان کی خواہش ہوئی کہ آپ بیان کر دیں، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا ہونا ثابت ہو جائے۔ عرض کیا: ''اللہ کے رسول! بیان کر دیجیے۔ میں تو وہاں جا چکا ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے تکلف وہاں کا نقشہ بیان کرنے لگے۔ حالانکہ اس سے پہلے آپ وہاں کبھی نہ گئے تھے۔ وہاں جتنے نشانات اور جتنی علامتیں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب بیان کر دیا، آپ بیان کر رہے تھے اور لوگ چپ چاپ حیرت کی تصویر بنے سن رہے تھے۔

لیکن ابھی بات ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ ان کی ہٹ دھرمی پھر جاگ اُٹھی اور وہ شک کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولے:

''ضرور کسی نے تم کو یہ سب بتلا دیا ہے۔ کوئی اور روشن دلیل لاؤ۔''

اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستے جن جن چیزوں سے گزرے تھے، ان کو بیان کرنے لگے: فرمایا:

''فلاں فلاں قافلے سے میری ملاقات ہوئی۔ فلاں فلاں بستیوں سے میں گزرا۔ فلاں فلاں اونٹنیاں میں نے دیکھیں۔ اتنے قافلے عنقریب ہی پہنچنے والے ہیں اور اتنے ابھی کچھ فاصلہ پر ہیں۔ پھر ان قافلوں کے ساتھ یہ یہ سامان ہیں اور ان کے جانور ایسے ایسے ہیں۔''

مشرکوں نے کہا: ''تمہاری باتوں پر یونہی کیسے یقین آ جائے گا۔ ذرا ٹھہرو قافلوں کو آ لینے دو۔ ان سے بھی پوچھ لیں کہ وہ اس رات کہاں تھے؟ اور جو جو علامتیں تم بتا رہے ہو، ذرا اپنی آنکھوں سے بھی ہم دیکھ لیں۔''

اسی وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ بول اٹھے:

''اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا، سچ فرمایا: اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر جھکا لیا، اور کچھ دیر یونہی رہے۔ پھر سر مبارک اُٹھایا، اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا:

''ابو بکر رضی اللہ عنہ! اللہ نے تم کو ''صدیق'' کا خطاب دیا ہے۔''

پھر مجلس برخاست ہو گئی اور لوگ اِدھر اُدھر پھیل گئے۔ لیکن اب جہاں دیکھئے یہی چرچا تھا۔ اور جدھر دیکھئے، اس کا تذکرہ تھا۔ اب جہاں دو آدمی ملتے اس طرح کی باتیں کرتے۔

کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟ کیا عقل یہ باور کرتی ہے؟ کیا اتنی دیر میں اتنے دُور کی سیر ممکن ہے؟ کیا خبر، محمد نے جھوٹ کا پل باندھا ہو!

ابھی چند دن بھی نہ گزرے تھے اور ہر طرف اس قسم کی چہ میگوئیاں ہو ہی رہی تھیں کہ وہ قافلے آ پہنچے۔ دیکھا گیا، تو سامان وہی تھے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے تھے اور جانور بھی بالکل ویسے ہی تھے۔

تو کیا مشرکوں نے اب آپ کے سامنے سر جھکا دیا؟ نہیں۔ ان کی ہٹ دھرمی کو اور جوش آ گیا۔ وہ بولے:

''مغیرہ کے بیٹے ولید نے کہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جادوگر ہے۔ اس نے کوئی غلط تھوڑی کہا تھا۔ دیکھو، ان باتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ واقعی سچی بات کہی تھی اس نے!''

مشرکوں کی مجلس برخاست ہو گئی تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مخلص ساتھیوں میں بیٹھے، اور اللہ نے جن جن بڑی نعمتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نوازا تھا، ان کا تذکرہ کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس سے آسمان پر جانے کا حال سنایا۔ وہاں قدرت کے جو جو جلوے دیکھے تھے، ان کو بیان فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا، کہ اس طرح حضرت جبریل مجھے پہلے آسمان پر لے گئے۔ وہاں انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ملے۔ حال یہ تھا کہ جب دائیں دیکھتے تو کھل اُٹھتے اور ہنسنے لگتے۔ اور بائیں

www.quranurdu.com

طرف دیکھتے تو مارے غم کے آنسو بھر لاتے، کیونکہ دائیں طرف نیک اولاد کے اعمال تھے اور بائیں طرف بد کے۔ حضرت آدم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو بولے: ''خوش آمدید اے نیک نبی! اے نیک فرزند!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''جبریل! یہ کون ہیں؟''

انھوں نے جواب دیا: ''یہ آدم علیہ السلام ہیں، سارے انسانوں کے باپ''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ دوسرے آسمان پر لے گئے، پھر تیسرے پر، اسی طرح وہ آگے بڑھتے رہے اور ہر آسمان پر یہ دلنواز فقرے کانوں میں گونجتے رہے: ''خوش آمدید اے نیک نبی! اے نیک بھائی!''

یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمان پر پہنچ گئے۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام ملے۔ دیکھتے ہی وہ بولے:

''خوش آمدید اے نیک نبی! اے نیک فرزند!''

پھر آگے بڑھے اور آگے اور آگے۔ راہ میں جمال کے جلوے دیکھے اور جلال کے بھی۔ ہزاروں فرشتے بھی نظر آئے۔ جو سجدہ و تسبیح میں مصروف تھے۔ بڑھتے بڑھتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرش الٰہی کے قریب پہنچ گئے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور امت پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ پھر واپس ہوئے تو حضرت موسیٰ کے یہاں سے آپ کا گزر ہوا، دیکھتے ہی انھوں نے پوچھا:

''کہیے، کیا فرض ہوا امت پر؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پچاس نمازیں۔''

موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوٹ کر جایئے اور رب سے کمی کی درخواست کیجیے چنانچہ آپ گئے اور کمی کی درخواست کی اس طرح اللہ تعالیٰ نے آدھی نمازیں کم کر دیں۔''

واپسی میں پھر حضرت موسیٰ سے آپ کی ملاقات ہوئی، انھوں نے سنا تو فرمایا:

''پھر جایئے اور کمی کی درخواست کیجیے، اتنی نمازیں بھی امت پر گراں ہوں گی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر لوٹ کر گئے، اور کمی کی درخواست کی، اللہ نے درخواست قبول کی اور کچھ نمازیں پھر کم کر دیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا، تو فرمایا: ''ایک بار اور جایئے اور مزید کمی کی درخواست کیجیے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر تشریف لے گئے تو اللہ نے اس بار پانچ نمازیں کر دیں اور فرمایا:

''یہ پانچ نمازیں ہیں لیکن ثواب ان کا پچاس کا ہے، میرے فیصلے بدلا نہیں کرتے۔''

پوری رات گزر گئی، اور مخلص ساتھی بیٹھے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان پر جو جو مناظر دیکھے تھے اور خدا کی قدرت کے جو جو جلوے نظر آئے تھے۔ پوری دلچسپی سے بیان فرما رہے تھے اور ساتھی مزے لے لے کر سن رہے تھے۔ آپ نے جنت میں جو کچھ دیکھا تھا، وہ بھی بیان فرمایا اور نیک ساتھیوں کو مژدہ بھی سنایا، کہ:

''جنت میں یہ یہ نعمتیں ہیں، جو تمہارے انتظار میں ہیں۔''

==========

www.quranurdu.com

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

اور۔۔۔"کارواں" بنتا گیا!

- واقعۂ معراج اور کمزور انسان۔
- رسولِ خدا کی قافلوں سے ملاقات
- چند سعید روحیں اسلام کی روشنی میں
- عیسائیوں کا ایک وفد اور اس کا تاثر
- قبائل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دورہ
- اَوس و خزرج کی خانہ جنگی۔
- اسلام کی کرنیں قبیلہ خزرج میں۔
- بیعت عقبہ اوّلیٰ
- مدینہ میں ماہِ اسلام کی تابانی
- چچا عباس کی تقریر
- اہل مدینہ کا جوش وولولہ
- بیعت عقبۂ ثانیہ
- مشرکین کی بوکھلاہٹ
- مدینہ میں نئی زندگی کی صبح

www.quranurdu.com

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (حٰم السجدہ:34)

''برائی کو نیک برتاؤ سے ٹال دیا کیجیے، پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی، وہ ایسا ہو جائے گا جیسے کوئی دلی دوست۔''

ظلمتوں کے طوفان میں کیا کرنا چاہیے؟ دشمنوں سے کیسا برتاؤ ہونا چاہیے اور بیزار دلوں میں اسلام کو کیسے بسانا چاہیے؟ یہ آیت ان ہی سوالات کا جواب ہے۔ خدائے دانا نے فرمایا:

''اے نبی! ایسے نازک وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ہی ہوشیاری اور حکمت سے کام کرنا ہے۔ دشمنوں سے بات کیجیے، تو بہت ہی میٹھے انداز میں۔ اعتراضات کے جواب دیجیے تو بہت ہی سنجیدہ لہجہ میں۔ کچھ سمجھایئے تو انتہائی پیار و محبت کے پیرایہ میں، اور اگر وہ ظلم و ستم کے پہاڑ توڑیں تو صبر کیجیے، کیونکہ جو صبر کرتا ہے، اللہ اس کی مدد کرتا ہے۔''

معراج کا حیرت ناک واقعہ ایسا نہ تھا کہ اسے لوگ سنتے اور بھول جاتے کہ یہ دراصل مومنین کے لیے ایک عظیم خوشخبری تھی اور مشرکین کے لیے نہایت زبردست خطرے کی گھنٹی! یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کھلا ہوا اعلانِ جنگ کر دیا۔ اور طے کر لیا کہ کسی کے ساتھ ذرا بھی رورعایت نہیں کریں گے۔ مسلمانوں سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے اور انھیں گھیر گھیر کر ستاتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ وہ گھبرا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دیں اور اُن کی دعوت اور تعلیمات سے بیزار ہو جائیں۔

رسولِ خدا ساری اذیتیں جھیلتے رہے، اور ان کے لیے سراپا خیر و رحمت بنے رہے۔ عرب میں تین بہت مشہور بازار تھے۔ بازار عکاظ، بازار مجنّہ، بازار ذی مجاز۔ حاجی ہر سال مکہ جانے سے پہلے ان بازاروں میں جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف لے جاتے اور ان سے ملاقات کرتے۔ منیٰ اور عقبہ جاتے ہوئے بھی حاجیوں کے قافلے جس جگہ ٹھہرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں جا کر ان سے ملتے اور ان کو دین کی دعوت دیتے اور قرآن کی وہ آیتیں سناتے۔ جن میں شرک کے انجام بد کے ڈراوے اور ایمان کے حسن انجام کے وعدے ہوتے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مدد کے لیے کہتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ قریش کی بدسلوکیوں سے نجات مل جائے تاکہ آپ آزاد ہو کر دین کی دعوت دے سکیں اور رب کا بھیجا ہوا پیغام پہنچا سکیں۔

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دعوت دیتے اور لوگوں کو دین کی طرف بلاتے رہیں، یہ قریش کو کب گوارا تھا؟ جاں نثاروں کی تعداد بڑھے اور مددگاروں میں اضافہ ہو، یہ انھیں کب برداشت تھا؟ چنانچہ آپ کہیں جاتے تو ابو لہب یا دوسرے غنڈے بھی پیچھے ہو لیتے اور کسی کو دعوت دیتے، تو یہ فوراً تردید کرتے اور ہونٹ چباتے ہوئے کہتے:

''بھائیو! یہ تو جھوٹا ہے، جادوگر ہے۔ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ دیکھو، اس کی باتوں میں ہرگز نہ آنا۔ اس کی ایک نہ سننا۔''

www.qurandu.com

چنانچہ قافلے والوں نے کانوں پر ہاتھ دھر لیے۔ برا بھلا کہا، اور چہرے پھیر لیے۔ سینکڑوں انسانوں میں بس چند ہی ایسے تھے، جنھوں نے آپ کی باتیں سنیں اور تسلیم کیں۔ انہی خوش نصیبوں میں طفیل دَوسی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ بہت اونچے گھرانہ کے شاعر تھے۔ عقل و خرد سے بھی بہرہ ور تھے۔ حج کی غرض سے کعبہ آئے تو قریش نے کان بھر دیے اور آپ سے دور رہنے کی تاکید، ان کو قریش کی باتوں پر یقین آگیا اور طواف کرنے چلے، تو کان بند کر لیے کہ مبادا آپ کی کوئی بات سن لیں۔ وہاں آئے تو آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ طواف کے دوران پاس سے گزر ہوتا تو کانوں میں کوئی نہ کوئی آیت پڑ ہی جاتی۔ غور کیا، تو وہ آیتیں بہت بھلی لگیں۔ دل میں سوچا:

"اُف، میری نادانی!! میں تو ایک نامور شاعر ہوں۔ عقل و ہوش سے مالا مال ہوں۔ خوب و ناخوب میں خوب تمیز کر سکتا ہوں۔ پھر اس کی باتیں نہ سننے کے کیا معنی، اچھی ہوئیں تو بہتر ہے ورنہ ٹھکرا دوں گا۔"

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر آنے لگے تو وہ بھی ساتھ ہو لیے اور انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پوری داستان سنائی۔ پھر آپ نے قرآن سنایا۔ قرآن سننا تھا کہ دل بکھل گیا اور انہیں ایک قسم کی ٹھنڈک اور راحت محسوس ہوئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی۔ فوراً دعوت پر لبیک کہا، اور عرض کیا:

"اللہ کے رسول! قبیلہ کا دل میرے ہاتھ میں ہے۔ ہر ایک مجھ پر جان دیتا ہے، اور کوئی بات کہوں، تو اسے ماننا اپنے لیے فخر سمجھتا ہے، جاتا ہوں، میں ان کو بھی اسلام کی دعوت دوں گا۔"

چنانچہ وہ لوٹ کر گھر آئے اور گھر والوں کو اسلام کی دعوت دی۔ سب کو ان پر اطمینان تھا ہی۔ وہ لوگ فوراً تیار ہو گئے اور اسلام لے آئے بعد میں قوم بھی مسلمان ہو گئی۔

www.quranurdu.com

سارے عرب میں آپ کا چرچا ہو گیا۔ عیسائیوں کو معلوم ہوا، تو انھوں نے آپ کے پاس چھان بین کے لیے ایک وفد بھیجا۔ آپ نے ان کو قرآن کی چند آیتیں سنائیں۔ سنتے ہیں ان کے دل ڈہل گئے اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اب ایک لمحہ کی بھی تاخیر گوارا نہ تھی۔ وہ فوراً ایمان لے آئے اور جو کچھ آپ نے کہا، اس کو تسلیم کیا اور مسلمان ہو کر واپس ہوئے۔

راستہ میں ابوجہل اور کچھ قریش مل گئے۔ دیکھتے ہی وہ غرائے:

"اللہ تمھیں غارت کرے۔ قوم نے بھیجا تھا کہ حقیقت کی چھان بین کرو، اور صحیح بات کا سراغ لگاؤ۔ لیکن تمھارا یہ حال! بیٹھے بھی نہیں کہ اس کے جادو میں آ گئے۔ ارے، اپنا دین کھو بیٹھے۔"

مگر وفد نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور سب سنی ان سُنی کر دی۔ ایمان کی دولت پا کر ان کا دل خوشی سے معمور تھا اور وہ بے تابانہ بڑھے چلے جا رہے تھے، کہ قوم کو نئے دین کی خوشخبری سنائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سن کر جو لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے، اور پھر اس دولت سے خوب مالا مال ہوئے، ان میں صامت کے بیٹے سوید بھی ہیں۔ یہ مدینہ کے بہت معزز لوگوں میں تھے۔ شاعری میں ماہر اور بہادری میں طاق تھے۔ خاندانی اعتبار سے بھی اونچا درجہ رکھتے تھے۔ اس لیے قوم کے لوگ ان کو "کامل" کہتے۔ یہ حج کی غرض سے مکہ آئے۔ آپ کو خبر ہوئی، تو ان کے پاس تشریف لائے۔ ان کے سامنے اسلام کی تعلیمات رکھیں اور خدا پرستی کی دعوت دی۔ سوید نے کہا:

''شاید جو میرے پاس ہے، وہی آپ کے پاس بھی ہے۔''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا ہے آپ کے پاس؟''

سوید نے کہا: ''حکیم لقمان کی حکمتیں!''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ذرا کچھ سنایے تو۔''

سوید کو جتنی حکمتیں معلوم تھیں، سب سنا دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غور سے سنتے رہے۔ پھر فرمایا:

''یہ تو بہت اچھی ہیں۔ لیکن جو میرے پاس ہے، وہ اور بہتر ہے۔ میرے پاس قرآن ہے، خدا کی آخری کتاب۔ جو سراپا نور و ہدایت ہے۔''

پھر آپ نے ان کو قرآن سنایا اور نئے دین کی دعوت دی۔ سوید بہت متاثر ہوئے۔ بے اختیار ان کی زبان سے نکلا:

''یہ تو بہت عمدہ ہے۔''

اس کے بعد سوید مدینہ لوٹ آئے جو کچھ سنا تھا وہ ذہن میں محفوظ تھا۔ اسے وہ بار بار سوچتے رہے۔ پھر بعد میں قتل ہوئے تو مسلمان تھے قصہ یہ ہوا کہ مدینہ میں یہود بھی آباد تھے۔ یہ لگانے بجھانے اور چالیں چلنے میں ماہر تھے۔ اسی کا کرشمہ تھا کہ اَوس و خزرج باہم ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اور ان میں بہت زوروں کی خانہ جنگی ہوئی۔ سوید اسی میں کام آ گئے۔

مدینہ سے آکر جو لوگ اسلام لائے، ان میں ایاس بھی ہیں۔ یہ معاذ کے بیٹے تھے اور ابھی کم سن تھے۔ اَوس خزرج میں جنگ تو چل ہی رہی تھی۔ ہر ایک کی کوشش تھی کہ عرب کے جتنے قبیلے مل سکیں، ان کو وہ اپنے حلیف بنا لے۔ اور اس طرح فریق مخالف پہ غالب آجائے۔ چنانچہ اَوس کے کچھ لوگ آئے، کہ قریش کو اپنا حلیف بنائیں۔ انہی میں ایاس بھی تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی، تو ان کے پاس آئے اور اسلام کی دعوت دی۔ نیز قرآن کی کچھ آیتیں سنائیں۔ اَیاس نے سنا تو بولے:

''میری قوم! خدا کی قسم، جس کے لیے آپ لوگ آئے ہیں، اس سے یہ بہتر ہے۔''

لیکن ان کو تو جنگ کی دھن تھی، اور رات دن اسی کی فکر، قافلہ کا سردار ابو الحَیسر تھا۔ اس نے زمین سے کنکریاں اُٹھائیں اور ان کے منہ پر پھینک ماریں۔ پھر بڑی لاپروائی سے بولا: ''چپ بھی رَہ۔ ہم کوئی اس لیے تھوڑی آئے ہیں۔''

لیکن ایاس[1] اسی وقت اسلام لے آئے۔ پھر کچھ ہی دن گزرے کہ اَوس و خزرج میں جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھے۔

بہت سے قبیلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود گئے اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ نیز بڑی دلسوزی سے مدد کی درخواست کی، لیکن ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی اور ہر ایک نے سنی اَن سنی کر دی۔ اس کی کئی وجہیں تھیں۔

کسی نے تو سوچا کہ ہمارا شہر ہر ایک کو عزیز ہے۔ اگر ہم نے محمد کا ساتھ دیا تو اندیشہ ہے کہ لوگوں کو ناگوار ہو گا، اور پھر یہاں آنا دل پر بار ہو گا۔ قبیلۂ ثقیف کے لیے یہی رکاوٹ تھی۔ طائف کی آب و ہوا بہت خوشگوار تھی۔ ہر ایک کو پسند آتی۔ چنانچہ گرمیاں آتیں، تو وہاں رئیسوں کی چہل پہل ہوتی۔ ثقیف کو خطرہ تھا کہ اگر محمد کا ساتھ دیا۔ تو وہ طائف کا ''طواف'' کرنا چھوڑ دیں گے۔ عرب کا مشہور بت ''لات'' بھی وہیں تھا۔ جو عام و خاص کی زیارت گاہ تھا۔ ایمان لانے سے اس کے لیے بھی خطرہ تھا۔

---

[1] ایاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ لوگوں نے دیکھا، مرتے وقت ان کی زبان پر تکبیر جاری تھی۔

www.quranurdu.com

کچھ قبیلے ایسے بھی تھے، جن کو سرداری کی ہوس تھی۔ قبیلہ بنو عامر کا یہی حال تھا۔ انھوں نے آپ سے کہا:

"ہم ایمان تو لے آئیں گے۔ لیکن آپ کے بعد حکمران ہم ہوں گے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"حکومت اور سرداری تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے، اس سے نوازتا ہے۔"

انھوں نے سنا، تو یہ کہتے ہوئے گردنیں پھیر لیں کہ ہم تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گردنیں کٹوائیں، پھر غلبہ نصیب ہو جائے تو سرداری دوسرے کریں۔ جایئے! آپ کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔

کندہ، کلب، بنو حنیفہ، بنو مضر عرب کے مشہور قبیلے تھے۔ یہ اور ان کے علاوہ نہ جانے کتنے قبیلے تھے۔ سب نے کانوں پر ہاتھ دھر لیے اور کسی نے بھی آپ کی مدد نہ کی۔ وہ کہتے کہ آدمی کا حال گھر والے ہی بہتر جانتے ہیں۔ اگر اس میں ذرا بھی خیر ہوتا، تو گھر والے کیوں بھگاتے؟ غرض ہر جگہ ناکامی ہوئی اور کسی نے بھی آپ کی حمایت نہ کی۔ بہتوں نے تو بڑی بے دردی کا سلوک کیا اور سختی سے انکار کر دیا اور اگر کچھ قبیلے انسانیت سے پیش آتے بھی، اور شرافت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننے کے لیے تیار ہوتے، تو ابو لہب آپہنچتا، اور ان کو آپ کے خلاف بھڑکاتا ہوا کہتا:

"بھائیو! یہ چاہتا ہے کہ تم لات و عزّٰی کو چھوڑ دو، اور اس کی خرافات میں پھنس جاؤ۔ تو دیکھو! اس کی باتیں ہرگز نہ ماننا۔ اس کے فریب میں کبھی مت آنا۔"

اس طرح ابو لہب کی باتیں سن کر وہ لوگ بھی بِدَک جاتے اور پھر ان کے بھی تیور بگڑ جاتے۔

==========

اَوس و خَزرَج مدینہ کے دو مشہور قبیلے تھے۔ ان میں ایک زمانہ سے اَن بن تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوئے تو یہ اَن بن پورے شباب پر تھی اور پہلے سے زیادہ اونچے پیمانہ پر تھی۔ آپس میں تو تھی ہی۔ پڑوسی یہودیوں سے بھی ہو گئی۔ اسی لیے ان میں ہمیشہ جنگ رہتی۔ کبھی اوس و خزرج میں، کبھی اوس اور یہود میں، کبھی خزرج اور یہود میں، اس طرح مدینہ میں کسی نہ کسی رنگ میں جنگ جاری ہی رہتی تھی۔ ایک کی آگ بجھنے بھی نہ پاتی کہ دوسری بھڑک اُٹھتی۔

لیکن یہودی بڑے مکار اور چالوں کے بادشاہ تھے۔ انھوں نے سوچا کہ اَوس و خزرج عموماً ایک ہو کر لڑتے ہیں۔ اس میں تو ہمارے لیے بڑا خطرہ ہے۔ سارے آدمی کٹے جا رہے ہیں۔ ساری دولت ڈوبتی جا رہی ہے۔ مدینہ کے ہم سردار تھے۔ اب یہ سرداری بھی دم توڑ رہی ہے اب کوئی ایسی چال چلنی چاہیے کہ دونوں کے دل بالکل ہی پھٹ جائیں کہ وہ ایک دوسرے سے کٹ جائیں اور جڑنے کا نام نہ لیں۔ آپس ہی میں لڑتے رہیں اور ہماری طرف مڑ کر نہ دیکھیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ دونوں ایک دوسرے کے نام سے جلنے لگے اور باہم ایک دوسرے کو مٹانے کے درپے ہو گئے۔ اب ذرا سی بات پر جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھتے، اور پھر بجھتے بجھتے ماہ و سال بیت جاتے۔ نتیجہ کیا ہوا؟ رشتۂ اُخوت پارہ پارہ ہو گیا اور پھر ان کے اعضا تھک کر چور ہو گئے۔ بے پناہ دولت تباہ ہو گئی۔ اور نہ جانے کتنے انسان ضائع ہو گئے پھر بھی وہ نہ مانے اور خون کی ہولی کھیلتے رہے۔

www.quranurdu.com

اس وقت یہودیوں کی پالیسی بھی کتنی گہری تھی! وہ ہارے ہوئے کی مخالفت کرتے اور جیتے ہوئے کی پیٹھ ٹھونکتے۔ تاکہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں بالکل ہی کمزور ہو جائے اور اس طرح ان کی قوت و شوکت بڑھے۔ ساتھ ہی وہ دونوں پر اپنی سرداری قائم رکھنے کی بھی کوشش کرتے۔ خود تو اونچے اونچے کام چن لیتے، اور تجارتی منڈیوں پر قبضہ کر لیتے اور ان کے لیے چھوٹے چھوٹے کام چھوڑ دیتے۔ پھر یہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے تھے۔ کتاب و شریعت کے حامل تھے اور اَوس و خزرج بت پرست تھے، اس لیے ان کو اس پر بھی بڑا ناز تھا۔ چنانچہ یہ اپنی بڑائی جتانے کے لیے انھیں عار دلاتے اور ان کے سامنے انجام کی نہایت بھیانک تصویر کھینچتے۔ حضور کے سلسلہ میں اپنی کتابوں کی پیشین گوئیاں سناتے اور کہتے:

''ایک نبی آنے والا ہے۔ اس کا وقت بس وقت ہے ذرا وہ آجائے، تب دیکھنا۔ ہم کس طرح تمہارے چھکے چھڑاتے ہیں۔ ہم اس کے ساتھ ہو جائیں گے اور پھر عادِ ارم کی یاد تازہ کریں گے۔''

عرصہ تک مدینہ والوں کا یہی حال رہا۔ اس وقت بھی یہی حالات تھے، جب کہ اَوس کا وفد قریش کو اپنا حلیف بنانے آیا تھا۔ اسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اور آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی تھی۔ اَیاس بن معاذ نے اسی دم لبیک کہا تھا اور بقیہ نے ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ کیونکہ اس وقت انھیں بس جنگ کی دھن تھی، اور وہ اسی کے نشہ میں چور تھے۔ لیکن اس وقت اَوس نے اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں میں کوئی دلچسپی نہ لی اور بڑے روکھے پن سے انکار کر دیا لیکن گھر لوٹے، تو دل پر کافی اثر تھا اور ذہن میں بار بار وہ باتیں گونج رہی تھیں۔

پھر۔۔۔ اَوس و خزرج میں جنگ کے تیز اور ہولناک شعلے بھڑک اُٹھے۔ قریب تھا، کہ پوری آبادی ان کی لپیٹ میں آجاتی اور سب کے سب بھسم ہو جاتے، لیکن حسن اتفاق کہ یہودی اَوس سے مل گئے۔ اس طرح ان کی فتح ہو گئی۔ اور جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ اب دونوں نے اپنی اپنی حالت پر نظر ڈالی اور جنگ کے اثرات و نتائج کا جائزہ لیا۔ انجام سامنے آیا تو دونوں کے اوسان جاتے رہے۔ یہ دیکھ کر ان کے ہوش اُڑ گئے، کہ اس میں بے شمار جانیں ہلاک ہو گئیں۔ بے پناہ مال تباہ ہو گیا۔ ساری قوت برباد ہو گئی اور جاہ و شوکت کا محل زمین پر آرہا۔ نیز انھوں نے محسوس کیا کہ اب تو ہم یہودیوں کے غلام اور محکوم ہیں۔ جو ہارے ہیں وہ بھی اور جو جیتے ہیں وہ بھی۔

یہی وہ ہولناک جنگیں ہیں جو جنگِ بعاث کے نام سے مشہور ہیں۔ جن کی تباہیوں اور بربادیوں کے قصے اب تک دنیا کو یاد ہیں۔

جنگ کا خوفناک انجام دیکھ کر دونوں قبیلے چونک گئے اور دونوں نے مل کر عزم کیا کہ اب ہم اتحاد اور محبت سے رہیں گے اور وقت پر ایک دوسرے کے دست و باز بنیں گے۔

غرض ان میں صلح ہو گئی اور دونوں نے طے کیا کہ اَوس و خزرج کا سردار ایک ہی ہو۔ اس کے لیے ان کی نظریں عبد اللہ بن ابی پر پڑیں۔ یہ خزرج کا آدمی تھا۔ دانائی اور ہوشیاری میں مشہور تھا۔ حسن تدبیر میں ہر طرف اس کا چرچا تھا۔ اثر و رسوخ میں بھی وہ سب سے آگے تھا۔ چنانچہ سب نے تائید کی اور بات طے ہو گئی۔ نیز جشنِ تاج پوشی کے لیے تاریخ بھی پڑ گئی، لیکن اچانک حالات کا رُخ بدلا۔ اور یہ کام ہوتے ہوتے رَہ گیا۔ کیونکہ غیب سے عزت و سربلندی کے لیے کچھ اور ہی سامان ہو رہا تھا۔ جو ان کے لیے زیادہ بہتر بھی تھا اور اس تدبیر سے زیادہ کارگر بھی۔

==========

نبوت کا دسواں سال تھا۔ جنگ بعاث کے بعد محترم مہینے آئے، تو خزرج کے چھ آدمی حج کے ارادہ سے نکلے۔ ساتھ میں قبیلہ بنو نجار کے بھی دو آدمی تھے۔ یہ رشتہ میں عبد المطلب کے ماموں تھے۔ وہی عبد المطلب، جو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے۔ یہ لوگ مکہ جا رہے تھے۔ عقبہ نامی ایک مقام پر پہنچے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو گئی۔ دیکھتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کون ہیں آپ لوگ؟''

انھوں نے جواب دیا: ''خزرج''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہودیوں کے ہمسایہ؟''

انھوں نے کہا: ''ہاں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ذرا بیٹھیں گے نہیں، کچھ باتیں کریں؟''

انھوں نے کہا: ''جی ہاں، ضرور۔''

چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دین کی دعوت دی اور اسلام کی باتیں بتائیں۔ کچھ قرآن بھی پڑھ کر سنایا۔ اور بتایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر وہ بہت حیران ہوئے۔ اور دل پر بڑا اثر ہوا۔ آپس میں انھوں نے کہا: ''خدا کی قسم! یہ وہی نبی ہیں، جن کی یہودی دھمکی دے رہے تھے۔ خدا کی قسم! اب وہ ایمان میں ہم سے بازی نہ لے جائیں۔''

چنانچہ اُسی وقت وہ ایمان لے آئے اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کانوں نے سنا، اور دلوں نے محفوظ کر لیا۔ پھر انھوں نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! ہماری قوم میں جتنی بدی اور عداوت ہے، کسی بھی قوم میں نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے دلوں کو جوڑ دے اور سب آپ کے گرد اکٹھا ہو جائیں کیونکہ آپ سے زیادہ ہر دلعزیز تو کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔''

اسلام لا کر اُن لوگوں نے خوشی خوشی حج کیا۔ پھر قوم کی طرف پلٹے۔ کہ ان کو نئے نبی کی خوشخبری سنا دیں۔ وہی نبی جس کی آمد کی یہود دھمکیاں دے رہے تھے۔ مگر وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ اَوس تو پہلے ہی یہ مژدہ سن چکے ہیں۔ یہ بھی دیکھا کہ نہ جانے کتنے دل نئے دین کے لیے بے تاب ہیں۔ اور نہ جانے کتنے سینے اس کو جگہ دینے کے لیے سراپا انتظار ہیں۔

دوسرے سال حج کے دن آئے، تو اَوس اور خزرج کے بارہ آدمی مکہ کے لیے گھر سے نکلے۔ عقبہ میں آپ سے ملاقات ہوئی۔ اور وہیں پر اُن لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ بیعت کی۔ اور عہد کیا کہ اب شرک نہیں کریں گے۔ چوری سے دُور رہیں گے۔ اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ اور کسی پر بہتان نہیں لگائیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر اس عہد کو نباہا، تو اللہ جنت دے گا۔ اور اگر ان میں سے کوئی برائی سرزد ہو گئی، تو مولیٰ کی مرضی پر ہو گا۔ چاہے گا تو معاف کر دے گا۔ اور چاہے گا تو عذاب دے گا۔''

یہی بیعت ''بیعت عقبہ اُولیٰ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اور یہ نبوت کے گیارہویں سال ہوئی۔

www.quranurdu.com

پھر وہ لوگ مدینہ لوٹے، تو آپ نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھی ساتھ کر دیا کہ وہ اہل مدینہ کو قرآن پڑھائیں اور انھیں دین کے احکام سکھائیں۔

اس طرح مدینہ میں اسلام بہت تیزی سے پھیلا۔ لوگ پہلے ہی سے حق کے پیاسے تھے۔ اور مدت سے اس کے لیے تڑپ رہے تھے۔ اسلام کو پا کر اُن کی پیاس بجھی۔ اور دل کی بے چینی دُور ہوئی۔ اسی لیے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو اشاعتِ اسلام میں کوئی خاص زحمت نہ ہوئی لوگ پروانہ وار دین پر ٹوٹ پڑ رہے تھے۔ اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہ پورے جوش اور ولولہ سے ان کو علم دین سکھا رہے تھے۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ اندھی غیرت اور حمیت سے سرشار ہوتے اور اسلام کی طرف دیکھنا بھی عار سمجھتے۔ لیکن جونہی دین کی برکتیں دیکھتے، اور قرآن کی چند آیتیں سنتے، پتھر سے موم ہو جاتے۔ خود بھی اسلام میں آجاتے۔ اوروں کو بھی اس کی دعوت دیتے۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ مدینہ والوں کو دین سکھاتے اور نمازیں پڑھاتے رہے۔ یہاں تک کہ گھر گھر دین کا چراغ روشن ہو گیا اور گلی گلی اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔ بس کچھ ہی بدنصیب تھے، جو شرک پر اڑے رہے۔ اور آبائی دین چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے۔

اللہ اہل مدینہ کا بھلا کرے! ایک ہی سال میں وہاں اتنے مسلمان ہوئے، کہ مکہ میں برسوں میں نہ ہوئے!

انھوں نے محمد کے نام کا جھنڈا لہرایا اور ہر طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بول بالا کیا۔ ٹھیک اس وقت جب کہ قوم آپ کو مٹا دینے کے درپے تھی! اس لیے کوئی حیرت کی بات نہیں، اگر مسلمانوں کے دل اہل مدینہ کی محبت سے لبریز ہو گئے۔ ان سے قریب ہونے کے لیے بے تاب ہو گئے۔ اور اُن تک پہنچنے کے لیے اس طرح تڑپنے لگے، جیسے پنجرے میں ایک پرندہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سلسلہ میں کافی فکر مند تھے۔ کیونکہ اب ایسے جانباز مل گئے تھے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کے لیے تیار تھے! ایسے مددگار مل گئے تھے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کے لیے سراپا انتظار تھے! اور ایسے انصار مل گئے تھے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہ نثار ہونے کے لیے بے قرار تھے۔

پھر لگاتار ایسی خبریں آرہی تھیں، جو آپ کے لیے انتہائی مسرت بخش تھیں۔ اور جو ایک نہایت حسین اور تابناک مستقبل کا پتہ دے رہی تھیں۔

مدینہ والوں نے دل و جان سے آپ کی باتیں قبول کی تھیں اور انھوں نے عزم کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں گے اور جان پر کھیل کر آپ کی حفاظت کریں گے۔ چنانچہ ان کی شدید خواہش ہوئی کہ کسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کا شرف انھیں حاصل ہو جائے۔ ایک روز آپس میں وہ بولے:

"رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پریشان ہیں۔ مدد کے لیے پکارتے ہیں، لیکن کوئی نہیں سنتا۔ آخر یہ شرمناک منظر ہم کب تک دیکھتے رہیں گے؟"

پھر انھوں نے طے کیا کہ اب کی حج کے دن آئے تو مکہ جائیں گے اور رسولِ خدا کو مدینہ بلائیں گے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر طرح کی حفاظت اور مدد کا عہد کریں گے۔

www.nuranurdu.com

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بھی مکہ لوٹ آئے۔ اس طرح جو جو باتیں آپ جاننا چاہتے تھے، وہ سب اُن سے جان گئے۔ پھر محترم مہینے آئے، تو مدینہ سے بہت بڑا قافلہ حج کے لیے روانہ ہوا۔ قافلہ میں مسلمان بھی تھے اور غیر مسلم بھی۔ مسلمانوں کی تو نیت تھی، آپ سے ملیں گے اور وفاداری اور جانثاری کا عہد کریں گے۔ مگر یہ ایک راز تھا جس سے مشرک ساتھی بالکل بے خبر تھے۔

نبوت کا بارہواں سال تھا۔ کعبہ میں ان کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔ اور وہیں پر عہد و بیعت کے لیے مناسب جگہ بھی تجویز ہوئی۔

رات کا تہائی حصہ گزر گیا۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ سارے ہنگامے خاموش ہو گئے۔ قریش نیند کے نشہ میں مست ہو گئے۔ بیرونی حاجی بھی محو خواب ہو گئے۔ اس وقت مدینہ کے مسلمان چپکے سے اُٹھے ان میں تہتر مرد تھے۔ اور دو عورتیں۔ یہ لوگ چھپ چھپا کر وہاں سے چل کھڑے ہوئے اور مکہ سے کچھ فاصلہ پر عقبہ پہنچ گئے۔ وہاں وہ ٹیلوں اور چٹانوں کی آڑ میں دبک گئے۔ اور آپ کا انتظار کرنے لگے۔

کچھ دیر میں آپ بھی آ گئے۔ ساتھ میں چچا عباس بھی تھے۔ یہ ابھی تک قومی ہی دین پر تھے۔ لیکن آپ کے راز دار تھے۔ اس لیے ان کی بھی خواہش ہوئی کہ اس اہم موقع پر موجود رہیں اور مدینہ والوں کے کیا ارادے اور کیا عزائم اور حوصلے ہیں؟ اس کا خوب اندازہ کر لیں۔ چنانچہ انہی نے کارروائی کا آغاز کیا۔ بولے:

''گروہ خزرج! محمد کا ہم میں جو مقام ہے، اس سے تم سب واقف ہو۔ انھیں ہم نے دشمنوں سے بچایا اور ہمیشہ ڈٹ کر ان کی طرف سے مقابلہ کیا ہے۔ سن لو، یہ وطن میں بالکل محفوظ ہیں۔ دشمنوں سے انھیں کوئی خطرہ نہیں۔ مگر یہ تمہارے ہی یہاں جانے کے لیے بے تاب اور تمہارے ہی پاس رہنے کے آرزو مند ہیں تو اگر تم میں اپنے وعدوں کو وفا کرنے اور انھیں دشمنوں سے بچانے کا حوصلہ ہو، تو ٹھیک ہے، خوشی سے لے جاؤ۔ لیکن کوئی پریشانی ہوئی تو ہم ذمہ دار نہیں ہوں گے۔ اور اگر بیوفائی کا خیال ہے۔ تو بھائی ابھی سے چھوڑ دو۔ یہ یہاں عزت سے ہیں اور سارے اندیشوں سے محفوظ ہیں۔

چچا عباس تقریر سے فارغ ہوئے، تو اہل مدینہ بولے:

''آپ کی باتیں ہم نے سن لیں۔ اللہ کے رسول! اب آپ کچھ فرمائیں اور جس بات پر چاہیں، ہم سے قسمیں لے لیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ پاک کی چند آیتیں پڑھیں۔ پھر فرمایا:

''جن چیزوں سے تم اپنے بال بچوں کو بچاتے ہو، کیا مجھ کو بھی بچاؤ گے؟ میں بس اتنا ہی اطمینان چاہتا ہوں۔''

اہل مدینہ میں ایک شخص بَراء تھے۔ یہ معرور کے بیٹے تھے۔ اور قوم کے بہت بڑے سرداروں میں تھے۔ سارے لوگ ان کی عزت کرتے تھے بے تکلف انھوں نے ہاتھ بڑھایا۔ اور یہ کہتے ہوئے دستِ مبارک پر بیعت کی:

'' ہاں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچائیں گے۔ اللہ کے رسول! ہم سے آپ بیعت لے لیں۔ بخدا ہم تو لڑائی کے شہسوار ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب چاہیں، جنگ کے لیے تیار ہیں۔ جنگ سے بھاگنا تو ہمارے لیے عار ہے کہ یہی باپ دادا کا شعار ہے۔''

براء نے ابھی بات ختم بھی نہ کی تھی کہ یتان کے بیٹے ابوالہیثم بول اُٹھے۔ یہ بھی مدینہ کے معزز لوگوں میں تھے۔ عرض کیا:

www.quranurdu.com

''اللہ کے رسول! ہمارے یہود سے کافی تعلقات ہیں۔ بیعت کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا تو نہ ہو کہ اللہ آپ کو فتح عطا فرمائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو چھوڑ کر اپنی قوم میں لوٹ آئیں۔''

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے اختیار مسکرا پڑے۔ پھر فرمایا:

''نہیں، میرا خون تمہارا خون ہے۔ میری آبرو تمہاری آبرو ہے۔ میری امان تمہاری امان ہے۔ تم میرے اور میں تمہارا ہوں۔ جس کو تم معاف کرو گے، اس کو میں بھی معاف کروں گا۔ جس سے تمہاری جنگ ہو گی، اس سے میری بھی جنگ ہو گی اور جس سے تمہاری صلح ہو گی، اس سے میری بھی صلح ہو گی۔

اس کے بعد لوگ بیعت کے لیے بڑھنا ہی چاہتے تھے کہ۔ ایک صاحب بول اُٹھے۔ یہ عُبادہ کے بیٹے عباس تھے۔ انھوں نے کہا:

''اوس و خزرج کے بھائیو! تمھیں خبر بھی ہے، کس بات پر بیعت کرنے جا رہے ہو؟ (آوازیں، ہاں، خوب معلوم ہے) سن لو، اس شخص پر بیعت کرنا ساری دنیا سے جنگ مول لینا ہے۔ تو اگر یہ خیال ہے، کہ مال و دولت کو خطرہ ہوا، یا قوم کے سردار مارے گئے، تو ساتھ چھوڑ دو گے، تو بھائی ابھی سے چھوڑ دو، کیونکہ بعد میں چھوڑو گے، تو نہ ہی دنیا کے رہو گے، نہ آخرت ہی کے۔ اور اگر مالی نقصان اُٹھانے اور سرداروں کی ہلاکت پر صبر کر لینے کی ہمت ہے، تب ضرور لے چلو۔ دنیا و آخرت دونوں میں بامراد ہو گے۔''

سب ایک ساتھ بول اُٹھے: ''مالی نقصان ہمیں گوارا ہے۔ سرداروں کا قتل ہونا بھی گوارا ہے۔ پر رسولِ خدا کو چھوڑنا گوارا نہیں۔ اللہ کے رسول! عہد پر قائم رہیں، تو ہمارا کیا اجر ہو گا؟''

ارشاد ہوا: ''جنت ملے گی، جنت۔''

سب نے کہا: ''تو اپنا ہاتھ لایئے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھا دیا۔ اور سب نے باری باری بیعت کر لی۔ یہی بیعت ہے، جو بیعت ''عقبہ ثانیہ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

ٹھیک اسی وقت یکایک ایک زور کی چیخ بلند ہوئی۔ اور خاموش کو چیرتی ہوئی ساری فضا میں پھیل گئی!

قریش کے لوگو! یہ اوس و خزرج تم سے جنگ کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ دیکھو، یہ محمد سے جاں نثاری کی قسمیں کھا رہے ہیں۔

یہ آواز کیا تھی؟ دراصل ایک خطرہ کی گھنٹی تھی۔ لیکن یہ بھی مسلمانوں کے عزم و حوصلہ کو نہ ہلا سکی۔ فکر و تشویش تو درکنار، عُبادہ کے بیٹے عباس کو اور جوش آ گیا۔ وہ بولے:

''اللہ کے رسول! قسم ہے اس ذات کی، جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اجازت ہو، تو کل ہم اہل منیٰ پر چڑھائی کر دیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہمیں اس کا حکم نہیں۔ جلدی سے تم سب اپنے اپنے خیموں میں چلے جاؤ۔ چنانچہ مسلمان فوراً اپنی اپنی خوابگاہوں پر پہنچ گئے اور آنکھیں بند کر کے سو رہے۔''

صبح ہوئی تو قریش نے اہل مدینہ کے خیموں کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر انھیں سخت سست کہا۔ آنکھیں لال پیلی کرتے ہوئے وہ بولے:

''مدینہ والو! خدا گواہ ہے کہ ہر قبیلہ سے جنگ کرنا ہمیں گوارا ہے پر تم سے کرنا گوارا نہیں۔ پھر تم یہ کیا منصوبے بنا رہے ہو؟ محمد کو اپنے یہاں کیوں لے جانا چاہتے ہو؟ کیوں ہمارے مقابلہ میں تلواریں تولنا چاہتے ہو؟''

www.quranurdu.com

مدینہ کے مشرکوں کو تورات کی کارروائی معلوم نہ تھی۔اس لیے سردارانِ قریش کی یہ باتیں سن کر وہ بہت چکرائے اور بڑی بڑی قسمیں کھانے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم سے تو کوئی بھی بات چیت نہیں ہوئی۔

مگر مسلمان اس بارے میں کچھ نہ بولے۔البتہ وہ کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح بات کا رخ بدل جائے اور کوئی دوسری گفتگو چھڑ جائے۔

قریش نے یہ صورت دیکھی، تو سخت حیران ہوئے، کہ ماجرا کیا ہے؟ وہ لوٹ آئے، لیکن ذہن پریشان تھے۔وہ بار بار سوچتے:

''کیا سچ مچ رات کو ایسا واقعہ ہوا ہے؟ کیا مخبر نے ہم کو صحیح خبر دی ہے؟ اور مدینہ والے جھوٹ بول رہے ہیں؟

یا یہ خبر ہی غلط ہے، اور مدینہ والے سچے ہیں۔''

اب انھیں صحیح صورتِ حال جاننے کی دھن تھی اور بس۔ چنانچہ انھوں نے حقیقت کی چھان بین شروع کر دی اور اس میں اپنی ساری قوت اور ذہانت لگا دی۔

ادھر اہل مدینہ نے جھٹ رختِ سفر باندھا۔اور اپنے وطن کا رخ کیا۔کہ کہیں قریش کو پتہ چل گیا، تو ان سے جان چھڑانا دشوار ہو گا۔

==========

انصار کا اندازہ صحیح نکلا۔قریش بہت جلد ساری بات جان گئے اور رات میں جو کچھ ہوا تھا، سب خبر پا گئے۔اب جیسے ان کے ہوش اُڑ گئے۔غصہ سے وہ بوکھلا گئے۔اور فوراً انصار کا پیچھا کیا، کہ وہ ہاتھ سے جانے نہ پائیں۔

لیکن ناکامی ہوئی۔اور انصار کسی طرح ہاتھ نہ آئے۔البتہ ایک انصاری گھر گئے۔یہ عُبادہ کے بیٹے سعد تھے۔اب کیا تھا۔ظالموں نے خوب خوب دل کی بھڑاس نکالی۔ان کی مشکیں باندھ دیں۔اور مارتے پیٹتے، بالوں کے بل گھسیٹتے مکہ لائے اور وہاں پہنچ کر انھیں مسلسل ستاتے رہے مکہ ہی میں دو آدمی تھے۔جبیر اور حارث۔یہ دونوں سوداگر تھے۔اس لیے شام بھی جایا کرتے تھے۔راستہ میں مدینہ سے گزرتے، تو سعد ہی اُن کو پناہ دیتے اور ان کا مالِ تجارت لٹنے سے بچاتے۔اس احسان کے بدلہ میں دونوں نے سعد کو پناہ دے دی۔اس طرح کہیں جا کر ان بیچارے کی جان چھوٹی۔

قریش نے جلسے پر جلسے کیے۔وہ گھنٹوں سر جوڑ کر بیٹھتے رہے اور باہم مشورہ کرتے رہے کہ محمد کے سلسلہ میں کیا کیا جائے! کس طرح اسے ناکام کیا جائے۔

اب تک محمد ہمارے درمیان تھا۔لیکن ہم عاجز آ گئے۔اُلٹا ہم کو نقصان ہی پہنچ۔اب کیا ہو گا، اب تو اَوس و خزرج بھی اس کے ساتھ ہیں۔

کیا محمد ہم پر غالب آ جائے گا؟ اس کا دین مدینہ میں تو پھیل گیا، کیا اور قبیلوں میں بھی پھیل جائے گا! اور کیا اس طرح وہ ہم کو فنا کر دے گا، ہمارے محبوب شہر کو ویران کر دے گا، ہمارے سارے بتوں کو مسمار کر دے گا، جب کہ ہم اسی کے لیے برسوں لڑتے رہے، جان لڑا کر برسوں مقابلہ کرتے رہے۔

قریش کے جلسے ہوتے رہے۔نشست برخاست ہوتی رہی۔لیکن۔۔۔۔بے فائدہ۔یہ مسئلہ ان کو ستاتا رہا۔لیکن حل۔۔۔نامعلوم تھا۔

www.uranurdu.com

اور مدینہ کے مسلمان؟ ان کا کیا حال تھا؟ اب ان کا عالم ہی اور تھا۔ مکہ کی بیعت ان کے لیے اک نئی زندگی کا آغاز تھی۔ اب سینوں میں سکون واطمینان کی ٹھنڈک تھی۔ اور دلوں میں یقین کی کیفیت۔ اب اُن کی روحانیت بڑھ رہی تھی۔ اور عزم میں پختگی آرہی تھی۔ اب وہ اسلام کے پرجوش مجاہد تھے۔ جہاں ہوتے، اسلام کے نعرے لگاتے۔ اور جس سے ملتے اسی کے گن گاتے۔

پھر ان کو دینی غیرت کو اور جوش آیا اور اخلاص ویقین میں اَور برکت ہوئی۔ یہاں تک کہ گھر گھرانہ کے جو لوگ اب تک شرک پر تھے، ان کے بتوں پر انھوں نے دس درازی شروع کر دی۔ موقع پا کر اُن کو وہ توڑ پھوڑ دیتے۔ یا رات میں لوگ سو جاتے، تو انھیں غلاظت میں ڈال آتے۔ پھر صبح ہوتی اور مشرک مورتیوں کی یہ گت دیکھتے، تو تلملا کر رہ جاتے۔ اور ان کو دھو دھا کر پھر وہیں رکھ دیتے۔ مسلمان موقع پا کر پھر وہی کرتے۔ یہی تماشا ہوتا رہتا، یہاں تک کہ مشرکوں کو ہوش آجاتا اور وہ سوچتے:

''جن کو ہم نے دیوتا بنایا ہے، وہ کتنے بے بس اور حقیر ہیں۔ اپنے نفع، نقصان پر بھی تو قادر نہیں!''

چنانچہ کچھ عقلوں پر سے پردے ہٹ جاتے، اور وہ توبہ کر کے دین اسلام میں آجاتے۔

اس طرح مدینہ کی فضا بالکل تیار ہو گئی کہ،

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جائیں، تو سر آنکھوں پر بٹھائے جائیں۔

پاک ساتھی جائیں، تو ہاتھوں ہاتھ لیے جائیں۔

اور پھر؟

وہاں ایک نئے دَور کا آغاز ہو سکے۔

لہٰذا اب خدا کا حکم آگیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ فرمایا:

''تم لوگ ہوشیاری کے ساتھ مدینہ چلے جاؤ۔ اور ایک، ایک، دو، دو کر کے جاؤ۔ قافلوں کی شکل میں نہ نکلو، کہ خواہ مخواہ قریش کی نظریں اُٹھیں اور وہ تمہارے ارادوں کو بھانپ لیں۔''

اس طرح بہت سے مسلمان کوچ کر گئے۔ اور قریش بالکل بے خبر رہے۔ لیکن یہ بات چھپنے والی کب تھی؟ آخر کار وہ بھی جان گئے اور ساری صورتِ حال بھانپ گئے۔ اس سے ان کا غصہ اور بڑھا اور سینہ جوشِ انتقام سے کھولنے لگا۔ چنانچہ اب وہ ہاتھ دھو کر مسلمانوں کے پیچھے پڑ گئے۔ اور دن رات گھات میں رہنے لگے، کہ کوئی مکہ سے باہر نہ جا سکے۔ اور ہجرت کی ساری اسکیم فیل ہو جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی، تب بھی یہی حالات تھے۔ ان کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔ ایک ربیعہ کے بیٹے عیاش تھے اور دوسرے عاص کے بیٹے ہشام تینوں نے طے کیا کہ جس کو جب موقع ملے، مکہ سے نکل جائے۔ پھر ایک جگہ سب اکٹھا ہو جائیں اور اگر کوئی نہ آئے تو سمجھ لیں کہ وہ قریش کی گھات میں آگیا۔ پھر بقیہ دونوں سفر کو آگے بڑھائیں۔

متعینہ جگہ پر عمر اور عیاش رضی اللہ عنہما پہنچ گئے۔ لیکن ہشام نہ آئے۔ اس طرح دونوں سمجھ گئے کہ ہشام رضی اللہ عنہ مشرکوں کے پنجے میں آگئے اور پھر دونوں مدینہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

ادھر ہشام کی جان پر بن گئی۔ مشرکوں نے خوب خوب دل کا بخار نکالا۔ اتنا ستایا، کہ دین پر قائم رہنا ان کے لیے دشوار ہو گیا۔

www.quranurdu.com

قریش کا یہی انداز رہا۔ دن رات کا یہی برتاؤ رہا۔ بد قسمتی سے جو بھی ان کے ہاتھ لگ گیا، بے دردی سے اسے پیس کر رکھ دیا گیا۔ بالآخر تڑپ تڑپ کر اس نے دم توڑ دیا۔ اسی طرح کتنی ہی عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ اور کتنے ہی بچے یتیم!

لیکن اس پر بھی ان کو اطمینان نہ تھا۔ وہ محمد کی طرف سے سخت فکر مند تھے۔ خود سوچتے اور جس سے ملتے، یہی سوال کرتے:

''محمد نے ساتھیوں کو تو مدینہ بھیج دیا، لیکن۔۔۔ کیا وہ خود بھی۔۔۔ وہیں جائے گا؟''

کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ خود یہیں رہے۔ اور ساتھی مدینہ میں۔ حبشہ کی ہجرت میں تو یہی ہوا تھا۔

قریش کے ذہن و دماغ پر یہ سوالات چھائے ہوئے تھے۔ اور وہ بڑی بے تابی سے باہم چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ لیکن ہو گا کیا؟ اس سے بالکل بے خبر تھے۔

تو کیا قریش باہم چہ میگوئیاں ہی کر کے رہ گئے؟ نہیں ایسا نہ تھا۔ وہ برابر فکر مند رہے اور مسلسل سوچتے رہے کہ محمد کے مقابلہ میں کون سی انوکھی چال چلی جائے؟ اور کون سی تیر بہدف تدبیر کی جائے؟

کہیں ایسا نہ ہو کہ ساتھیوں کی طرح وہ بھی ہاتھ سے نکل جائے، کہ پھر تو بڑی آفت ہو گی۔ سارا مدینہ تو اس کا جاں نثار ہے ہی، مکہ کے سب مسلمان بھی وہیں ہیں۔ ان سب کو لے کر وہ ہم پر چڑھائی کر دے گا۔

مسلمانوں پر قریش کی بڑی سخت نگرانی تھی۔ ہر آن سخت پہرہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود مکہ خالی ہو گیا۔ اور سارے مسلمان ایک ایک کر کے مدینہ چلے گئے۔ حمزہ رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سبھی چلے گئے اور اب پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف علی رضی اللہ عنہ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رہ گئے۔ اور مکہ میں صرف وہ مسلمان رہ گئے۔ جو بد قسمتی سے دھر لیے گئے تھے اور تڑپ تڑپ کر مظلومی کے دن کاٹ رہے تھے۔

آخر میں ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی جنابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ اور ہجرت کی اجازت چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جلدی نہ کرو۔ شاید خدا کسی ساتھی کا انتظام کر دے۔''

ابو بکر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ آپ کی بھی ہجرت قریب ہے۔ بس اب حکم الٰہی کا انتظار ہے۔ چنانچہ خوشی خوشی وہ گھر آئے اور سفر کی تیاریوں میں لگ گئے۔

==========

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

الوداع اے وطن !

www.quranurdu.com

- رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم
- ایک سازشی کانفرنس
- خونِ اطہر میں ہاتھ رنگنے کی ناپاک اسکیم
- گھر کا محاصرہ
- امین قریش کی بے مثال امانتداری
- غارِ ثور میں قیام
- قریش کی بوکھلاہٹ
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پالینے کی ناکام کوشش
- مدینہ کے لیے روانگی
- قریش کی مایوسی اور ملال
- سراقہ کی آنکھیں کھل گئیں
- حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بے تابیٔ شوق
- قبا میں قیام
- مدینہ میں انتظار کا عالم
- مدینہ کی گلیوں نے کبھی ایسا نظارہ نہ دیکھا۔
- انصار و مہاجرین میں بھائی چارہ
- یہودیوں کا جوڑ توڑ

ہجرت کا حکم آگیا۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دعا بھی سکھائی۔ بہت ہی پیاری اور شیریں دعا:

وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا (بنی اسرائیل :80)

''اور دعا کرو، پروردگار! مجھ کو جہاں بھی تو لے جا، سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال، سچائی کے ساتھ نکال۔ اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا۔''

مسلمان مظالم سہتے سہتے تنگ آچکے تو حضور نے انھیں مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ انھوں نے چوری چھپے مدینہ کا رخ کیا۔

لیکن خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو ظالموں کا اصل نشانہ تھے، اپنے لیے حکم خدا کا انتظار کرتے رہے کہ آقا کی اجازت ہو، تو مکہ کو خیر باد کہیں۔ اور ان مخلص ساتھیوں سے جا ملیں جنھوں نے صرف اللہ کے لیے اپنا وطن چھوڑا تھا۔ اور انصار کے شوق ملاقات میں نہ مال کی پروا کی تھی۔ نہ اولاد کی۔ انصار کون؟ وہی خوش نصیب جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی تھی، آپ کو حفاظت کی خدمات پیش کی تھیں۔ اور جنھوں نے دستِ مبارک میں ہاتھ دے کر راہِ خدا میں سرفروشی کا عہد کیا تھا۔

www.quranurdu.com

اللہ مہاجروں کا بھلا کرے۔ انھوں نے صرف خدا کے لیے کن کن نعمتوں سے ہاتھ دھویا اور کیسی کیسی چیزوں پر صبر کر لیا۔ انصار کا بھی بھلا کرے، کہ انھوں نے دینی بھائیوں کو اپنے یہاں بلا کر انھیں اپنے گھروں میں ٹھہرایا۔ صرف اللہ کی خوشی کے لیے۔

بالآخر ہجرت کا حکم آگیا اور آپ نے مدینہ کا ارادہ کر لیا۔ اس وقت قریش کی بھی سازش مکمل تھی اور سارا خاکہ تیار تھا۔ بات کیا تھی؟ مسلمانوں نے ہجرت کی تو انھیں دعوت کے لیے ایک وسیع میدان ہاتھ آگیا۔ لوگ اسلام کی برکتیں دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور بہت تیزی سے اس کی طرف بڑھنے لگے۔ ہر طرف اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ اور مسلمانوں کا زور بڑھنے لگا۔ قریش نے یہ دیکھا، تو بہت گھبرائے۔ انھیں محسوس ہوا کہ اب شامت سر پر منڈلا رہی ہے۔ اور طرح طرح کے خطرے سر اٹھا رہے ہیں قریش و انصار میں نہایت زوردار جنگ کے بھی آثار نمایاں تھے۔ اس سے ان کے اور ہوش اُڑ گئے۔ سوچا کہ اس طرح تو ہمارا شام جانا بھی بند ہو جائے گا۔ تجارت بالکل ٹھپ ہو جائے گی اور ہم دانہ، دانہ کو ترس جائیں گے۔ چنانچہ وہ دار الندوہ میں جمع ہوئے، کہ یہی ان کا ''مشاورت گھر'' تھا۔ یہاں سب لوگ سر جوڑ کر بیٹھے اور کوئی تدبیر سوچنے لگے، جس سے اسلام کا سیلِ رَواں رک جائے۔ اور چمنستانِ دین میں خاک اُڑنے لگے۔ لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں:

ایک نے کہا: ''محمد کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال دیں۔ پھر کسی مکان میں بند کر دیں۔''

دوسرا بولا: ''خدا کی قسم! اگر قید کیا، تو ہر طرف چرچا ہو جائے گا۔ پھر تو بہت بُرا ہو گا۔ مسلمان فوراً چڑھائی کر دیں گے اور جب تک ہم سے اسے چھین نہیں لیں گے، دم نہیں لیں گے۔''

تیسرا بولا: ''محمد کا یہاں رہنا اچھا نہیں۔ کہیں دُور دراز علاقہ میں چھوڑ آیا جائے۔ پھر وہ جہاں چاہے جائے، اور جس جگہ چاہے، رہے۔''

چوتھا بولا: ”یہ رائے تو بڑی بودی ہے۔ دیکھتے نہیں، وہ کیسی میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے۔ کتنے سلیقہ کی گفتگو کرتا ہے۔ منٹوں میں دل موہ لیتا ہے۔ ایسا کرنے میں تو خطرہ ہی خطرہ ہے۔ یا تو وہ کسی دوسرے قبیلہ میں پہنچ جائے گا اور اپنی جادو بیانی سے انھیں ہمنوا بنالے گا۔ ورنہ مدینہ پہنچ جائے گا۔ اور وہاں پہنچنا تو اور زیادہ خطرناک ہوگا۔ جاتے ہی وہ ساتھیوں کو ساتھ لے گا اور ہم کو پیس کر رکھ دے گا۔“

پھر آخر کیا کریں؟ سب ایک ساتھ بول اُٹھے۔ آوازوں سے گھبراہٹ اور مایوسی ٹپک رہی تھی۔

ابو جہل بولا ایک شکل ہے، جواب تک کسی نے نہیں سوچی۔

سب نے پوچھا (بڑی بے تابی سے) ”ارے، وہ کیا ابوالحکم؟“

اس نے کہا: ”میری رائے یہ ہے کہ پہلے ہم ہر قبیلہ سے ایک پہلوان اور شیر دل جوان چنیں۔ پھر ہر ایک کے ہاتھ میں تلوار دیں۔ اور سب ایک ساتھ محمد پر ٹوٹ پڑیں۔ اس طرح اس کا کام تمام ہو جائے گا اور ہم کو ہمیشہ کے لیے آرام مل جائے گا۔ کیونکہ اس طرح خون تمام قبیلوں میں بٹ جائے گا اور ظاہر ہے کہ بنی ہاشم تمام قبیلوں کا مقابلہ تو نہ کر سکیں گے۔ مجبوراً خون بہا (یعنی سو اونٹ) پر ہی راضی ہو جائیں گے۔“

یہ رائے سب کو پسند آئی۔ سب خوشی سے اچھل پڑے اور سب نے ابو جہل کو مبارکباد دی۔

ابوالحکم! سچ مچ رائے تو اسے کہتے ہیں۔

پھر مجلس برخاست ہوگئی۔ اور اب ہر ایک خوشی سے ناچ رہا تھا، گویا محمد دنیا سے چلے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا نام و نشان مٹ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد بھی ذہنوں سے محو ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے دنیا ناآشنا ہوگئی اور اس پر گردشِ زمانہ کی تہیں پڑ گئیں۔ لوگ گئے۔ اور ان جوانوں کا انتخاب کرنے لگے، جو محمد کا کام تمام کریں گے۔ اور ان تلواروں کا انتظام کرنے لگے، جنھیں وہ جسم اطہر پر چلائیں گے۔

وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ وَ یَمْكُرُوْنَ وَ یَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ (الانفال:30)

”اور وہ وقت یاد کرو جب کافر تمہارے بارے میں چالیں چل رہے تھے کہ تمھیں قتل کر دیں یا تمھیں جلا وطن کر دیں وہ اپنی چالیں چل رہے تھے۔ اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے عمدہ چال چلنے والا ہے۔“

مشرکوں نے قتل کی اسکیم بنالی اور اس کے لیے ہر ایک نے کمر کس لی۔ کیونکہ اب تو خون سارے قبیلوں میں بٹ رہا تھا اور چونکہ سارے قبیلے اس میں شریک ہو رہے تھے، آلِ ہاشم بدلہ بھی نہیں لے سکتے تھے ادھر۔

خدا کا نور خندۂ زن تھا باطل کی لیاقت پر

اللہ کا فیصلہ تھا کہ آپ پر ذرا بھی آنچ نہ آئے۔ چنانچہ قریش کی تدبیر اُلٹی ہوگئی اور وہ خود اپنی سازش کا نشانہ بن گئے۔ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی فرمائی اور وہ اپنا سا منہ لیے رہ گئے۔

==========

وہ بھیانک رات آگئی، جس میں مشرکوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گھات میں بیٹھنے کا عزم کیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے گھر کو گھیر لیا۔ اُف! کتنا بھیانک منظر تھا وہ! آنکھوں میں چنگاریاں تھیں اور ہاتھوں میں نہایت تیز تلواریں جن کی باڑھوں میں موت چھپی بیٹھی

www.quranurdu.com

تھی۔ عرب میں زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب تھا۔اس لیے وہ باہر ٹھہرے رہے۔اور موقع کی تاک میں لگے رہے کہ محمد نکلیں اور وہ آپ کی تکہ بوٹی کر دیں۔

اِدھر اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دی۔ حضرت علی رضی اللہ بھی ساتھ ہی تھے۔ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ دشمن آج گھر کو گھیرے ہوئے ہیں اور میرے قتل کے لیے بے تاب ہیں۔''

پھر فرمایا:

''علی ! میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے بستر پر سو رہو اور میری سبز چادر بھی اوڑھ لو۔ اللہ نے چاہا تو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ صبح جا کر سب امانتیں واپس کر دینا۔ پھر تم بھی چلے آنا۔''

بات کیا تھی؟ قریش اگر جان کے دشمن تھے۔ لیکن آپ ہی ان کے لیے ''امین'' بھی تھے۔ جس کو کوئی امانت رکھنی ہوتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس رکھتا۔اس وقت بھی آپ کے پاس بہت امانتیں تھیں۔یہی وجہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ نہ لے گئے۔امانتیں واپس کرنے کے لیے مکہ ہی میں چھوڑ گئے۔

اللہ ! اللہ ! شاید زمین و آسمان نے ایسا نظارہ کبھی نہ دیکھا۔ایک طرف خون کے پیاسے دشمن ہیں۔ہاتھوں میں خوں آشام تلواریں ہیں۔ گھر وہ گھیرے ہوئے ہیں، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلیں۔ اور وہ جسم مبارک کے پرزے اُڑا دیں۔ اور دوسری طرف ''امین قریش'' کی ایماندار ہے ! امانتوں کا اس کے پاس انبار ہے۔ یہ امانتیں کس کی ہیں؟ انہی ظالموں کی، جو آپ کے خون کے پیاسے ہیں۔ چاہیں، تو ساری امانتیں لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے جائیں۔ نہ کوئی آپ کا کچھ کر سکے۔ اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ کہہ سکے۔ پھر اس وقت آپ نادار بھی ہیں۔ دولت کے شدید حاجت مند بھی ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ ایک طرف ''امین قریش'' کی امانتداری ایک طرف اس میں سے ایک حبّہ لینا بھی گوارا نہیں۔ پھر یہ نہیں۔ پیارے بھائی کو بھی وہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ ہاں خطرات کے نرغہ میں۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ ان ظالموں کی امانتیں اُن تک پہنچا دیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فی امان اللہ کہا۔اور آپ روانہ ہو گئے۔ جدا ہوتے وقت دونوں نے انتہائی شوق و محبت کے لہجہ میں کہا:

''اللہ کو منظور ہوا، تو پھر مدینہ میں ملیں گے۔''

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بستر مرگ پر لیٹ گئے۔اور سبز چادر اوڑھ کر سو رہے۔ دشمنوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار تو تھا ہی۔ ایک ایک لمحہ اُن پر بار ہو رہا تھا۔ دیر ہو گئی، تو روزن سے وہ اندر جھانکنے لگے۔ بسترِ مبارک پر نظر پڑی، تو آپس میں بولے:

''وہ دیکھو ! محمد سو رہا ہے۔ جسم پر چادر بھی پڑی ہے۔''

پھر وہ سونے والے کا انتظار کرنے لگے، کہ وہ باہر آئے، اور سب ایک ساتھ اس پر ٹوٹ پڑیں۔اس سے پہلے ہوا یہ کہ رات زیادہ گزر گئی، تو اُن پر غفلت سی طاری ہو گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوڑ کر باہر چلے آئے۔

اس سے دو ہی تین دن پہلے آپ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر گئے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ دروازہ پر دستک دی۔ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ باہر آئے۔ نظر پڑتے ہی بے ساختہ بولے:

''شاید کوئی خاص بات ہے، کہ حضرت نے اس وقت زحمت فرمائی !''

پھر اجازت کے بعد آپ گھر میں تشریف لے گئے۔اور فرمایا:

''یہاں کون لوگ ہیں؟ ذرا دیر کے لیے انھیں ہٹا دو۔ کچھ مشورہ کرنا ہے۔''

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یہاں آپ کی حرم کے سوا اور کوئی نہیں (عائشہ سے شادی ہو چکی تھی)''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔''

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ (نہایت بے تابی سے):

''میرا باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا۔ کیا۔۔۔ مجھ کو بھی رفاقت کا شرف حاصل ہو گا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں۔''

یہ سننا تھا کہ آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے۔ عرض کیا:

''اللہ کے رسول! میں نے کچھ سامان تیار کیا ہے جو جہاد میں کام آئے گا۔ سفر کے لیے دو اونٹنیاں بھی تیار کر لی ہیں اور عبداللہ بن اَرقط سے بھی بات کر لی ہے۔ سفر میں اس سے سہولت رہے گی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابھی اونٹنیوں کی ضرورت نہیں۔ پہلے تو ہم جنوب کا رخ کریں گے اور غارِ ثور میں کچھ دن ٹھہریں گے۔''

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ اس میں کیا مصلحت ہے؟ اس سے پہلے بھی وہ بارہا آپ کی حیرت انگیز سوجھ بوجھ کا تجربہ کر چکے تھے۔ اور جانتے تھے کہ آپ کتنی باریک تدبیریں کرتے ہیں، کہ دشمن اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے ہیں۔

غارِ ثور مکہ سے جنوب میں ہے، تین میل کی مسافت پر۔ اور یمن کے راستہ میں ہے۔ آپ سمجھتے تھے کہ ہر شخص جو سنے گا کہ محمد مکہ سے چلے گئے وہ یہی سمجھے گا کہ محمد مدینہ ہی کے راستے میں ہوں گے اور شمال کی طرف دَوڑے گا کیونکہ مدینہ مکہ سے شمال میں ہے۔ چنانچہ آپ نے ایسا نقشہ بنایا، کہ پیچھا کرنے والے ناکام ہو کر لوٹ جائیں اور ان کو پتہ بھی نہ چلے کہ آپ کدھر گئے؟ اور کہاں گئے؟

مکہ کی آخری رات جب کہ دشمنوں نے گھر کو گھیر لیا تھا، سیدھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے۔ ان کو ساتھ لیا اور گھر کے عقب میں ایک کھڑکی تھی۔ اس سے نکل کر باہر آئے اور رات کے پر سکون اور تاریک سناٹے میں تیز تیز قدم بڑھانے لگے۔ پھر مکہ سے باہر پہنچے، تو جنوب کا رخ کیا۔ اور غارِ ثور کی طرف تیزی سے بڑھے۔

ادھر صبح تڑکے ہی حضرت علی کی آنکھ کھل گئی۔ اور وہ بستر چھوڑ کر اُٹھ گئے۔ آہٹ ہوئی، تو دشمن بھی چوکنے ہو گئے، کہ اب کام کرنے کا وقت آ گیا۔

لیکن۔۔۔ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر سے کون اٹھا؟

لوگ بار بار بے تابی کے ساتھ رَوزَن سے اندر جھانکتے۔ اور حیران ہو کر وہاں سے ہٹ جاتے۔

یہ سو کر اٹھنے والا محمد تو نہیں! یہ تو ابو طالب کا لڑکا علی رضی اللہ عنہ ہے۔

www.quranurdu.com

اُف !اُف ! یہ کیا ماجرا ہے ؟

یہ وہ الفاظ تھے، جو بے اختیار اُن کی زبانوں سے نکلے۔ وہ بالکل حیرت کی مورت بن گئے تھے۔

کیا ہم رات بھر علی رضی اللہ عنہ کے لیے بیٹھے رہے ؟ کیا ہم نے علی رضی اللہ عنہ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ لیا تھا؟

علی رضی اللہ عنہ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر کیوں سویا؟ اور محمد کہاں ہے ؟''

ہر ایک بد حواسی میں ایک دوسرے سے پوچھ رہا تھا۔ لیکن جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔ پھر کچھ ہی دیر میں ان کے آدمی بھی آ پہنچے۔ اور اب دیکھتے ہی دیکھتے لوگوں کی ایک بھیڑ تھی، لوگ بے تابی سے چلے آرہے تھے کہ دیکھیں محمد کا کیا حشر ہوا؟ لیکن یہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو کہیں چھپ گئے۔

سب حیران رہ گئے۔ غم و غصہ سے بد حال ہو گئے۔ گھر میں گھس کر علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''تمہارا ساتھی کہاں ؟''

جواب ملا: ''مجھے نہیں معلوم۔''

اب وہ علی کو پکڑ کر باہر لائے اور بے تحاشا انھیں پیٹتے رہے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ چل جائے۔ لیکن علی رضی اللہ عنہ بار بار یہی کہتے رہے !''مجھے معلوم نہیں !''

پھر جب وہ بالکل مایوس ہو گئے تو علی رضی اللہ عنہ کو لے جا کر کعبہ میں بند کر دیا۔ مگر وہاں بھی ان کو رحم نہ آیا اور وہ برابر ستاتے رہے۔ یہاں تک کہ کچھ رشتہ دار بیچ میں پڑے اور اس طرح کہیں جا کر ان کی جان چھوٹی۔

جس روز مشرکوں نے قتل کی اسکیم بنائی۔ اسی روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ سے نکل گئے۔ اس کا مشرکوں کو سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ غصہ سے وہ دیوانے ہو گئے۔ اور بد حواسی کے عالم میں آپ کو اِدھر اُدھر ڈھونڈنے لگے۔ کوئی تو مدینہ کی سمت دوڑا۔ اور کچھ لپک کر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر گئے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے گہرے دوست ہیں اور آپ کو ان سے خاص لگاؤ ہے۔ انہی لوگوں میں ابو جہل بھی تھا۔ کنڈی کھٹکھٹائی، تو بڑی بیٹی اَسماء نکلیں۔ دشمنوں نے پوچھا: ''باپ کہاں ہیں ؟''

اَسماء نے جواب دیا: ''کچھ پتہ نہیں وہ کہاں گئے۔''

دشمن سمجھ گئے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی فرار ہو گئے۔ ابو جہل غصہ سے بے تاب تو تھا ہی۔ بدبخت سے برداشت نہ ہوا۔ اور اس نے اتنی زور سے معصوم گال پر ایک چانٹا رسید کیا کہ کان سے بال چھٹک کر دُور جا گری۔ پھر دشمن لوٹ آئے اور کوئی ایسا شخص تلاش کرنے لگے، جو پیروں کے نشان پہچانے اور ان کی رہنمائی کرے۔ تلاش کے بعد ایک آدمی مل گیا۔ جو پیروں کے نشان پہچاننے میں ماہر تھا۔ نام اُس کا سراقہ بن مالک تھا۔ وہ رسول اور عاشقِ رسول کے پیروں کے نشانات دیکھتا ہوا چلا۔ پیچھے پیچھے قریش کا ایک مجمع تھا۔ چلتے چلتے وہ مکہ سے باہر آ گئے۔ اب سراقہ نے جنوب کا رخ کیا اور کوہِ ثور کی طرف بڑھا۔ لوگ سخت حیران تھے۔ ہر ایک تعجب سے کہہ رہا تھا:

آخر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کدھر گیا؟ جنوب کی طرف یا شمال کی طرف۔''

www.quranurdu.com

دشمنوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ لیکن وہ سراقہ کے ساتھ چلتے رہے کہ شاید وہ کامیاب ہو جائے۔ سراقہ ریت پر پیروں کے نشان دیکھ دیکھ کر چلتا رہا۔ پھر۔۔۔۔ پھر وہ کوہِ ثور پر چڑھنے لگا۔

اللہ! اللہ! خدا نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ:

''وہ دشمنوں کی سازش کو ناکام کردے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ذرا بھی آنچ نہ آنے دے گا۔''

بھلا اُس سے بڑھ کر سچا کون ہو سکتا ہے؟

سراقہ پہاڑ پر چڑھ گیا۔ دشمنوں کا قافلہ بھی ساتھ تھا۔ پھر اچانک وہ رک گیا۔ چہرہ اُداس اُداس تھا۔ اور انتہائی حیرانی اور گھبراہٹ کا پتہ دے رہا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کہاں جائے، اور کدھر جائے! دشمنوں نے یہ کیفیت دیکھی، تو پوچھا:

''کیا بات ہے؟''

سراقہ نے سامنے ایک پتھر کی طرف اشارہ کیا۔ اور کہا: ''اس پتھر تک تو وہ دونوں آئے، پھر نہیں معلوم، کدھر گئے؟''

یہ کہنا تھا کہ ایک قہقہہ بلند ہوا: ''ارے سراقہ! آج تمھیں کیا ہو گیا؟ خدا کی قسم، اس طرح تو تم کبھی نہیں بہکے!''

پھر کچھ فاصلہ پر ایک چرواہا دکھائی دیا، جو اپنی بکریاں چرا رہا تھا۔ دشمنوں نے پوچھا:

''کیا اس پہاڑ پر دو آدمیوں کو چڑھتے ہوئے دیکھا ہے؟''

جواب ملا: ''میں نے تو کسی کو نہیں دیکھا۔ لیکن دیکھ لو، ہو سکتا ہے کہ غار میں ہوں۔''

اب قریش تیزی سے پہاڑ پر چڑھے۔ پھر بے تحاشا غار کی طرف لپکے۔ تیر، تلوار اور لاٹھی سب سے وہ مسلح تھے اور ہر ایک کی تمنا تھی کہ محمد کو مارنے کا سہرا اُسی کے سر بندھے!

واہ رے محمد۔۔۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت غار میں کھڑے نماز میں مصروف تھے۔ اور یارِ غار پاس ہی بیٹھے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ دل دھک دھک کر رہا تھا، کہ کہیں ظالموں کی نظر آپ پر نہ پڑ جائے۔

دشمنوں کی آوازیں بھی کانوں میں آرہی تھیں۔ ان کے رخ کا بھی اندازہ ہو گیا تھا۔ اور اب تو پیروں کی آہٹ، لاٹھیوں کی کھٹ کھٹ اور چیخ و پکار کی خوفناک آوازیں قریب تر ہوتی جارہی تھیں۔۔۔۔ ابو بکر چپ چاپ تھے۔ نگاہیں آپ پر گاڑے ہوئے۔ رہ رہ کے ان کا دل چاہتا کاش میں محمد کو دل کے اندر چھپا سکتا۔ کاش میں آپ کو اپنا جسم اُوڑھا سکا پھر حضور نماز سے فارغ ہو گئے۔ حضور کی جان خطرہ میں دیکھ کر ابو بکر رضی اللہ عنہ خوف و گھبراہٹ سے بد حال تھے۔ چہرہ اترا ہوا تھا۔ اور دل بیٹھا جارہا تھا۔ آپ سب بھانپ گئے۔ فوراً ڈھارس بندھائی اور فرمایا: ''گھبراؤ نہیں، خدا ہمارے ساتھ ہے۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبة:40)

قریش کا ایک جوان تیزی سے غار کی طرف بڑھا۔ ابھی کچھ دُور ہی تھا کہ اچانک رک گیا۔ پھر اُلٹے پاؤں لوٹ پڑا۔ حسرت و افسوس سے چہرہ زرد تھا۔ یاس و ناامیدی میں غرق تھا۔

اس کے ساتھی بھی پیچھے پیچھے تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ اس کو دیکھ کر وہ بھی ٹھہر گئے اور بولے:

''کیا بات ہوئی؟ غار میں جانکے بغیر کیوں لوٹ پڑے؟''

www.quranurdu.com

اس نے کہا۔۔۔اور مایوسی سے اُس کا دل ڈوبا جارہا تھا:

''ابھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا بھی نہ ہوا تھا، اُس وقت سے اس پر مکڑی کا ڈیرہ ہے۔ غار کے منہ پر دو جنگلی کبوتروں کا گھونسلہ بھی ہے۔ راستہ میں درخت بھی کھڑا ہے اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ اس کے اندر کوئی نہیں ہو سکتا۔''

یہ آواز ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی سنی۔ سمجھ گئے کہ اللہ اپنے رسول کو بچانا چاہتا ہے اس کے یہ سارے انتظامات ہیں۔ دشمن غار کے منہ تک پہنچ گئے تھے۔ اور وہیں اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے پیروں کو بھی دیکھ رہے تھے۔ لیکن خدا کا کرنا، کسی نے جھانک کر بھی غار کے اندر نہ دیکھا۔ ابو بکر نے آپ کے کان میں آہستہ سے کہا:

''ان میں سے کسی کی اپنے پاؤں پر نظر پڑ جائے، تو ہم کو دیکھ لے۔''

آپ نے فرمایا: ''ابو بکر رضی اللہ عنہ! ان دو کے بارے میں تمہارا خیال ہے، جن کا تیسرا اللہ ہے؟''

پھر دشمن، غار کے پاس سے چلے گئے اور اب وہ پہاڑ سے نیچے اُترنے لگے کہ جا کر دوسری جگہیں بھی دیکھیں۔ اتنی دوڑ دھوپ اور تلاش و جستجو کے باوجود ناکامی ہوئی۔ پھر بھی اُن کے حوصلے ویسے ہی بلند رہے اور وہ ویسے ہی دوڑ دھوپ میں لگے رہے۔ کیونکہ قریش نے اعلان کیا تھا کہ، جو محمد کو پکڑ کر لائے گا، سو اونٹ انعام پائے گا۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ یہ سو اُونٹ اسی کو ملیں۔ اس لالچ کے پیچھے وہ دیوانے تھے۔ کیسی تکان، اور کیسی زحمت؟ سب سے بیگانہ تھے۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تین دن اسی غار میں ٹھہرے رہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبد اللہ دن بھر پتہ لگاتے کہ قریش کیا کیا منصوبے بنا رہے ہیں؟ پھر جو کچھ خبر ملتی، رات کو آکر سنا جاتے۔ ساتھ میں ان کی بہن اَسماء بھی ہوتیں یہ گھر سے کھانا پکا کر لاتیں، کچھ رات گئے، ابو بکر رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فُہیرہ بکریاں چرا کر لے آتا۔ آپ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کا دودھ پی لیتے۔ پھر تینوں مکہ واپس چلے جاتے۔ عبد اللہ اور ان کی بہن آگے آگے ہوتیں اور عامر بن فُہیرہ اور اس کی بکریاں پیچھے پیچھے۔ تاکہ ان دونوں کے پیروں کے نشانات مٹتے جائیں۔

اس طرح تین دن گزر گئے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تلاش اب رک گئی اور جو لوگ آپ کو ڈھونڈنے نکلے تھے، وہ مایوس ہو کر گھروں کو لوٹ آئے۔ کیونکہ انھوں نے سوچا کہ اب تو سفر کا بیشتر حصہ طے ہو چکا ہوگا۔ اور اور اب تو محمد نہ جانے کہاں پہنچ گیا ہوگا۔ لہٰذا اب پیچھا کرنا فضول ہے۔

عبد اللہ روزانہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور پیارے باپ کو قریش کی ساری خبریں سنایا ہی کرتے تھے، قریش کی مایوسی کا بھی حال سنایا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سنا تو عبد اللہ سے کہا:

''میں نے جو دو اُونٹنیاں تیار کی ہیں، انھیں لیتے آنا۔ لیکن دیکھو، کسی کو پتہ نہ چلے۔ ساتھ میں عبد اللہ بن اَرقط کو بھی بلاتے لانا۔''

یہ ایک کافر تھا مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس پر اعتماد تھا۔ اس لیے انھوں نے اسے اُجرت پر طے کر لیا تھا کہ کسی غیر آباد راستہ سے وہ مدینہ پہنچا دے۔

شام ہوتے ہی عبد اللہ غارِ ثور کے لیے روانہ ہو گئے۔ ساتھ میں ان کی بہن اَسماء اور عامر بن فُہیرہ بھی تھا۔ پیچھے پیچھے عبد اللہ بن اَرقط بھی تھا۔ جو حضرت ابو بکر کی دونوں اونٹنیاں اور اپنی ایک اونٹنی لے کر آرہا تھا۔

کچھ دیر میں یہ لوگ اونٹنیوں کے ساتھ غار پر آپہنچے۔ دونوں میں جو زیادہ اچھی تھی، اسے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیااور عرض کیا: ''اللہ کے رسول! اس پر سواری فرمایے۔''

محسن عالم کو کسی کا احسان لینا کب گوارا تھا۔ فرمایا: ''میں دوسرے کی اونٹنی پر نہیں بیٹھتا۔''

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''یہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں جتنے میں خریدا ہے، اتنی ہی قیمت پر۔''

ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مجبوراً تیار ہونا پڑا۔ حضرت اسماء نے سفر کا سامان کیا۔ گھر سے وہ ایک ناشتہ دان میں کھانا، اور پانی سے بھرا ہوا ایک مشکیزہ لائی تھیں۔ ان دونوں کو اونٹنی پر رکھنا تھا۔ مگر باندھنے کے لیے کوئی بندھن نہیں تھا۔ اس لیے پریشان ہوئیں کہ کیا کریں؟

پھر ایک ترکیب سمجھ میں آگئی۔ نِطاق[1] کو پھاڑ کر انھوں نے دو ٹکڑے کیے اور ایک سے ناشتہ دان اور مشکیزہ کو باندھ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ذات النِّطاقَیْن (دو نطاقوں والی) کے لقب سے مشہور ہوئیں۔

پھر آپ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ دونوں اونٹنیوں پر سوار ہوگئے۔ عبداللہ بن اَرقط بھی اپنی اونٹنی پر بیٹھ گیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پیچھے غلام کو بھی بٹھا لیا کہ راستہ میں کوئی ضرورت پیش آئے، تو زحمت نہ ہو۔ پھر یہ قافلہ عبداللہ بن اَرقط کی رہنمائی میں روانہ ہو گیا۔ اور ساحلی راستے سے ہوتا ہوا چلا، جو بالکل سنسان اور غیر آباد تھا۔

==========

قریش کی حسرتوں کا خون ہو گیا۔ اور دل کے ارمان دل میں ہی رہ گئے۔ اس کا ان کو سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ اب وہ جہاں کہیں اکٹھا ہوتے، اسی کا رونا روتے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ اس پر وہ ہاتھ ملتے قریش اپنی ایک مجلس میں بیٹھے اسی طرح رنج و غم کا اظہار کر رہے تھے کہ ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ یہ کسی سفر سے لوٹ کر ابھی ابھی آیا تھا۔ اس نے کہا:

''میں ساحلی راستہ سے آرہا تھا کہ تین آدمی میرے سامنے ہی سے گزرے۔ میرا خیال ہے کہ وہ محمد اور ان کے ساتھ ہی تھے۔''

وہاں سراقہ نامی ایک آدمی بھی تھا۔ یہ جعشم کا بیٹا تھا۔ بہت ہی دُور رَس اور سمجھدار آدمی تھا۔ یہ بات سنی تو سمجھ گیا کہ اس آدمی کا اندازہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن اس کی تمنا تھی کہ محمد کو پکڑنے کا فخر مجھ کو حاصل ہو اور انعام کے سو اونٹ بھی میرے ہی دروازہ پر بندھیں۔ چنانچہ اس نے لوگوں کو بہکانے کے لیے فوراً تردید کی۔ بولا:

''نہیں جی۔ اب وہ یہاں کہاں بیٹھے ہیں۔ ابھی ابھی کچھ آدمی میرے سامنے ہی تو اس طرف گئے ہیں۔ میں تو ان سے اچھی طرح واقف ہوں۔''

سب کو سراقہ کی بات صحیح معلوم ہوئی۔ اور کسی نے اس آدمی کی طرف دھیان نہ دیا۔ اس کے بعد سراقہ کچھ دیر تو وہاں بیٹھا رہا۔ پھر اُٹھا اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

---

[1] اس کو عورتیں کمر سے لپیٹتی ہیں۔

گھر پہنچتے ہی وہ ہتھیار سج کر تیار ہو گیا۔ پھر اس نے اپنے ایک نوکر سے کہا اور اس نے گھوڑے پر زین کس کے اِسے مکہ سے باہر پہنچا دیا۔ کچھ ہی دیر میں سراقہ بھی نظریں بچا کر وہاں پہنچ گیا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ مکہ سے باہر جاتے ہوئے اسے کوئی نہ دیکھنے پائے پھر مکہ سے باہر پہنچ کر وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا اور لگام چھوڑ دی۔ اب گھوڑا ٹاپیں مارتا، دھول اُڑاتا، تیزی سے ساحل کی طرف بڑھا۔

کیا یہ ممکن ہے کہ سراقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پالے، جب کہ اللہ نے غار پر منڈلانے والے خطرات سے آپ کو بچا لیا! نہیں ہر گز نہیں۔ اللہ محمد کی طرف سے اپنی نظر نہیں پھیر سکتا، جب کہ وہ وعدہ کر چکا ہے، ساری سازشیں ناکام کرنے کا۔

گھوڑا ابھی کچھ ہی دُور بڑھا تھا کہ اس نے ٹھوکر کھائی اور قریب تھا کہ وہ سراقہ کو زمین پر پھینک دے۔ لیکن سراقہ جلدی سے سنبھلا، اور پھر اس کو ایڑ لگائی۔ اب گھوڑا ہوا میں تیرنے لگا۔ مگر زیادہ دور وہ نہیں گیا تھا، کہ پھر ٹھوکر لگی۔ لیکن سراقہ کی ہمت پست نہ ہوئی اور اس نے دوبارہ گھوڑے کو سنبھالا اور پھر ایڑ لگائی۔ اگرچہ اب وہ کچھ مرعوب تھا۔ کچھ خوفزدہ اور ہراساں تھا۔ کچھ مایوسی کا بھی شکار تھا۔ ادھر گھوڑا پھر سرپٹ بھاگا چلا جا رہا تھا۔

قافلہ ایک دن، رات برابر چلتا رہا۔ راستے میں نہ کسی دشمن کا سامنا ہوا۔ اور نہ کوئی پیچھا کرنے والا نظر آیا۔ لہٰذا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اب بالکل اطمینان تھا اور دل کی گھبراہٹ اور پریشانی دُور ہو چکی تھی۔ حضور کے بارے میں اب کسی بھی خطرہ کا اندیشہ نہ رہ گیا تھا۔ پھر چونکہ یہ دوسرے دن دوپہر کا وقت تھا اور دھوپ کی گرمی سے جسم بھنا جا رہا تھا۔ اس لیے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خواہش ہوئی کہ حضرت کچھ آرام فرمالیں۔ چنانچہ ہر طرف نظر دوڑائی تو ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا وہ وہیں جا کر اُتر گئے۔ پھر جلدی سے آپ کے لیے جگہ ٹھیک کر کے بکری کی کھال بچھائی اور کھانا پیش کیا۔ سب نے ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ پھر آپ نے تھوڑی دیر کے لیے آنکھ بند کر لی۔ اور آرام فرمانے لگے۔

سورج اب ڈھل چکا تھا اور اس وقت ہی ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جا کر اُس سے دودھ دوہنے کو کہا۔ پھر حضرت کے پاس آئے اور دودھ میں تھوڑا سا پانی ملا کر پینے کے لیے پیش کیا۔ آپ نے پی کر فرمایا:

''کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں ہوا؟''

پھر آپ وہاں سے روانہ ہونے لگے۔ چنانچہ اچانک ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نظر جنوب کی طرف پڑی۔ دیکھا تو ایک سوار بہت تیزی سے لپکا چلا آ رہا تھا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ عرض کیا:

''اللہ کے رسول! اب تو ہم دھر لیے گئے!''

مگر آپ کے اطمینان کا وہی حال تھا۔ بہت ہی سکون کے ساتھ فرمایا: ''ابو بکر رضی اللہ عنہ! گھبراؤ نہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

اللہ سچ مچ ان کے ساتھ تھا! سراقہ کا گھوڑا اب بہت قریب آ چکا تھا اب وہ بالکل نظروں کے سامنے تھا اور اس کی ٹاپوں کی آواز کانوں میں آ رہی تھی۔ لیکن یکایک بہت زور کی ٹھوکر لگی اور اس بار اس کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں تھے اور سوار لڑھک کر زمین پر۔ اس کا چہرہ ریت سے بالکل اٹ گیا اور ہمت نے بھی جواب دے دیا۔ سراقہ کو اب یقین ہو گیا، کہ آثار اچھے نہیں۔ اور میں نے جس کام کا بیڑا اُٹھایا ہے، خدا اس سے راضی نہیں۔ چنانچہ وہ وہیں رُک گیا۔ اور زور سے آپ کو اور ساتھیوں کو آواز دی:

www.quranurdu.com

''میں جُعشَم کا بیٹا سراقہ ہوں۔ ذرا ٹھہر جاؤ کچھ باتیں کروں گا۔ بخدا میں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ اطمینان رکھو، میں کچھ بھی نہیں کروں گا۔''

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابو بکر رضی اللہ عنہ! پوچھو، وہ کیا چاہتا ہے؟''

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کہو، کیا چاہتے ہو؟''

سراقہ نے جواب دیا: ''امن کی تحریر''

رحمتِ عالم نے درخواست قبول کی۔ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو لکھنے کا حکم دیا۔ چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا۔ آپ نے جو کچھ فرمایا، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس پر لکھ دیا پھر سراقہ کو دے دیا۔ سراقہ نے اس کو لیا۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر مکہ لوٹ آیا۔

یہ سب ہوا تھا، لیکن سراقہ نے کسی سے کچھ نہ کہا۔ البتہ اب اس کو آپ سے بے حد محبت تھی۔ اور بے انتہا الفت و ہمدردی۔ چنانچہ اب وہ دیکھتا کہ کوئی آپ کا پیچھا کرنے جا رہا ہے۔ یا تلاش کی غرض سے نکل رہا ہے، تو اُسے وہ بہکاتا۔ اور جس طرح بن پڑتا، روکنے کی کوشش کرتا۔

==========

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت ہوئی، تو مکہ میں علی رضی اللہ عنہ کے لیے کچھ نہ رہا۔ ایک تو جان کا خطرہ تھا۔ پھر آپ سے دُوری کا صدمہ۔ اس لیے وہاں کی ایک ایک چیز انھیں کاٹنے لگی۔ اور ذاتِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد بُری طرح ستانے لگی۔ اب وہ بے قرار رہتے اور آپ سے جا ملنے کے لیے بے تاب۔ امانتوں کی واپسی سے چھٹی ملی تو موقع پاتے ہی وہ مکہ سے روانہ ہو گئے۔ سواری کے لیے نہ کوئی اونٹنی تھی، نہ خچر لیکن آپ سے جا ملنے کے شوق میں وہ پیدل ہی چل پڑے اور بڑے بے تابی سے تیز تیز قدم بڑھانے لگے۔

سبحان اللہ! یہ تھی علی رضی اللہ عنہ کی وفاداری اور سعادت مندی! کتنے اونچے انسان تھے وہ! اور کتنی نیک طبیعت تھی ان کی! اس زمانہ کا لمبا سفر۔۔۔ وہ بھی تنہائی اور بے سر و سامانی کی حالت میں۔۔۔۔ اور وہ بھی پیدل! کتنی بلند تھی ان کی ہمت، اور کیسا محکم تھا ان کا عزم!

راستہ بھی کیسا؟ لَق و دَق ریگستان، ہر طرف ویران اور سنسان، نہ سایہ کی آس نہ پانی کا امکان۔ اوپر سے چلچلاتی ہوئی دھوپ۔ نیچے سے تپتی ہوئی ریت۔ جیسے آگ کی چنگاریاں۔ لیکن یہ سب چیزیں ایک طرف۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایک طرف۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بے اختیار خطرات میں کود پڑے۔ راستہ کی پریشانیاں جھیلتے رہے۔ دشوار گزار نشیب و فراز طے کرتے رہے اور رات دن آگے بڑھتے رہے۔ ان کو بس ایک ہی دھن تھی، ایک ہی آرزو تھی۔ ایک ہی تمنا تھی۔ پیارے بھائی کا قرب، مخلص دوستوں کی ملاقات اور بس۔

وہ چلتے رہے، چلتے رہے یہاں تک کہ تلوے لہولہان ہو گئے پیر بے جان ہو گئے اور چلنے کی طاقت نہ رہی۔ لیکن حوصلے ابھی جوان تھے ایک دُھن تھی، جو انھیں بے اختیار کھینچے لیے جا رہے تھی، اور اُن کے پیر۔۔۔۔ خون میں نہائے ہوئے پیر تیزی سے بڑھی

www.quranurdu.com

چلے جارہے تھے۔اُن کو یہ گوارانہ تھا کہ ذرا ٹھہر کر دم لے لیں اور تکان سے چور جسم کو کچھ آرام دے لیں۔ وہ درد کی ٹیس اور تکان کی تکلیف پر صبر کرتے رہے۔اور بے تابی کے ساتھ کعبہ مقصود (آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف دَوڑتے رہے۔

مدینہ کے تین میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹی سی آبادی تھی۔ یہ ذرا اونچائی پر واقعہ تھی اور عالیہ اور قباء کے نام سے مشہور تھی۔ یہاں مسلمانوں کے کئی اونچے گھرانے تھے۔ رسولِ خدا ان کے مہمان ہوئے۔اور چودہ دن وہیں ٹھہرے رہے۔ وہاں کے دورانِ قیام میں خود دستِ مبارک سے ایک مسجد کی بنیاد بھی ڈالی۔ جو ''مسجد قباء'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہیں پر علی کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات بھی ہوئی۔اور پھر چھوٹا مجاہد بڑے مجاہد کے ساتھ ہو گیا۔اب خوشی کا کیا ٹھکانہ تھا۔ایک ہی ساتھ تین، تین خوشیاں اکٹھا تھیں۔ ملاقات کی خوشی، دشمنوں سے نجات کی خوشی، اور پھر جاں نثار ساتھیوں میں پہنچنے کی خوشی۔ چودہ دن گزر گئے، تو آپ نے ساتھیوں کے ساتھ شہر کا رخ کیا۔

مدینہ میں آپ کی آمد کی خبر پہنچ چکی تھی۔اب کیا تھا! ہر طرف عجیب وغریب منظر تھا۔ مسلمان، مشرک اور یہودی سب خوشی سے اُچھل رہے تھے اور مسرت کے گیت گا رہے تھے۔ سارے ہی لوگ شوق ومحبت سے بے تاب تھے۔ ہر طرف ایک ہماہمی تھی۔ ہر طرف آپ کی آمد تھی۔ سب پر انتظار کا عالم تھا۔ ننھے ننھے بچے تک خوشی سے ناچ رہے تھے۔اور گلیوں میں کہتے پھرتے تھے:

''پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آرہے ہیں۔''

لوگ ہر روز صبح تڑکے ہی شہر سے باہر نکل جاتے، اور بے تابی کے ساتھ اُفق پر نظریں جمادیتے۔اسی طرح وہ پہروں آپ کا راستہ دیکھتے رہتے۔اور پھر مایوس ہو کر حسرت کے ساتھ لوٹ آتے۔ایک دن وہ انتظار کر کے اپس جا چکے، کہ ایک اونچے ٹیلے سے ایک آواز بلند ہوئی۔اور ساری فضا میں گونج اٹھی:

''لوگو! جس کا انتظار تھا، وہ آگیا۔''

یہ ایک چھوٹا سا جملہ تھا، جس پر سارا مدینہ بے تاب ہو اُٹھا۔اور سب کے دل بلیّوں اُچھلنے لگے۔ مردوں کے سینے خوشی سے اُمنڈ آئے اور بچوں اور عورتوں کے چہرے پھول کی طرح کھل اُٹھے۔ یہ آواز ایک یہودی کی آواز تھی، جو مسلمانوں ہی کی طرح بے تابی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں تھا۔اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ہر مسلمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں تھا۔اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ہر مسلمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں خوشی سے بے قابو ہے۔ ہر ایک کے گھر عید کا سماں ہے۔ ہر سو ایک عجیب دھوم دھام اور چہل پہل ہے۔ کیوں؟ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آرہے ہیں! اس سے وہ بہت متاثر ہوا۔اور اب اس پر بھی ایک انتظار کا عالم تھا۔آج اس نے دیکھا کہ ایک چھوٹا سا قافلہ آرہا ہے۔ فوراً سمجھ گیا کہ یہ وہی ہر دلعزیز مہمان ہے۔اور خوشی سے پکار اُٹھا:

''لوگو! جس کا انتظار تھا وہ آگیا۔''

تمام بوڑھے اور جوان بے تابانہ گھروں سے بہرِ استقبال نکل آئے اکثر لوگ آپ کو پہچانتے نہ تھے۔ کیونکہ انھوں نے کبھی دیکھا نہ تھا۔ لیکن ان کے دل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب جانتے تھے۔ان کے سینہ میں محبت وشوق کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

www.uranurdu.com

کھجور کے درخت کے نیچے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے ساتھیوں سے ملاقات ہوئی۔ لوگ شوق سے بے تاب تھے۔ لیکن آپ کو پہچان نہ سکتے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دھوپ سے بچانے کے لیے سر پر چادر تانی، تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہی اللہ کا پیارا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

یہ جمعہ کا دن ہے۔ راستہ ہی میں نماز کا وقت ہو گیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنی سالم کے محلہ میں تھے۔ اس لیے جمعہ کی نماز آپ نے یہیں ادا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان جاں نثاروں نے بھی نماز ادا کی، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے سے پہلے ہی مسلمان تھے۔

اس کے بعد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے۔۔۔۔ اس پاک سرزمین میں جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھوں ہاتھ لیا، جب کہ وطن نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننھیالی رشتہ دار بنو نجار بھی ہتھیار سج سج کر آ گئے۔ اس طرح قباء سے مدینہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں طرف جاں نثاروں کی قطاریں تھیں۔

ایک عجیب و غریب منظر تھا۔ برسہا برس گزر گئے تھے، خوشی و غم کے ہزارہا واقعات پیش آ چکے تھے۔ بڑے سے بڑے میلے اور جشن منائے جا چکے تھے لیکن۔۔۔۔ لیکن مدینہ کی گلیوں نے کبھی ایسا نظارہ نہ دیکھا تھا۔

مدینہ کے ہر خاندان کی تمنا تھی کہ رسولِ خدا کو اپنا مہمان بنائے۔ ہر قبیلہ سامنے آ کر عرض کرتا:

''اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں ٹھہریں۔ دیکھئے، یہ گھر ہے، یہ مال ہے، یہ جان ہے۔''

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے شکریہ ادا فرماتے۔ اور ان کے لیے دعائے خیر کرتے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مہار ڈھیلی کر دی اور فرمایا:

''میں وہاں ٹھہروں گا، جہاں اللہ ٹھہرائے گا۔''

اونٹنی مدینہ کی گلیوں میں چل رہی تھی۔ اور صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد تھے۔ لوگوں کا ایک انبوہ تھا، جو جوش میں نعرہ لگا رہا تھا: ''اللہ اکبر، محمد آ گئے۔ اللہ اکبر، رسولِ خدا آ گئے۔''

ننھے ننھے لڑکے اور معصوم بچیاں دف بجا رہی تھیں۔ اور خوشی میں گاتی جا رہی تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ
اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

''چودھویں کا چاند ہمارے سامنے نکل آیا، وداع کی گھاٹیوں سے۔ ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں۔ اے ہم میں آنے والے! یہاں تیری باتیں سنی جائیں گی۔''

عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئی تھیں، اپنے معزز مہمان کو ایک نظر دیکھ لینے کے لیے۔ مرد بھی اونچی اونچی جگہوں پر چڑھ گئے تھے۔ اور اس طرح خراجِ عقیدت پیش کر رہے تھے۔

www.quranurdu.com

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی چلتی رہی، چلتی رہی۔ پھر ایک جگہ آکر ٹھہر گئی۔ اور وہیں بیٹھ گئی۔ یہ خاندان نجار کے دو یتیموں کی زمین تھی۔ اس میں کچھ قبریں تھیں۔ کچھ کھجور کے درخت تھے۔

اونٹنی بیٹھی تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُتر آئے۔ پھر فرمایا:

''یہ زمین کس کی ہے؟'' (آپ یہاں مسجد بنانا چاہتے تھے)

عفراء کے بیٹے معاذ آگے بڑھے۔ عرض کیا:

''رسولِ خدا! سَھل اور سہیل دو بچے ہیں۔ یہ زمین انہی کی ہے باپ کا سایہ سر سے اُٹھ چکا ہے اور اب وہ دونوں میری ہی پرورش میں ہیں۔ آپ خوشی سے یہاں مسجد بنوائیں۔ میں انھیں راضی کر لوں گا۔''

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان یتیموں کو بلا بھیجا۔ ان دونوں نے سنا تو یہ زمین مفت دینی چاہی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند نہ فرمایا اور قیمت دے کر خرید لی پھر زمین برابر کی گئی۔ اور مسجد بننی شروع ہو گئی۔

آپ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے۔ اب کیا تھا! وہ خوشی سے نہال ہو گئے۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت خیال رکھتے اور ہر طرح کا آرام پہنچانے کی کوشش کرتے۔ سات مہینے آپ یہیں ٹھہرے رہے۔ اس مدت میں مسجد بن کر تیار ہو گئی۔ پھر مسجد کے قریب ہی امہات المومنین کے لیے کچھ کوٹھریاں بنیں، جن کو حجرہ کہتے ہیں اس کے بعد آپ یہیں چلے آئے۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ نجّار میں ٹھہرے، تو قبیلہ والوں کو کتنی خوشی ہوئی، اس کا اندازہ کون کرے؟ نجار کی لڑکیاں خوشی سے اچھلتی تھیں اور بے خود ہو کر یہ گیت گاتی تھیں:

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ
یَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِّن جَارِ

''ہم خاندانِ نجار کی لڑکیاں ہیں۔ اے ہے، محمد ہمارے پاس رہیں گے۔''

==========

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں رہنے لگے۔ رہتے رہتے کافی دن ہو گئے۔ یہ دن بہت سکون سے گزرے۔ ہر طرح کا آرام تھا۔ کسی طرح کا خوف اور خطرہ نہ تھا۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات المومنین کو بھی بلا لیا۔ پیاری صاحبزادیاں بھی آ گئیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو لکھ دیا۔ وہ بھی ماں، بہنوں کو لے کر مدینہ آ گئے۔ دوسرے ساتھیوں نے بھی اہل و عیال کو بلا لیا۔ جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے، وہ بھی مدینہ چلے آئے۔ ساتھ میں بیوی بچوں کو بھی لائے۔ مگر یہ لوگ مدینہ آئے تو بالکل خالی ہاتھ تھے۔ ساتھ میں کچھ بھی نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انصار اگرچہ ان کی بہت مدد کرتے اور ان کے آرام کا پورا خیال رکھتے۔ لیکن پھر بھی تنگی سے گزارا ہوتا تھا۔

اللہ اکبر! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن تدبیر کو کیا کہیے! بس سنیے اور داد دیجیے! آپ نے انصار اور مہاجرین کو جمع کیا پھر انصار سے فرمایا:

www.quranurdu.com

''یہ مہاجرین تمہارے بھائی ہیں۔''

اس کے بعد آپ ایک انصاری کو بلاتے۔ پھر ایک مہاجر کو بلاتے اور فرماتے:

''یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔''

اب وہ سچ مچ بھائی بھائی تھے۔ انصار اپنے اپنے بھائیوں کو گھروں پر لے گئے۔ انھیں اپنے یہاں ٹھہرایا۔ رہنے کے لیے گھر دیا مال و جائیداد میں ان کا حصہ لگایا اور ہر طرح کا آرام بہم پہنچایا۔ اب مدینہ ان کا اپنا وطن تھا۔ جہاں ان کے لیے ہر طرح کی سہولت تھی۔ غرض اس بھائی چارہ سے انصار اور مہاجرین کے تعلقات بہت مضبوط ہو گئے اور دونوں میں گہری محبت اور الفت ہو گئی۔ ہر ایک دوسرے کو دل سے چاہنے لگا۔ ہر ایک جو اپنے لیے پسند کرتا، وہی بھائی کے لیے بھی پسند کرتا اور جو چیز خود ناپسند ہوتی، وہ بھائی کے لیے بھی ناپسند ہوتی۔ یوں سمجھیے، اب وہ ایک جان دو قالب تھے۔

مہاجرین تو ہاتھ پیر مارنے کے عادی تھے، موقع پاتے ہی کاروبار میں لگ گئے۔ کوئی تجارت میں لگ گیا اور کوئی انصار کی زمین میں کاشت کرنے لگا۔

حرکت میں برکت تو ہوتی ہی ہے۔ اللہ نے کاروبار میں برکت دی اس طرح بہت جلد اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے اور پھر سے اپنے گھر بسا لیے۔

کچھ مسلمان ایسے بھی تھے، جو بہت زیادہ مفلس تھے ان کے رہنے کے لیے کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ کسی کاروبار کے بھی وہ لائق نہ تھے۔ اس طرح دو، دو، تین، تین دن ان کے فاقہ میں گزر جاتے۔ حضور ان کا بہت خیال رکھتے اور بیت المال سے انھیں وظیفہ بھی دیتے۔ مسجد نبوی کے ایک کنارہ پر ایک چبوترہ[1] تھا، رات میں یہ بیچارے وہیں پڑ رہتے۔

مدینہ میں یہودیوں کی بھی اچھی خاصی آبادی تھی۔ اور یہی عرب کے مہاجن تھے۔ اس لیے مدینہ پر انہی کی حکومت تھی۔ ایسی حالت میں وہاں امن کی صرف ایک ہی صورت ہو سکتی تھی۔ یہ خوش رہیں اور تعلقات ان سے خوشگوار رہیں۔ اس لیے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ ان سے سمجھوتہ ہو جائے اور مدینہ میں مسلمان، یہودی سب آزادی سے رہیں۔ کوئی کسی کے مذہب کی توہین نہ کرے۔ کوئی کسی کے مال کو ہاتھ نہ لگائے۔ کوئی دشمن شہر پر حملہ کرے تو مقابلہ میں دونوں ایک ہوں۔ مالِ غنیمت ملے، تو اس میں بھی برابر کے شریک ہوں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے بات چیت کی۔ اور وہ خوشی راضی ہو گئے۔ پھر سب ایک جگہ جمع ہوئے۔ اور ایک معاہدہ تحریر ہو گیا۔ مگر یہ معاہدہ زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکا۔ کیونکہ یہودیوں کی باطل آرزوؤں کے بے بنیاد قلعے زمین پر آرہے۔ اور انھوں نے ذاتِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو توقعات وابستہ کی تھی، وہ پوری ہوتی نظر نہ آئیں۔

یہودی مدت سے ایک نبی کے منتظر تھے۔ چنانچہ جہاں انھیں ''نبی'' کے آنے کی امید تھی، وہاں وہاں وہ جا کر بستے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ آنے والا نبی ہمارے ہی مذہب کا پیرو ہو گا۔ اور جب وہ آئے گا، تو ہمارے مذہب کے پیرو جم جائیں گے۔ اور ہر طرف

---

[1] عربی میں چبوترہ کو ''صفّہ'' کہتے ہیں۔ اس لیے یہ اصحابِ صفہ کہلائے۔

اسی کا بول بالا ہو گا اور عیسائی مذہب سے دنیا سے مٹ جائے گا۔ کوئی نام لیوا بھی نہ ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شروع میں آپ کے مدینہ تشریف لانے سے بہت خوش تھے اور خوشی خوشی معاہدے پر بھی راضی ہو گئے تھے۔ مگر آپ نے بالکل ہی نیا دین پیش کیا اور نئی نئی باتیں بتائیں۔ جو یہودیوں کے بالکل خلاف تھیں۔ بھلا اب برداشت کی کہاں تاب تھی؟ اب صبر و سکوت کا کیا سوال تھا؟ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے حلق کا کانٹا بن گئے۔ معاہدہ کا انھوں نے کوئی خیال نہ کیا اور مخالفت میں سارا زور لگا دیا۔ لگانے بجھانے میں تو وہ ماہر تھے ہی۔ ''دوسروں کو لڑاؤ، پھر اپنا کام بناؤ۔'' یہ ان کا اصول تھا۔ اِسی اُصول سے یہاں بھی کام لیا اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکامی ہوئی۔ پھر بھی وہ مایوس نہ ہوئے۔ اور ایک دوسری چال چلی۔ یعنی اب وہ مدینہ کے مشرکوں کے کان بھرنے لگے۔ چنانچہ وہ ان کی باتوں میں آ گئے۔ اور ان کے ساتھ ہو گئے لیکن جو مسلمان تھے، وہ تو ایک دوسرے پر جان دیتے۔ خود دکھ اُٹھاتے، مگر اپنے بھائی کو آرام پہنچاتے۔ وہ بھلا ان بدبختوں کی باتوں میں کیسے آتے۔ بری طرح انھیں پھٹکار دیا اور نفرت سے منہ موڑ لیا۔ اور اسلام پھیلانے میں تن من سے لگے رہے۔

==========

www.quranurdu.com

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

دعوتِ حق تلواروں کی چھاؤں میں

- مسلمانوں کے لیے جنگ کی اجازت
- مسلمانوں کی دفاعی سرگرمیاں
- ابوسفیان کا سفر شام
- عاتکہ کا خواب
- ضمضم کی آتش نوائی
- قریش کی جنگی تیاریاں
- لشکر قریش کی روانگی
- ابوسفیان کا قاصد
- ابوجہل کی خود رائی
- ابوسفیان کو ملال
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ سے مشورہ
- صحابہ رضی اللہ عنہم کی سرفروشانہ تقریریں
- مدینہ سے اِسلامی فوج کی روانگی
- میدانِ کارزار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تاریخی خطبہ
- قریش کے جاسوس اور ان کا تاثر
- میدانِ بدر میں حق و باطل آمنے سامنے
- اَیوانِ باطل میں صفِ ماتم بچھ گئی
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی دوبارہ سازش اور پھر ناکامی

www.quranurdu.com

أُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرٌ (الحج:39)

جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) ان کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ کیونکہ اُن پر ظلم کیا جارہا ہے۔ اور خدا اُن کی مدد پر یقینا قادر ہے۔"

مدینہ پہنچ کر مسلمان زور پکڑنے لگے۔ یہ دیکھ کر مشرکوں کے دل جلنے لگے۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کا زور توڑنے کا فیصلہ کر لیا اور مدینہ پر چڑھائی کے منصوبے بنانے لگے۔ اس وقت اللہ نے مسلمانوں کو بھی جنگ کی اجازت دے دی۔ اور حکم ہوا کہ اب طاقت کا جواب طاقت سے دو۔ سختی کے مقابلہ میں سختی کرو۔ دشمن تمہاری طرف بڑھیں، تو ان کے دانت کھٹے کر دو۔

ادھر مدینہ میں بھی ایک نیا گروہ پیدا ہو گیا تھا۔ یہ تھا منافقوں کا گروہ۔۔۔۔ مسلمانوں کا کٹر دشمن۔۔۔۔ ان کے ایمان کے لیے سخت خطرہ! یہ کبھی کھل کر سامنے نہ آتا۔ اندر ہی اندر اسلام سے کڑھتا اور دوست بن کر مسلمانوں کو ورغلاتا۔ اللہ نے اس کے ساتھ بھی سختی کرنے کا حکم دیا۔

مکہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن تھا۔ بہت سے مسلمانوں کا بھی وطن تھا۔ اور اپنے وطن سے انھیں بے پناہ محبت تھی۔ لیکن وہاں کی سرزمین ان پر تنگ ہوگئی۔ اور سانس تک لینا تک ان کے لیے دوبھر ہو گیا۔ مجبوراً ان کو بے وطن ہونا پڑا۔ اور دولت اور جائیداد سب سے ہاتھ دھونا پڑا۔ حد یہ ہے کہ کعبہ بھی چھن گیا اور حج اور طواف پر پابندی لگ گئی۔ اس کا پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج تھا۔ مسلمانوں کو بھی سخت صدمہ تھا۔ لہٰذا اب ان کی نظریں مکہ کی طرف اُٹھنے لگیں۔

ظالموں سے جنگ کرنے کا حکم تو آ ہی چکا تھا۔ اس لیے مسلمانوں نے عزم کیا کہ اب ظلم کی آگ بجھائیں گے۔ مشرکین اور منافقین کی طرف سے دین کو جو خطرہ درپیش ہے۔ اس خطرے کو دبائیں گے۔ کعبہ کو آزاد کریں گے۔ اور حج کی پابندی کو ختم کریں گے۔

چنانچہ مکہ والوں میں کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ ان کے کیا ارادے ہیں؟ یہ معلوم کرنے کی مسلمانوں نے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ وہ ٹولیاں بنابنا کر مدینہ سے باہر نکل جاتے اور جہاں کہیں قریش کے قافلے ملتے، اُن سے چھیڑ چھاڑ کرتے۔

یہ ٹولیاں سو سو، پچاس پچاس آدمیوں کی ہوتیں۔ جن میں پانچ زیادہ مشہور ہیں۔ ایک کے تو امیر حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔ دوسری کے حضرت عُبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ، تیسری کے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، چوتھی کے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور پانچویں میں خود پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم شریک تھے۔ ان ٹولیوں سے قریش کا کبھی جم کر مقابلہ نہ ہوا۔ ہمیشہ یا تو بچ بچاؤ ہو گیا۔ یا وہ بچ کر نکل گئے۔ پھر ان ٹولیوں نے ایک کام اور کیا۔ انھوں نے آس پاس کے قبیلوں سے دوستی کر کے ان سے امن وامان کے معاہدے کر لیے۔ کیونکہ ان کے بگڑ جانے سے مدینہ میں بدامنی پھیل جانے کا اندیشہ تھا۔ ان قبیلوں نے آسانی سے معاہدے کر لیے اور ضرورت پڑنے پر مدد کرنے کے بھی وعدے کیے۔

ہجرت سے پہلے قریش کو خبر ملی کہ انصار نے عقبہ میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جان کی بازی لگا دینے کی قسمیں کھائی ہیں۔ یہ سن کر وہ لرز گئے۔ اور سمجھ گئے کہ اب شامت آگئی ہے۔ بس جلد ہی ایک ہولناک جنگ کا سامنا ہے۔ وہ جنگ اب سر پر منڈلا رہی تھی۔

www.urdupurdu.com

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو قریش کے کان کھڑے ہو گئے اور وہ سمجھ گئے کہ اب بُرے دن آنے والے ہیں۔ وہ بُرے دن آج سامنے تھے۔

قریش کو اپنی شامی تجارت کے بارے میں خطرہ تھا۔ وہ خطرہ بھی اب سر اٹھا چکا تھا۔

قریش کا ایک بہت بڑا سردار تھا! ابو سفیان۔ یہ حرب کا بیٹا تھا۔ ہجرت کے دوسرے سال وہ تجارت کے اِرادے سے شام گیا۔ قریش کے اور لوگ بھی ساتھ تھے۔ پھر لوٹا تو دولت کا ٹھکانہ نہ تھا۔ سامان بھی بے انتہا تھا۔

اسلامی دستے قافلوں سے چھیڑ چھاڑ تو کیا ہی کرتے تھے۔ ابو سفیان کو اندیشہ ہوا کہ مال وافر ہے اور آدمی تھوڑے ہیں۔ کہیں مسلمانوں کا کوئی دستہ چھاپہ نہ مار دے۔ چنانچہ اس نے قریش کے پاس ایک آدمی دوڑایا۔ یہ تھا عمرو کا بیٹا ضمضم۔ ابو سفیان چاہتا تھا کہ قریش کو اس خطرہ کی خبر ہو جائے تاکہ وہ مدد کے لیے آجائیں۔ ضمضم کو بھیجتے ہوئے اس نے کہا:

''مکہ پہنچتے ہی اونٹ کے دونوں کان کاٹ دینا۔ پھر کجاوے کا رُخ بدل دینا۔ اور اپنی قمیض کو آگے پیچھے سے چاک کر دینا۔ پھر بے تحاشا چیخنا، مدد، مدد!''

مکہ میں یہی دستور تھا۔ جب بھی کوئی خطرے کی بات ہوتی لوگ ایسا ہی کرتے۔ اس طرح پورے شہر میں کھلبلی مچ جاتی اور دیکھتے دیکھتے سارے آدمی جمع ہو جاتے۔

==========

ہجرت کا دوسرا سال اور شعبان کا مہینہ تھا۔ مکہ میں عبد المطلب کی بیٹی عاتکہ نے ایک خواب دیکھا۔ خواب اس قدر ڈراؤنا تھا کہ عاتکہ گھبرا گئیں اور خوف سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک آدمی اونٹ پر سوار ہے اور وہ تیزی سے بڑھا چلا آرہا ہے۔ پھر اَبطح پہنچ کر وہ رک گیا۔ اور زور سے چیخا:

''قریش کے لوگو! تین دن کے اندر اندر اپنی قتل گاہوں پر پہنچ جاؤ۔''

یہ سن کر سب لوگ جمع ہو گئے۔ پھر وہ آدمی خانہ کعبہ میں داخل ہو گیا۔ لوگ بھی پیچھے گئے۔ سارے لوگ اس کے ارد گرد کھڑے تھے کہ اچانک اسے لے کر اونٹ کعبہ کی چھت پر چڑھ گیا۔ پھر وہ زور سے چیخا:

''قریش کے لوگو! تین دن کے اندر اندر اپنی قتل گاہوں پر پہنچ جاؤ۔''

پھر اس کا اونٹ ایک پہاڑ پر چڑھ گیا۔ ابو قبیس نامی پہاڑ پر۔ وہاں پہنچ کر وہ آدمی پھر زور سے چیخا:

''قریش کے لوگو! تین دن کے اندر اندر اپنی قتل گاہوں پر پہنچ جاؤ۔''

پھر اس نے ایک چٹان اٹھائی۔ اور پوری طاقت سے زمین کی طرف پھینک ماری۔ چٹان زمین پر گرتے ہی پاش پاش ہو گئی اور اس کے ٹکڑے چھٹک کر مکہ کے سارے گھروں میں پہنچے، کوئی بھی اس سے محفوظ نہ رہا۔

صبح ہوئی تو عاتکہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عباس رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو اپنا خواب سنایا۔ خواب سن کر وہ بولے:

''دیکھو بہن! اب کسی اور سے نہ بیان کرنا۔ یہ خواب کسی سے کہنے کا نہیں۔''

www.quranurdu.com

لیکن عباس سے خود ہی نہ رہا گیا اور انھوں نے اپنے کسی دوست سے بیان کر دیا۔ دوست سے کہنا تھا کہ آندھی کی طرح یہ بات پورے مکہ میں پھیل گئی۔ ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کو بھی معلوم ہو گئی۔ انھوں نے سنا تو عاتکہ کا خوب خوب مذاق اُڑایا۔ ابو جہل نے تمسخر کے انداز میں عباس سے کہا:

''اَخّاہ! اب تک تو تمہارے یہاں کے آدمی ہی نبی ہو رہے تھے۔ اب عورتیں بھی نبی ہونے لگیں؟''

لیکن عاتکہ کا خواب سچا نکلا۔ ضمضم تین دن کے بعد مکہ پہنچ گیا۔ مکہ پہنچ کر اس نے اونٹ کے دونوں کان کاٹ دیے۔ پھر اپنی قمیص پھاڑ ڈالی۔ اور کجاوے کا رخ بدل دیا۔ پھر چیخا:

''قریش کے لوگو! لوَیّ بن غالب کے فرزندو! تمہارا قافلہ آرہا ہے۔ مشک اور خوشبوئیں لا رہا ہے۔ اور بھی بہت سا سامان لا رہا ہے۔ بڑھ کر اسے بچاؤ۔ محمد اور اس کے ساتھی اسے لوٹ نہ لیں۔ دوڑو! دوڑو! مدد کے لیے دوڑو! اپنے سامان کو بچاؤ!''

==========

عرب کی غیرت و حمیت کا حال کسے معلوم نہیں؟ کسی قبیلہ کا کوئی آدمی کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا، تو ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا اور دیکھتے دیکھتے جنگ کے شعلے بھڑکنے لگتے۔ دونوں طرف سے ٹڈی دَل اُمنڈ آتا اور خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔ پھر یہ لڑائیاں سالہا سال قائم رہتیں۔ قبیلے کے قبیلے کٹ جاتے۔ کنبے کے کنبے ویران ہو جاتے لیکن وہ بند ہونے کا نام نہ لیتیں۔ عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا۔ لیکن مقتول کا نام کاغذ پر درج ہوتا۔ اور پشتہا پشت تک بچوں کو یاد کرایا جاتا، کہ وہ بڑے ہوں، تو اُس کا بدلہ لیں۔ وَاحِس اور بسوس کی قیامت خیز لڑائیاں کون نہیں جانتا؟ چالیس برس تک قائم رہیں۔ اور ہزاروں لاکھوں جانیں ان کی نذر ہو گئیں۔ وہ بھی اسی بنا پر ہوئیں۔

رجب 2 ہجری کا واقعہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ آدمیوں کو نخلہ کی وادی میں بھیجا، کہ وہاں ٹھہر کر قریش کے ارادوں کا پتہ لگائیں۔ اتفاق سے قریش کا ایک مختصر سا قافلہ اِدھر سے گزرا۔ ان لوگوں نے اُسے لوٹ لیا۔ اور ایک آدمی کو قتل اور دو کو قید کیا۔ قتل ہونے والا آدمی عمرو بن حضرمی تھا جو عامر بن حضرمی کا بھائی تھا۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی، تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا:

'' میں نے تمھیں اس لیے تو نہیں بھیجا تھا۔''

اُدھر قریش کو خبر ہوئی، تو وہ غصہ سے بے خود ہو گئے۔ اور جذبۂ انتقام سے سَرشار۔ اب انھیں جنگ کی دُھن تھی۔ اور رات دن اِسی کی فکر ضمضم کی پکار نے زخم پر نمک چھڑکا اور آتشِ غضب کو اور بھڑکا دیا اب وہ جوش سے بے تاب ہو گئے۔ اور جنگ کی تیاریوں میں لگ گئے۔ جلدی جلدی انھوں نے بہادر سپاہیوں کو جمع کیا اور جس قدر ممکن تھا، اونٹ گھوڑوں کا انتظام کیا جسے دیکھیے، غصہ سے بے تاب تھا اور محمد سے ٹکر لینے پر دوسروں کو ابھار رہا تھا۔ جوش کا عالم تھا۔ ہر ایک جانے کے لیے تیار تھا اور جو نہیں جا سکتا تھا، اپنی طرف سے آدمی بھیج رہا تھا۔

www.quranurdu.com

قریش کے سارے سردار اس مہم میں شریک ہوئے۔ البتہ ابولہب کی ہمت نہ ہوئی۔ اس لیے اس نے چار ہزار درہم پر ایک آدمی کو تیار کر لیا اور اپنی بجائے اُسے بھیج دیا۔ ورنہ جوش کا تو یہ حال تھا کہ اگر کوئی جانے سے جی چراتا، تو ساتھی بگڑ جاتے اور اس کو شرم دلاتے ہوئے کہتے:

''تم تو عورت ہو۔ گھر میں گھسے رہنے کے عادی ہو۔''

نتیجہ یہ ہوتا کہ اُسے غیرت آجاتی۔ اور وہ بھی جانے کے لیے تیار ہو جاتا۔

کچھ لوگ جوش دلانے اور جذبات کو بھڑکانے میں پیش پیش تھے۔ سہیل نامی ایک سوار بھی انہی میں تھا۔ اس نے قریش کے لوگوں سے کہا:

''غالب کے بیٹو! کیا تمھیں یہ گوارا ہے کہ وہ سارے سامان پر قبضہ کر لیں۔ اور تمام اُونٹوں کو ہنکا لے جائیں؟ کسی کو مال کی ضرورت ہو تو مال حاضر ہے۔ کسی کے پاس ہتھیار نہ ہو تو ہتھیاروں کی بھی کمی نہیں۔''

اس طرح قریش ساڑھے نو سو بہادروں کے ساتھ نکلے۔ ساتھ میں سو گھوڑے اور سات سو اونٹ بھی تھے۔ پیدل فوج لوہے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ سوزرہیں تھیں۔ ساتھ میں گانے والی عورتیں تھیں۔ یہ بدنصیب رسولِ پاک کی شان میں گستاخانہ اشعار کہتیں، اور اس طرح سپاہیوں کی آتشِ غضب کو اور بھڑکاتیں۔

دشمنوں کا یہ لشکر اکڑتا ہوا چلا۔ ہر ایک پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دانت پیس رہا تھا اور غصہ سے ہونٹ چبا رہا تھا۔ ان کے پیش نظر صرف یہی نہ تھا کہ قافلہ کو بچا لائیں۔ ان کا ارادہ یہ بھی تھا کہ اس آئے دن کے خطرے کو ہمیشہ کے لیے دبا دیں۔ اور مدینہ میں جو یہ طاقت جمع ہو رہی ہے، اسے اس طرح کچل ڈالیں، کہ تجارتی راستہ بالکل محفوظ ہو جائے۔

ادھر ابوسفیان قافلہ کو لے کر آگے بڑھا اور بڑھتے بڑھتے سرزمین حجاز سے بہت قریب ہو گیا۔ خوفزدہ تو تھا ہی، اب آگے کی خبریں معلوم کرنے لگا کہ مسلمانوں کی زد میں نہ آجائے۔

پھر وہ ضَمضَم کا راستہ دیکھنے لگا۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ ضمضم آرہا ہو گا اور ساتھ میں قریش بھی مدد کے لیے آرہے ہوں گے۔ لیکن کوئی نہ آیا۔

پھر جب وہ رات آئی جس میں اِسے بدر کے چشمہ پر پہنچنا تھا، تو اُونٹ تیزی سے پانی کی طرف بڑھنے لگے۔ حالانکہ پانی کی انھیں کوئی ضرورت نہ تھی۔ ابھی ایک ہی دن پہلے وہ خوب سیراب ہو چکے تھے۔

قافلہ والوں نے یہ ماجرا دیکھا تو گھبرا گئے۔ انھوں نے سوچا کہ اب تک تو اونٹوں نے کبھی ایسا نہیں کیا تھا۔ آج کیا بات ہے؟ رات بھی بڑی تاریخ تھی۔ نگاہ کچھ بھی کام نہیں کر رہی تھی۔ اس سے ان کی گھبراہٹ اور بڑھی اور خوف سے برا حال ہو گیا۔

ابوسفیان نے اب رخ بدل دیا۔ اس کو ڈر تھا کہ مسلمان تاک میں ہوں گے۔ اور وہ بدر کے پاس ہی چھپے ہوں گے۔ لہٰذا اب اس نے دوسرا راستہ پکڑا۔ بدر سے ہٹ کر وہ ساحل پر چلنے لگا۔ اس طرح بدر اب بائیں جانب تھا اور وہ تیزی سے بڑھ رہا تھا۔

ادھر قریش برابر آگے بڑھ رہے تھے۔ راستہ میں وہ جہاں کہیں پانی دیکھتے پڑاؤ ڈال دیتے۔ ٹھہر کر اُونٹ ذبح کرتے۔ خود کھاتے دوسروں کو کھلاتے۔ شراب و کباب کے دَور چلتے۔ پھر وہاں سے وہ آگے چل دیتے۔

اس طرح وہ کھاتے پیتے، عیش کرتے اور غرور سے اکڑتے چلے جارہے تھے کہ مکہ سے ایک آدمی پہنچا اور اُس نے کہا:

''بھائیو! اب مکہ لوٹ چلو۔ قافلہ بالکل صحیح سالم لوٹ آیا۔ محمد اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھ نہیں لگا۔ خیر اسی میں ہے کہ اب لوٹ چلو۔ مدینہ والوں سے ٹکر لینے کی مت سوچو۔ وہ ککڑی کے مثل کاٹ کر رکھ دیں گے۔ قریشی بھائیو! اب آگے نہ بڑھو۔ قافلہ تو بچ گیا۔ اس سے زیادہ کیا چاہیے؟ تم تو قافلہ ہی کو بچانے نکلے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے خود ہی بچالیا۔''

اس آدمی نے یہ باتیں انہی کے بھلے کے لیے کہی تھیں۔ لیکن وہ سننے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اکثر لوگوں نے صاف انکار کر دیا۔

قبیلۂ بنی ہاشم کی سمجھ میں یہ باتیں آگئیں۔ چنانچہ انھوں نے لوٹنا چاہا مگر ابو جہل بگڑ گیا۔ تن کر بولا:

''نہیں، بخدا ہم ہر گز نہیں لوٹیں گے۔ ہم تو بدر تک جائیں گے۔''

بدر ایک گاؤں ہے، جہاں ہر سال میلہ لگتا ہے۔ مدینہ منورہ سے تقریباً 80 میل پر واقع ہے۔

وہ آدمی ابو سفیان کے پاس لوٹ آیا۔ آکر اس نے سارا قصہ سنایا اور جو کچھ باتیں ہوئی تھیں سب بیان کر دیں۔ ابو سفیان نے یہ باتیں سنیں تو اسے بہت افسوس ہوا۔ بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا:

''ہائے میری قوم! یہ سب ابو جہل کی کارستانی ہے۔ وہ لوٹنے پر تیار نہ ہوا۔ کیونکہ وہ آج لوگوں کا سردار بن گیا ہے! اس نے لوگوں پر ظلم کیا۔ اس نے خود رائی سے کام لیا۔ خیر خواہی کی بات تھی۔ لیکن اس نے ٹھکرا دیا۔ دوسروں کی نہ سننا بہت بڑا عیب ہے۔ اس کا نتیجہ بربادی اور ہلاکت ہے۔''

==========

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صورتِ حال کی خبر ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ کہ فیصلہ کی گھڑی آن پہنچی اور اگر اس وقت ہمت کا ثبوت نہ دیا گیا، تو تحریک اسلامی ہمیشہ کے لیے بے جان ہو جائے گی۔ اور سر اُٹھانے کا پھر کوئی موقع نہ پائے گی۔ مدینہ میں آئے ابھی دو سال بھی نہیں ہوئے۔ مہاجرین بے سر و سامان، انصار ابھی ناآزمودہ، یہودی مخالفت پر کمربستہ، خود مدینہ کے مشرکوں اور منافقوں کا خطرہ۔ ایسے میں اگر قریش مدینہ پر حملہ آور ہوئے، تو ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کا خاتمہ ہو جائے۔ لیکن اگر وہ حملہ بھی نہ کریں، صرف اپنے زور سے قافلہ کو ہی بچا کر نکال لے جائیں اور مسلمان دبکے بیٹھے رہیں، تب بھی مسلمانوں کی ایسی ہوا اکھڑے گی، کہ عرب کا بچہ بچہ ان پر دلیر ہو جائے گا۔ اور پھر پورے ملک کی سرزمین ان کے لیے تنگ ہو جائے گی۔ آس پاس کے جتنے قبیلے ہیں، قریش کے اشاروں پر ناچنے لگیں گے۔ مدینہ کے مشرکین بالکل بے باک ہو جائیں گے۔ اور یہودی اور منافقین علی الاعلان سر اُٹھائیں گے۔ پھر مدینہ میں جینا مشکل ہو جائے گا۔ مسلمانوں کا کوئی رعب اور اثر نہ ہو گا۔ جو چاہے گا، ان کو مارے گا۔ اور مال و آبرو پر بے تامل ہاتھ ڈالے گا۔ اس بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عزم کیا کہ جو طاقت بھی میسر ہے، اسے لے کر نکلیں گے۔ اور میدان میں فیصلہ کریں گے کہ جینے کا بل بوتا کس میں ہے۔

یہ ارادہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو جمع کیا اور ساری صورتِ حال سامنے رکھ دی کہ ایک طرف شمال میں تجارتی قافلہ ہے اور دوسری طرف جنوب سے قریش کا لشکر آرہا ہے۔ بتاؤ کدھر چلنے کا خیال ہے؟ جواب میں ایک بڑے گروہ نے کہا۔'' قافلہ کی طرف۔'' لیکن پیش نظر تو کچھ اَور تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سوال دہرایا۔

www.quranurdu.com

اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اُٹھے اور انھوں نے بہت ہی جاں نثارانہ تقریر کی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُٹھے اور انھوں نے بھی بہت عمدہ اور پر جوش تقریر کی۔ اس کے بعد عمرو کے بیٹے مقداد کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا:

" اللہ کے رسول! جدھر رب کا حکم ہے، اسی طرف چلیے۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ بنی اسرائیل نے تو اپنے نبی سے کہا کہ آپ اور آپ کا خدا جائیں اور جنگ کریں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں، لیکن ہم ایسے کہنے والے نہیں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ چلیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا جنگ کیجیے۔ جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی گردش میں ہے، ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر جنگ کریں گے۔"

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تقریر سنی تو چہرۂ مبارک خوشی سے چمک اُٹھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی تعریف کی اور دعا دی۔ پھر فرمایا: "لوگو! تم بھی کچھ بولو!"

انصار سمجھ گئے کہ آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے۔ وجہ یہ تھی کہ انصار کے لیے یہ پہلا موقع تھا۔ اس سے پہلے وہ کسی مہم میں شریک نہ ہوئے تھے۔

چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو مدینہ کے معزز لوگوں میں تھے اُٹھے اور عرض کیا:

"اللہ کے رسول! شاید اشارہ ہماری طرف ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں!"

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں اس وقت سارے انصار کی طرف سے بول رہا ہوں۔ اللہ کے رسول! ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا سمجھا ہے۔ ہم نے گواہی دی ہے کہ آپ کی باتیں حق ہیں۔ ہم آپ کی اطاعت کا عہد بھی کر چکے ہیں۔ اللہ کے نبی! اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کام کا ارادہ فرمایا ہے، بے جھجک اس کے لیے قدم بڑھایے۔ خدا کی قسم! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں لے کر سمندر میں کود پڑیں، تو بھی ہم بخوشی تیار ہیں۔ ہم میں کوئی پیچھے رہنے والا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے تامل جس سے چاہیے صلح کیجیے اور جس سے چاہیے، جنگ کیجیے۔ پھر ہماری دولت بھی آپ کے قدموں پر ہے۔۔۔۔۔ جتنی چاہیے لے لیجیے کیونکہ جتنی ہی زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیں گے۔ ہمیں اتنی ہی زیادہ خوشی ہو گی۔ میں اس راستہ پر کبھی نہیں گیا ہوں، نہ اس کے بارے میں کوئی واقفیت ہے لیکن ہم دشمن سے بھاگنے والے نہیں، ہم تو میدانِ جنگ کے شیر ہیں۔ مقابلہ میں ڈٹ جانے والے ہیں۔ امید ہے کہ ہم بہادری کے ایسے ایسے جوہر دکھائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو جائیں گے۔"

یہ خلوص و محبت سے بھری ہوئی تقریر تھی۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تقریر سنی۔ تو بے حد خوشی ہوئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا شکریہ ادا فرمایا، اور دعا دی:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تقریر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ کا نام لے کر چل پڑو۔ اس کی رحمتیں تمہارے ساتھ ہیں۔ اس نے مجھ سے "بڑے گروہ" کا وعدہ کیا ہے بخدا مجھے تو دشمنوں کی قتل گاہیں نظر آ رہی ہیں۔"

پھر آپ نے ساتھیوں کو دشمنوں کی قتل گاہیں بتائیں کہ فلاں شخص اس جگہ قتل ہو گا، اور فلاں آدمی اس جگہ دم توڑے گا۔

یہ سن کر لوگ سمجھ گئے کہ اب قافلہ ہاتھ نہیں آئے گا۔ اب جنگ ہی ہو کر رہے گی۔

www.quranurdu.com

ہجرت کا دوسرا سال تھا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ مدینہ سے ایک میل پر ایک مقام ہے۔ بئر ابی عِنَبَہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے تو فوج کا جائزہ لیا اور جو کم عمر تھے ان کو واپس کر دیا۔ پھر وہاں سے روانہ ہو گئے اور بدھ کی رات میں روحاء پہنچے۔ وہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آخری رکوع سے فارغ ہوئے، تو کافروں پر لعنت بھیجی۔ پھر فرمایا:

''خدایا! ابوجہل اس امت کا فرعون ہے، اسے زندہ نہ چھوڑ!''

اِسی روز آپ نے اُصولِ جنگ کے مطابق فوج کو ترتیب دی۔ مہاجرین کا عَلَم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ خزرج کا علم حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا اور اس کا علمبردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بنایا۔

پھر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ساتھیوں کو لے کر آگے بڑھے، ان کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی۔ ساتھ میں ستر اونٹ اور تین گھوڑے بھی تھے۔ بدر کے پاس پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رک گئے۔ اور علی رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ کچھ خبر لائیں۔ ایک پہاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس پہاڑی کے پاس ایک کنواں ہے۔ وہاں جا کر دیکھو۔ شاید قریش کے بارے میں کچھ معلوم ہو۔''

یہ لوگ وہاں پہنچے تو قریش کے کچھ آدمی پانی پی رہے تھے۔ ان میں دو غلام بھی تھے۔ یہ لوگ سمجھے کہ یہ ابوسفیان کے غلام ہیں۔ چنانچہ فوراً انھیں گرفتار کر لیا، اور بقیہ لوگ فرار ہو گئے۔

یہ لوگ اپنی فوج میں پہنچے تو ایک شخص زور سے چیخا:

''قریش کے لوگو! مسلمانوں نے تمہارے ساقیوں کو گرفتار کر لیا اور انھیں اپنی فوج میں بھگا لے گئے۔''

یہ سننا تھا کہ کافروں پر بجلی گر گئی۔ غصہ سے وہ بوکھلا گئے اور پوری فوج میں ایک کھلبلی مچ گئی۔

اِدھر حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے غلاموں کو ساتھ لیا۔ اور اپنی فوج میں لوٹ آئے۔ وہاں پہنچ کر یہ لوگ ان دونوں سے ابو سفیان کا حال پوچھنے لگے۔ وہ دونوں کہتے کہ ہمیں ابوسفیان کی خبر نہیں، ہم تو قریش کو پانی پلانے والے ہیں۔ تو یہ لوگ انھیں مارتے اور جب وہ دونوں کہتے کہ ہم لوگ ابوسفیان کے غلام ہیں، تب انھیں چھوڑ دیتے۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''وہ دونوں سچ بتاتے ہیں، تب تم مارتے ہو اور جھوٹ بولتے ہیں تو چھوڑ دیتے ہو۔ خدا کی قسم یہ دونوں سچ کہہ رہے ہیں۔ یہ دونوں واقعی قریش کے ہیں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے فرمایا: ''کچھ ابوسفیان کے بارے میں بتاؤ۔''

دونوں غلام بولے: ''ابوسفیان کو ہم لوگوں نے نہیں دیکھا۔ ان کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں معلوم۔''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا قریش کہاں ہیں؟''

دونوں غلام بولے: ''بس کچھ ہی دُور۔''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لشکر میں کتنے سپاہی ہیں؟''

دونوں غلام بولے: ''بخدا وہ تو بہت زیادہ ہیں۔''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟''

دونوں غلام بولے: ''ایک دن نو، ایک دن دس۔''

www.quranurdu.com

یہ سن کر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''دشمن نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہیں۔'' پھر فرمایا:

''مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہاری طرف ڈال دیا ہے۔''

==========

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں سے فرمایا:

''کس جگہ ٹھہرنا مناسب رہے گا؟''

حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! آگے بڑھ کر پانی پر قبضہ کر لیا جائے۔ وہاں کے بارے میں مجھے خوب واقفیت ہے۔ ایک ایک کنواں میری نظر میں ہے۔ ایک کنواں تو ایسا ہے جو کبھی خشک ہی نہیں ہوتا۔ پانی بھی بلا کا شیریں ہے۔ وہاں ایک حوض بنا کر پانی سے بھر دیں گے، پھر خوب پئیں گے۔ اور ڈٹ کر لڑیں گے اور آس پاس کے جتنے کنویں ہیں، سب کو بیکار کر دیں گے۔''

وہ چاہتے تھے کہ پانی کا پہلے سے انتظام کر لیا جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن اس پر قبضہ کر لیں اور پھر پریشانی اُٹھانی پڑے۔

حباب کا مشورہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''حباب! تمہاری رائے بہت خوب ہے۔''

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت اُٹھے۔ جان نثار ساتھی بھی ساتھ تھے۔ جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پر قبضہ کر لیا۔ اور حباب نے جو جو کہا اس پر عمل ہوا۔

قسمت سے اسی رات بارش ہو گئی۔ زمین چونکہ ریتلی تھی۔ ساری ریت جم گئی اور چلنا پھرنا آسان ہو گیا۔ جگہ جگہ پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بھی بنا لیے گئے۔ جن میں مسلمانوں نے خوب نہایا دھویا، اور بالکل تازہ دم ہو گئے۔

اس کے برعکس قریش کی طرف زمین چونکہ نرم اور نشیبی تھی، اس لیے پانی جم کر کیچڑ بن گیا۔ اور چلنا پھرنا ان کے لیے وبال جان ہو گیا۔ اس طرح یہ بارش مسلمانوں کے لیے رحمت بن گئی اور دشمنوں کے لیے عذاب۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی طرف بھیج دیا کہ جا کر وہاں حالات کا جائزہ لیں۔ دونوں جا کر وہاں گھومے پھرے حالات کا پتہ چلایا، پھر لوٹ آئے۔ آ کر انھوں نے بتایا کہ دشمنوں کا خوف سے برا حال ہے۔ اور بارش بھی لگاتار جاری ہے۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ایک ٹیلہ پر حضور کے لیے خیمہ نصب کر دیا جائے اس طرح پورا میدان جنگ آپ کی نظروں میں رہے گا۔ ضرورت کے وقت سایہ بھی مل سکے گا۔ آرام کو دل چاہا، تو آرام بھی فرما لیں گے۔ دعا و نماز کی خواہش ہو گئی تو اس کے لیے بھی بہتر رہے گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرمایا اور ایک خیمہ نصب ہو گیا۔

www.quranurdu.com

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ جنگ میں تشریف لے گئے۔ خاص خاص ساتھی بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے ایک ایک کر کے قریش کے سرداروں کا نام لیا۔ اور فرمایا، فلاں اس جگہ قتل ہو گا اور فلاں اس جگہ دَم توڑے گا۔

جنگ کے بعد دیکھا گیا، تو ہر ایک کی لاش اس جگہ ملی، کوئی بھی اپنی جگہ سے آگے پیچھے نہ تھا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوج میں تشریف لائے اور فوج کی صف آرائی کی اور ایک ماہر جنگ کی طرح اس کو ترتیب دیا۔ پھر میدانِ جنگ میں تشریف لائے، اور وہاں پہنچ کر ایک تقریر کی۔ تقریر بہت جوشیلی تھی۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"پیارے بھائیو! میں تمھیں ان چیزوں پر اُبھارتا ہوں، جن پر اللہ نے ابھارا ہے اور ان چیزوں سے روکتا ہوں، جن سے اللہ نے روکا ہے۔ اللہ بڑی شان والا ہے۔ حق کا حکم دیتا ہے۔ سچائی کو پسند کرتا ہے اور بھلائی کرنے والوں کو اونچا رتبہ دیتا ہے۔ اسی سے وہ یاد کیے جاتے ہیں، اور اسی سے ان کے درجے بڑھتے ہیں۔۔۔ اس وقت تم حق کی منزل میں پہنچ چکے ہو۔ جہاں وہی کام مقبول ہوتا ہے جو صرف اللہ کے لیے کیا جائے۔ اس موقع پر تم صبر سے کام لو۔ کیونکہ یہ جنگ کا موقع ہے۔ جنگ کے موقع پر صبر سے اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ پریشانی اور بے چینی دُور ہو جاتی ہے۔ آخرت میں بھی یہ نجات کا ذریعہ ہے۔۔۔۔۔ تمہارے اندر اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے۔ جو تمھیں برائیوں سے ہوشیار کرتا ہے۔ اور بھلائیوں کا حکم دیتا ہے۔ دیکھو، آج تم سے کوئی ایسی حرکت نہ ہونے پائے۔ جس سے اللہ بیزار ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسِكُمْ (المومن:10)

"تمہاری اپنے سے جو بیزاری ہے، اللہ کی بیزاری اس سے بڑھ کر ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے تمھیں جو کتاب دی ہے، اسے مضبوطی سے پکڑ لو۔ تمھیں جو نشانیاں دکھائی ہیں۔ ان پر دھیان رکھو۔ ذلت کے بعد تم کو جس سے عزت ملی ہے، اس سے غافل نہ ہو۔ اس سے اللہ خوش ہو گا۔ آج اللہ تم کو دیکھنا چاہتا ہے۔ اس موقع پر تم اخلاص اور جانبازی کا ثبوت دو۔ خدا کی رحمت تم پر چھا جائے گی اور اس کی مغفرت تم پر سایہ کرے گی اس کا وعدہ پورا ہونے والا ہے۔ اس کی باتیں بالکل سچی ہیں۔ اس کی پکڑ بھی بہت سخت ہے۔ ہم اور تم سب اسی کے دَم سے ہیں۔ وہ ہمیشہ سے ہے۔ ہمیشہ رہے گا۔ ساری دنیا اسی کے حکم سے قائم ہے۔ وہی ہمارا سہارا ہے۔ اسی کو ہم نے مضبوطی سے پکڑا ہے۔ اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔ وہی ہماری پناہ گاہ ہے۔ اللہ میری اور تم مسلمانوں کی مغفرت کرے۔"

قریش نے عُمیر بن وھب کو بھیجا کہ مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ لگائے اور ان کے حالات معلوم کرے۔ چنانچہ وہ چھپ کر گیا اور گھوم پھر کر جائزہ لیا۔ پھر آکر اس نے قریش سے کہا:

"مسلمان تین سو کے قریب ہیں۔ ساتھ میں ستر اونٹ اور تین گھوڑے بھی ہیں۔"

پھر اس نے کہا:

"قریشی بھائیو! مصیبتیں موت لاتی ہیں۔ مدینہ کے اونٹ موت کی سواریاں ہیں۔ سن لو تم کو ایسے لوگوں سے پالا پڑا ہے، جو تلواروں کی گود میں پلے ہیں۔ دیکھتے نہیں؟ وہ چپ چاپ رہتے ہیں۔ کچھ بولتے نہیں لیکن سانپوں کی طرح ڈستے ہیں۔ بخدا میں تو

www.quranurdu.com

سمجھتا ہوں کہ ان میں سے جو بھی مرے گا، ہم میں سے ایک کو مار کے مرے گا، بتاؤ، اگر اتنے ہی آدمی ہم میں سے مر گئے تو زندگی کا کیا لطف رہ جائے گا؟ اس لیے ابھی سے لوچ لو۔"

قریش کو عمیر کی باتوں پر یقین نہ آیا، اس لیے انھوں نے دوسرے آدمی کو بھیجا۔ وہ آدمی چھپ چھپا کر اسلامی فوج کے قریب پہنچا اور گھوڑے پر بیٹھ کر چاروں طرف چکر لگایا۔ پھر اس نے آکر کہا:

"خدا کی قسم! وہ لوگ کوئی ایسے طاقتور نہیں۔ تعداد میں بھی بہت کم ہیں۔ ہتھیاروں سے بھی خالی ہیں۔ لیکن ایک بات ہے۔ وہ مرنے کے لیے آئے ہیں۔ وہ اب لوٹ کر گھر نہیں جانا چاہتے۔ تلوار ہی ان کی کل طاقت ہے، اور تلواریں ہی ان کی پناہ گاہ ہیں۔ اب تم خود سوچ لو۔"

یہ باتیں سن کر کچھ لوگ کانپ اُٹھے اور حوصلے ان کے پست ہو گئے۔ چنانچہ انھوں نے لوٹنے کا ارادہ کر لیا۔ کچھ اور لوگوں کو بھی سمجھایا وہ لوگ بھی تیار ہو گئے۔ اس طرح یہ لوگ مکہ لوٹ آئے۔

پھر قریش کی فوج سامنے آئی۔ ہر ہر سپاہی سر سے پیر تک لوہے میں غرق تھا۔ یہ عجیب منظر تھا۔ اس وقت آپ پر انتہائی خضوع کا عالم تھا۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتے:

" اے اللہ! یہ قریش کے لوگ ہیں۔ یہ غرور سے اکڑتے ہوئے تجھ سے لڑنے آئے ہیں۔ یہ تیرے دین کی مخالفت پر کمر کسے ہوئے ہیں۔ تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناکام کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ اے اللہ! تو نے مدد کا وعدہ کیا ہے۔ اس وعدہ کو پورا کر۔ اے اللہ! تو نے مجھ سے ثابت قدم رہنے کے لیے کہا ہے۔ اور "بڑے گروہ" کا وعدہ کیا ہے بے شک تو وعدے پورا کرنے والا ہے۔"

بے خودی کا یہ عالم تھا کہ چادر کندھوں سے گر پڑتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر تک نہ ہوتی۔ کبھی سجدہ میں گر پڑتے اور فرماتے:

"خدایا! اگر آج یہ جانیں مٹ گئیں، تو قیامت تک تیری پرستش نہ ہو گی۔"

ایک طرف پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انداز تھا۔ اور دوسری طرف اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد میں مصروف تھا۔ اور حکمت کے ساتھ آپ کی ہمت بڑھا رہا تھا ابھی آپ راستہ ہی میں تھے اور دشمنوں کی تعداد سے بالکل بے خبر تھے، کہ اللہ نے دشمن کی فوج کو خواب میں دکھایا۔ خواب میں اندازہ ہوا کہ دشمن تھوڑے ہی ہیں۔ اس سے آپ کا حوصلہ بڑھا اور دل کو اطمینان نصیب ہوا۔ مسلمانوں نے سنا تو ان کی بھی ہمت بڑھی۔ اور وہ بے کھٹک بڑھتے چلے گئے۔ پھر جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو کافر مسلمانوں کو کم نظر آئے اور مسلمان کافروں کو تھوڑے دکھائی دیے۔ اسی طرح دونوں کے دل بڑھے اور دونوں میدانِ جنگ میں اتر آئے۔ پھر جنگ چھڑی تو مسلمان تو کافروں کو بہت نظر آنے لگے۔ لیکن کافر مسلمانوں کو کم ہی دکھائی دیئے۔ اس سے کافروں کے حوصلے تو پست ہو گئے اور وہ خوف اور گھبراہٹ سے بدحال ہو گئے۔ لیکن مسلمانوں کی ہمت اور بڑھ گئی اور وہ بڑھ بڑھ کر کافروں کو مارنے لگے۔ ذیل کی آیتوں میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے:

www.quranurdu.com

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا وَّلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَكِنَّ اللهَ سَلَّمَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا وَإِلَى اللهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝

"(یاد کرو) جب (اے نبی!) اللہ تمھیں خواب میں انھیں تھوڑا دکھا رہا تھا۔ اور اگر کہیں وہ انھیں زیادہ دکھا دیتا تو ضرور (اے ایمان والو!) تم ہمت ہار بیٹھتے اور اس (لڑائی کے) معاملے میں باہم جھگڑنے لگ جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے (تمہیں) اس سے بچا لیا۔ بلاشبہ وہ سینوں (دلوں) تک کا حال جانتا ہے۔ اور (یاد کرو) جب تم ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو اللہ انھیں تمھاری نگاہوں میں تھوڑا دکھا رہا تھا۔ اور ان نگاہوں میں تمھیں کم کر کے دکھا رہا تھا تاکہ جو بات ہونی تھی اللہ اسے پورا کر دے۔ اور سارے معاملے اللہ ہی کی طرف پلٹتے ہیں۔"

قریش کے کچھ لوگ بڑھے، کہ مسلمانوں کے حوض سے پانی پئیں۔ مسلمانوں نے دیکھا تو انھیں بھگانا چاہا۔ مگر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"پی لینے دو۔ جو بھی پی لے گا وہ زندہ بچ کر نہ جا سکے گا۔"

www.quranurdu.com

لڑائی اس طرح شروع ہوئی کہ ابوجہل نے عامر بن حضرمی کو (جسے اپنے بھائی کے خون کا دعویٰ تھا) للکارا۔ اس نے کہا، خون کا بدلہ سامنے ہے۔ کھڑے ہو کر قوم سے دہائی دو۔ چنانچہ عامر عرب کے دستور کے مطابق ننگا ہو گیا۔ اور پکارا:

وَاعَمْرَاهُ وَاعَمْرَاهُ!

ہائے عمرو، ہائے عمرو!

اس سے تمام فوج میں آگ لگ گئی۔ اور جنگ شروع ہو گئی۔ سب سے پہلے عامر بن حضرمی آگے بڑھا۔ مقابلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام مہجع رضی اللہ عنہ سامنے آئے۔ عامر بن حضرمی نے بڑھ کر انھیں قتل کر دیا۔ اس طرح غزوۂ بدر میں سے پہلے مہجع رضی اللہ عنہ کو شہادت نصیب ہوئی۔

اس کے بعد عتبہ سینہ تان کر لشکر سے باہر آیا۔ یہی لشکر کا سردار بھی تھا۔ ساتھ میں اس کا بھائی شیبہ اور اس کا بیٹا ولید بھی آگے بڑھے۔ ادھر سے مقابلہ میں تین انصاری جوان نکلے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دیکھ کر خیال آیا کہ یہ کفر و اسلام کی پہلی جنگ ہے۔ اس جنگ میں پہلے انصار جان کی بازی لگائیں۔ یہ مناسب نہیں۔ پہلے مہاجرین کو ہتھیلی پر جان رکھ کر آگے بڑھنا چاہیے۔ اس لیے وہ اپنی قوم اور رشتہ کے لوگ ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بنی ہاشم! یہ لوگ باطل کے نام پر اکٹھا ہوئے ہیں۔ یہ لوگ حق کے نور کو مٹا دینا چاہتے ہیں۔ اُٹھو، اور اسے حق کے نام پر جان دو، جسے تمہارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آیا ہے۔"

یہ سن کر علی رضی اللہ عنہ، حمزہ رضی اللہ عنہ اور عبیدہ رضی اللہ عنہ میدان میں آئے۔ عتبہ نے اپنے بیٹے سے کہا:

"ولید! آگے بڑھو۔"

ولید کا مقابلہ میں آنا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر اُسے قتل کر دیا۔ پھر عتبہ خود بڑھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر اُسے قتل کر دیا۔ پھر شیبہ آگے بڑھا۔ مقابلہ میں حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ آئے۔ شیبہ نے انھیں زخمی کر دیا اور ان کی پنڈلی کٹ کر الگ ہو گئی۔ حضرت اور علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے یہ حال دیکھا تو فوراً آگے بڑھے، اور شیبہ کو ٹھنڈا کر دیا۔ پھر حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو کندھے پر اٹھا کر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ کچھ دنوں میں حضرت عبیدہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اب عام حملہ شروع ہو گیا۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں کو للکارا:

''بڑھو جنت کی طرف، جس کی کشادگی زمین و آسمان کے برابر ہے۔''

عُمیر بن حمام نے جنت کی خوشخبری سنی تو خوشی سے اُچھل پڑے۔ کہا:

''ہائیں، ہائیں۔ جنت میں پہنچنے میں بس اتنی ہی دیر ہے۔ کہ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں۔''

چنانچہ اس وقت وہ کھجور کھا رہے تھے۔ مگر جنت کی خوشبو پا لینے کے بعد اس کھجور میں کیا مزا مل سکتا ہے۔ فوراً اس کو پھینکا اور دشمن کی صف میں گھس گئے۔ کچھ دیر جانبازی کے ساتھ لڑتے رہے پھر شہید ہو گئے۔

جنگ زوروں پر تھی اور دونوں طرف سے حملے ہو رہے تھے کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی ریت لی اور دشمن کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا:

شَاهَتِ الْوُجُوْه ۔ شَاهَتِ الْوُجُوْه

منہ کالے ہوں! منہ کالے ہوں!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھا اور خدا کی قدرت۔ یہ مٹھی بھر ریت عذاب بن کر فوج میں پھیل گئی اور مسلمان پورے زور و شور سے ان پر ٹوٹ پڑے۔ اور قتل کا بازار گرم کر دیا۔ آخر کار دشمنوں کی ہار ہوئی اور مسلمانوں کی جیت ہوئی۔ حق کو فتح ہوئی اور باطل کو شکست ہوئی۔

ابھی جنگ جاری ہی تھی کہ عبدالاسود کے بیٹے اَسود نے کہا جو قبیلۂ مخزوم کا آدمی تھا:

''خدا کی قسم! میں تو مسلمانوں کے حوض کا پانی پیوں گا، یا اسے بیکار کر دوں گا۔ ورنہ مجھ پر جینا حرام۔''

چنانچہ وہ تیزی سے لپکا اور حوض کے قریب آ گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پاس ہی کھڑے تھے۔ بجلی کی طرح جھپٹے اور تلوار کا وار کیا چوں کہ وار سخت تھا۔ ایک پیر کٹ کر الگ ہو گیا۔ اب وہ گھسٹ کر حوض میں جا پڑا اور دوسرے پیر سے اس کو توڑ بھی دیا۔ اور اس کا پانی بھی پیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پھر لپکے اور بڑھ کر ایک اور وار کیا۔ دیکھا گیا تو اب وہ بالکل ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

جنگ ختم ہوئی تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دیکھو، ابوجہل کہاں ہے۔ وہ بھی کہیں پڑا ہو گا۔''

چنانچہ عبداللہ بن مسعود اس کی تلاش میں نکلے۔ دیکھا تو وہ ایک جگہ پڑا دم توڑ رہا تھا۔ عبداللہ بن مسعود نے گردن پر پیر رکھا اور سر الگ کر کے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اس طرح کفر و شرک کے بہت سے علمبردار مارے گئے۔ اور قریش کے بہت سے سرداروں کے سر قلم ہوئے۔ قتل ہونے والے ستّر تھے اور قید ہونے والے بھی ستّر۔

www.quranurdu.com

مسلمانوں میں چودہ شہید ہوئے۔ چھ مہاجر تھے اور آٹھ انصاری۔

مارے جانے والے دشمنوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس لیے ہر ایک کو الگ الگ دفن کرانا مشکل تھا۔ وہیں ایک چوڑا کنواں تھا۔ تمام لاشیں آپ نے اسی میں ڈلوادیں۔ پھر اسے برابر کر دیا گیا۔ اس کے بعد آپ نے ان میں سے ہر ایک کا نام لے لے کر پکارا اور فرمایا:

''کتنے بُرے رشتہ دار نکلے تم! میں نے اپنے رب کا وعدہ سچا پایا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدوں کو سچا پایا؟''

تم نے مجھے جھوٹا سمجھا۔ اَوروں نے مجھے سچا جانا۔ تم نے مجھے بے وطن کر دیا۔ دوسروں نے مجھے پناہ دی۔ تم نے مجھ سے جنگ کی۔ غیروں نے میری مدد کی۔

ساتھیوں نے عرض کیا: ''اللہ کے رسول! جو لوگ مر چکے ہیں، اُن سے آپ فرما رہے ہیں!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کو اب معلوم ہو گیا کہ رب کا وعدہ سچا تھا۔''

پھر آپ ابوجہل کی لاش کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''یہ تو فرعون سے بھی زیادہ سرکش نکلا۔ فرعون کو اپنی ہلاکت کا یقین ہوا، تو اس نے اللہ کو یاد کیا۔ مگر اس کو ہلاکت کا یقین ہوا، تو اس نے لات و عزّٰی کو پکارا۔''

لڑائی ختم ہو گئی، تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ کو مدینہ دوڑا دیا، کہ لوگوں کو فتح کی خوشخبری سنائیں۔ فتح کی خبر سنتے ہی مسلمان خوشی سے اُچھل پڑے۔ لیکن منافق اور یہود؟ وہ غم سے پیلے پڑ گئے۔

==========

مالِ غنیمت تقسیم ہونے کا وقت آیا، تو مسلمانوں میں اختلاف ہو گیا اور ان میں باہم کچھ باتیں ہونے لگیں:

جوان بولے:

''مالِ غنیمت کے حقدار تو ہم ہیں۔ کیونکہ ہم نے ہی دشمن کو ہرایا اور ہم نے جان پر کھیل کر میدان جیتا ہے۔''

بوڑھے بولے:

''سچ پوچھو، تو اس کے حقدار ہم ہیں کہ ہم نے ہی تمہاری حفاظت کی ہے اور ہم نے ہی پیچھے سے دشمن کو روکا ہے۔''

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اللہ کے رسول! کیا شہسواروں کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا کمزوروں کا؟''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ارے میاں! کمزوروں ہی کی وجہ سے تو اللہ کی مدد آتی ہے۔''

اتنے میں حضرت جبرایل علیہ السلام آ پہنچے، ساتھ میں خدا کا یہ پیغام بھی لائے:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ ، وَ اَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (الانفال:1)

www.quranurdu.com

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے لوگ انفال (مالِ غنیمت) کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہو، انفال اللہ اور اس کے رسول کے ہیں، تو تم اللہ کی نافرمانی سے بچو اور اس کی ناخوشی سے ڈرو اور آپس کے تعلقات ٹھیک رکھو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم مومن ہو۔''

اسی وقت رسولِ خدا کی طرف سے اعلان ہوا:

''جس نے کسی کو مارا ہے، وہ اس کے سامان کا مالک ہے۔ جس نے کسی کو قید کیا ہے۔ وہ قیدی اسی کا ہے اور جو کچھ میدان میں ملا۔ یا بغیر لڑائی کے ہاتھ میں آیا ہے۔ وہ سب کا ہے۔''

یہ سن کر سب نے سر جھکا دیا۔ اور مالِ غنیمت کو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دیا۔ کہ جسے چاہیں، خدا کی ہدایت کے مطابق تقسیم فرمائیں۔ ''قیدیوں کا کیا ہو گا؟''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے:

''کفر اور سرکشی کی سزا میں انھیں قتل کیا جائے۔''

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''اللہ کے رسول! یہ آپ کے اپنے ہی بھائی بند ہیں جنھیں آج اللہ نے آپ کے بس میں کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انھیں مارا نہ جائے بلکہ ان سے فدیہ لے لیا جائے۔ اس سے آئندہ جنگ کے لیے بھی کچھ سامان ہو جائے گا۔ پھر ہو سکتا ہے کہ اللہ انھیں ہدایت دے دے اور کل یہی آپ کے دست و بازو بن جائیں۔''

رسولِ خدا نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے پسند فرمائی۔ چنانچہ جو لوگ فدیہ دے سکتے تھے۔ ان سے فدیہ لیا گیا۔ جو لوگ غریب اور نادار تھے لیکن پڑھے لکھے تھے، ان کے ذمہ تعلیم کا کام کیا گیا، کہ مدینہ کے دس دس لڑکوں کو پڑھنا لکھنا سکھائیں اور جو لوگ جاہل تھے۔ انھیں ویسے ہی چھوڑ دیا گیا۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب و فتح یاب ہو کر مدینہ لوٹے اور شہر میں وداع کی گھاٹی سے داخل ہوئے۔ اس وقت جذباتِ شکر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ لبریز تھا۔

غزوۂ بدر کا انجام سامنے آیا، تو مشرکوں کے حوصلے پست ہو گئے منافقین کے دل سہم گئے اور مدینہ کے یہود مسلمانوں سے دبنے لگے۔ بہت سے کٹر دشمن، اسلام لے آئے۔ اس جنگ میں کتنی ہی عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ اور کتنی ہی مائیں سوگوار ہو گئیں۔ چنانچہ اس کے غم میں انھوں نے اپنے بال بھی کٹوا ڈالے اور تقریباً ایک ماہ تک گھر گھر ماتم رہا۔

==========

قریش کی اتنی جانیں ضائع ہوئیں۔ نہ جانے کتنی دولت مٹی میں مل گئی۔ شکست سے ان کی عزت و شوکت پر بھی آنچ آئی۔ اس کا قریش کو سخت صدمہ تھا۔

www.quranurdu.com

عُمیر بن وہب اسلام کا ایک کٹر دشمن تھا۔ وہ اور صفوان بن امیہ دونوں ایک روز حجر میں بیٹھے تھے۔ بدر کا ماتم کر رہے تھے۔ صفوان نے کہا: ''خدا کی قسم! اب زندگی میں کوئی لطف نہیں۔''

عُمیر نے کہا: ''سچ کہتے ہو۔ میں قرض سے دبا ہوا ہوں۔ اور بچوں کا خیال بھی ستا رہا ہے۔ ورنہ میں تو محمد کی جان لے کر چھوڑتا میرا بیٹا بھی تو وہیں قید ہے۔''

صفوان نے کہا: '' تم قرض کی فکر نہ کرو۔ بچوں کی طرف سے بھی بے غم ہو جاؤ۔ میں ان کا ذمہ دار ہوں۔''

چنانچہ عُمیر مدینہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ تلوار بھی گردن سے لٹک رہی تھی۔ وہاں پہنچ کر وہ مسجد میں داخل ہوا، کہ اپنا کام کرے۔

حسن اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ پڑ گئی۔ دیکھتے ہی انھوں نے تیور بھانپ لیے اور گلا دبائے اسے حضور کی خدمت میں لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عُمیر! کیا ارادہ ہے؟''

عُمیر بولا: ''بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تلوار کا کیا کام ہے؟''

عُمیر نے کہا: ''برا ہو تلواروں کا۔ آخر بدر میں کس کام آئیں؟ آنے لگا تو اس کی طرف ذہن نہ گیا۔ حالانکہ وہ میری گردن میں تھی۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمیر! سچ سچ بتاؤ۔۔۔ کیوں آئے ہو؟''

عُمیر نے کہا: ''میں بیٹے ہی کے لیے آیا ہوں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حجر میں صفوان سے کیا بات طے ہوئی ہے؟''

عُمیر سناٹے میں آ گیا: ''کیا بات طے ہوئی ہے؟''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے اس سے میرے قتل کا وعدہ کیا ہے۔ اس شرط پر کہ وہ تمہارا قرض ادا کر دے، اور تمہارے بچوں کا ذمہ لے لے۔ سن لو، اللہ یہ ہونے نہ دے گا۔''

عُمیر بولا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔''

اور اب عُمیر مسلمان تھا۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں سے فرمایا:

''اپنے بھائی کو قرآن پڑھاؤ اور اس کے قیدی کو آزاد کر دو۔''

پھر عُمیر رضی اللہ عنہ لوٹ کر مکہ آئے اور جو لوگ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خبر سننے کے لیے بے تاب تھے۔ اب انھوں نے عُمیر کے اسلام کی خبر سنی مکہ پہنچ کر وہ اسلام پھیلانے میں لگ گئے، اور لوگوں کو آپ کی پیروی پر اُبھارنے لگے۔ بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر اسلام بھی لائے۔

==========

www.quranurdu.com

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

خونِ دِل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات

www.quranurdu.com

- قریش کی جنگی تیاریاں
- بنی قینقاع کی شر انگیزیاں
- بنی قینقاع کی جلاوطنی
- قبائل میں قریش کا دورہ
- لشکر قریش کی روانگی
- صحابہ رضی اللہ عنہم کا غیر معمولی جوش و خروش
- اسلامی فوج کی روانگی
- عبداللہ بن اُبی کی غداری
- میدانِ اُحد میں فوجوں کی صف آرائی
- جنگ کے شعلے بھڑک اُٹھے
- دشمن کی پسپائی
- جنگ کا نقشہ بدل گیا
- صحابہ رضی اللہ عنہم کی جاں فروشی
- جنگ کا انجام
- مشرکین کی بہیمیت اور سفاکی

قریش ایک ماہ تک روتے دھوتے رہے اور جو سردار مارے گئے تھے، ان کا ماتم کرتے رہے۔ پھر ماتم ختم ہو گیا۔ اور رونا دھونا بند ہو گیا۔ یہ رونا دھونا کیوں بند ہوا؟ کیا انھوں نے اپنے عزیزوں اور لیڈروں پر صبر کر لیا؟ یہ ماتم کیوں ختم ہوا؟ کیا اس لیے کہ انھوں نے تقدیر کے آگے سر ٹیک دیا؟

اصل میں یہ بات نہ تھی۔ قریش ایسے نہ تھے کہ وہ اپنے سرداروں پر صبر کر لیتے، اور خاموش ہو رہتے۔ ان کے سینے ابھی سلگ رہے تھے اور دل ابھی تڑپ رہے تھے۔ البتہ اب ماتم کا شور نہ تھا۔ اب آنسوؤں کا طوفان نہ تھا۔ اب خون کا بدلہ لینے کی دُھن تھی۔ اب انتقام کی تیاریاں تھیں۔ عورتوں نے سر کے بال کٹوا ڈالے اور عطر کو اپنے اُوپر حرام کر لیا۔ نذر مان لی کہ خوشبو نہ لگائیں گی۔ اور زینت کی چیزوں سے دُور رہیں گی، جب تک کہ خون کا بدلہ نہ دیکھ لیں گی۔ مردوں نے عہد کر لیا کہ چین سے نہیں بیٹھیں گے اور آرام کی نیند نہیں سوئیں گے، جب تک کہ بھرپور بدلہ نہ لے لیں گے۔ ابو سفیان کچھ اور آگے رہا۔ اس نے قسم کھالی کہ نہائیں گے نہیں، جب تک کہ محمد کو نیچا نہ دکھالیں گے۔

اس طرح قریش کے آنسو تھم گئے اور رونے پیٹنے کی آوازیں بند ہو گئیں، اور انھوں نے عزم کر لیا کہ محمد سے پھر جنگ کریں گے اور خون کی آگ خون سے بجھائیں گے۔ چنانچہ اب قریش جنگ کی تیاریوں میں لگ گئے اور جنگ جیتنے کے لیے جو جو چیزیں چاہئے تھیں، ان کا انتظام کرنے لگے تاکہ جلد سے جلد سینے کی آگ بجھے اور بے چین دل کو چین نصیب ہو۔

جنگ سے پہلے جو تجارتی قافلہ شام سے آیا تھا۔ اس کا سرمایہ دار الندوہ میں روک لیا گیا تھا، اور جوں کا توں محفوظ تھا۔ اس میں ابھی حصے بخرے نہیں ہوئے تھے۔ قریش نے آپس میں طے کیا کہ حصہ داروں کو اصل سرمایہ واپس کر دیا جائے اور جو نفع ہو، اس کو فوج پر خرچ کیا جائے اور جنگی تیاریوں میں لگایا جائے۔

یہ بات تو سب کے دل کی بات تھی، اس لیے پیش ہونے سے پہلے ہی منظور تھی۔ چنانچہ چٹ پٹ سامان فروخت ہوا، اور چیزیں چونکہ بہت قیمتی تھی،، اس لیے کافی نفع ہوا۔ پھر حصہ داروں کو اصل سرمایہ واپس کیا گیا۔ اور بقیہ جو نفع ہوا وہ جنگ کی مد میں داخل ہو گیا اور زور شور سے تیاریاں شروع ہو گئیں۔

بدر میں ابو سفیان کا بیٹا بھی قتل ہو گیا تھا۔ اس کا ابو سفیان کو انتہائی شدید صدمہ تھا۔ اور وہ انتقام لینے کے لیے بُری طرح بے تاب تھا۔ مگر قریش کو بدر میں مسلمانوں کے زور کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ اس بار بہت بڑے لشکر سے مقابلہ کریں۔ اور ساز و سامان اور اسلحہ سے بھی پوری طرح لیس ہوں۔ مگر یہ کام وقت کے وقت ہونے کا تو تھا نہیں۔ بہر حال اس میں کچھ دن لگتے۔ اِدھر ابو سفیان غم و غصہ سے بد حواس تھا۔ اس میں انتظار کی کہاں تاب تھی۔ چنانچہ اس نے مکہ کے دو سو آدمیوں کو ساتھ لیا، اور محمد سے انتقام لینے کے لیے چل پڑا۔ مدینہ سے کچھ فاصلہ پر عُریض نامی ایک مقام ہے۔ وہاں پہنچا تو ایک انصاری اپنی کھیتی میں لگے ہوئے تھے۔ ساتھ میں ایک مزدور بھی تھا۔ ان دونوں کو اس نے وہیں تہہ تیغ کیا اور دو گھروں میں آگ لگا دی۔ کچھ کھجور کے درخت تھے۔ ان کو بھی جلا دیا۔ ان باتوں سے اس کے نزدیک قسم پوری ہو گئی اور وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

www.quranurdu.com

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حادثہ کی خبر ملی، تو آپ نے ابو سفیان کا پیچھا کیا لیکن بھاگنے والوں نے ہوشیاری کی۔ جان خطرہ میں دیکھی، تو اونٹوں کا بوجھ ہلاک کرنے لگے یعنی ساتھ میں سَتّو کی بوریاں تھیں۔ ان کو وہ نیچے پھینکنے لگے۔ اس طرح کہیں جا کر ان کی جان چھوٹی، اور وہ سالم واپس آ گئے۔ عرب میں سَتّو کو چونکہ سَوِیق کہتے ہیں۔ اس لیے واقعہ غزوۂ سویق کے ہی نام سے مشہور ہوا اور ذی الحجہ 2 ہجری میں پیش آیا۔

مدینہ میں یہودیوں کا بھی ایک قبلہ آباد تھا۔ جو بنی قینقاع کے نام سے مشہور تھا، اور جہاں یہ آباد تھا، وہیں اس کی تجارتی منڈی بھی تھی۔ سُناری میں بھی اس قبیلہ کی کافی شہرت تھی۔ یہودیوں کے بقیہ قبیلے مدینے کے باہر تھے کچھ تو خیبر میں تھے اور کچھ دوسری جگہوں پر۔ ہاں تو آج کل پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی قینقاع کی ہی مہم پر تھے۔

بات کیا تھی؟ بنی قَینقاع کے یہودی پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے یعنی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح و دوستی کا معاہدہ کر چکے تھے۔ مگر پھر بھی اسلام کی ترقی دیکھ کر جلتے تھے۔ سامنے تو دوستی اور محبت کا دم بھرتے تھے، مگر پیٹھ پیچھے اسلام کا گلا گھونٹنے کی سازشیں کرتے تھے۔ مشرکوں سے بھی ان کا سلام پیام جاری تھا۔ لیکن بدر میں مسلمانوں کی فتح ہوئی، تو ان کے لیے یہ دورخی پالیسی دشوار ہو گئی۔ چنانچہ اب ان کے سینوں میں غیرت کی آگ سلگنے لگی اور دل حسد سے پکنے لگے۔

ان کی عقلیں حیران تھیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے معاہدہ کر لیا۔ اور صلح و دوستی سے ہم کو ہموار کر لیا۔ پھر دیکھتے دیکھتے اپنے دین کو اتنا چمکا دیا، کہ گھر گھر اسلام کا چراغ روشن ہو گیا۔ یہی نہیں۔ وہ ہتھیار سج کر میدان میں بھی آتے ہیں۔ اور مشرکوں اور ظالموں سے ٹکر لیتے ہیں، اور اللہ ان کو فتح مند بھی کرتا ہے۔ اس طرح عرب قبیلوں پر ان کی دھاک بیٹھ جاتی ہے۔ اور سارے لوگ ان سے لرزنے لگتے ہیں۔ یہودی بھلا اس کو ٹھنڈی آنکھوں کیسے دیکھ سکتے تھے کہ یہ تو ان کے لیے خطرہ کی گھنٹی تھی۔ چنانچہ اب وہ کھل کر سامنے آ گئے اور ریا اور نفاق کی چادر انھوں نے اُتار پھینکی۔ اب وہ مسلمانوں کے لیے ننگی تلوار بن گئے اور کھلے بندوں ان کی مخالفت کرنے لگے۔ وہ لوگوں کو ان کے خلاف جوش دلاتے۔ اشعار میں ان کی ہجو کرتے کڑوی کسیلی باتوں سے ان کا دل چھیدتے۔ غرض انھوں نے معاہدہ کی کوئی پروانہ کی اور نہ صلح کا کوئی احترام کیا۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رنگ دیکھا، تو ان کو جمع کیا اور ایک ہمدرد اور خیر خواہ کی طرح ان سے فرمایا:

''یہودی بھائیو! بخدا تمھیں یقین ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس لیے اسلام میں آ جاؤ۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ بدر والوں کی طرح تمہارا بھی عبرتناک انجام ہو۔''

لیکن وہ لوگ تو طاقت کے نشہ میں چور تھے۔ لہٰذا انھوں نے آپ کی بات کی کوئی پرواہ نہ کی۔ ماننا تو درکنار، اکڑتے ہوئے جواب دیا:

''محمد! دھوکہ نہ کھانا۔ وہ ناتجربہ کار لوگ تھے، جنھیں ہرا دینے پر تمھیں ناز ہے۔ یاد رکھو! ہم تلواروں کے دھنی ہیں۔ ہم میدانِ جنگ کے شیر ہیں۔ ہم سے معاملہ پڑا، تو ہم دکھا دیں گے کہ لڑائی کس کا نام ہے!''

یہ عہد شکنی اور دشمنی کا کھلا ہوا اعلان تھا۔ چنانچہ اب مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات بگڑ گئے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور ہو کر جنگ کا فیصلہ کر لیا، ان کے گھروں کو گھیر لینے کا حکم دیا۔ اشارہ کی دیر تھی۔ مسلمانوں نے فوراً گھروں کو گھیر لیا۔ بالآخر عاجز ہو کر انھوں نے ہتھیار ڈال دیے پھر جب وہ پوری طرح قابو میں آ گئے تو مسلمانوں نے کہا:

www.nuranurdu.com

''اللہ کے رسول! انھیں قتل کیا جائے۔''

مگر عبداللہ بن اُبی جو اُن کا حلیف تھا اور منافقوں کا سردار بھی، وہ ان کے لیے سفارش کرنے لگا کہ:

''اللہ کے رسول! یہ جلاوطن کر دیے جائیں۔''

بالآخر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو گئے اور فرمایا:

''تین دن کے اندر یہ مدینہ خالی کر دیں۔''

اس طرح یہ یہودی مدینہ سے چلے گئے۔ ساتھ میں بال بچوں کو بھی لے گئے اور جتنا مال واسباب لے جا سکتے تھے، وہ بھی لے گئے اور شام کے علاقہ میں اَذرَعات ایک مقام ہے۔ وہاں جا کر بس گئے۔ یہ سات سو آدمی تھے، جن میں تین سو زرہ پوش بھی تھے۔

بنی قینقاع جلاوطن ہوئے تو اسلام کا بڑا فائدہ ہوا، کیونکہ اس سے لوگوں کے دلوں پر رعب چھا گیا۔ انھوں نے سوچا کہ:

''مسلمانوں کے حکم سے اتنا بڑا قبیلہ بے وطن ہو گیا۔ وہ بھی اتنا دلیر اور بہادر قبیلہ! معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا زور بہت بڑھ گیا ہے اور اب ان کی طاقت کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔''

آس پاس بنی نضیر اور بنی قریظہ کے قبیلے آباد تھے۔ یہ دونوں قبیلے بھی یہودیوں کے تھے۔ یہ دونوں قبیلے بھی مسلمانوں سے سہم گئے۔ عرب کے دوسرے قبیلے بھی ڈر کر خاموش ہو رہے۔ اگرچہ کچھ قبیلوں نے یہ بھی سوچا کہ اگر یہی حال رہا تو کچھ دنوں میں یہ پورے عرب پر چھا جائیں گے لہٰذا ان کے زور کا توڑ ہونا چاہیے اور کسی طرح ان کے رعب کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ انھوں نے سوچا، اور مدینہ پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس فتنے کو دبانے کے لیے آگے بڑھے۔ مگر ان قبیلوں نے سنا تو ان کے ہوش اُڑ گئے اور جان بچانے کے لیے کچھ تو خطرناک ریگستانوں میں پھیل گئے۔ اور کچھ نے پہاڑی درّوں اور غاروں میں پناہ لی۔

چونکہ قریش کا بہت دار و مدار شام کی تجارت پر تھا، اور اس تجارت کو بند کرنے میں ان کے لیے خطرہ ہی خطرہ تھا، لہٰذا اس کو تو بہرحال جاری رکھنا تھا، لیکن شام جائیں کدھر سے؟ مدینہ ہو کر جانے کی تو ہمت تھی نہیں کہ ادھر سے مسلمانوں کے چھاپہ مارنے کا ڈر تھا۔ آخر کار مجبور ہو کر انھوں نے عراق کا راستہ اختیار کیا۔ یہ راستہ بہت لمبا تھا۔ دشواریاں بھی بے انتہا تھیں۔ پانی ملنا بھی ایک مسئلہ تھا۔ لیکن اس کے علاوہ چارہ بھی کیا تھا۔ مگر خدا کا کرنا کہ یہ تدبیر بھی چھپ نہ سکی۔ یعنی پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو اس کی خبر ہو گئی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو چھاپہ مارنے کے لیے دوڑایا کہ اب جنگ کا زمانہ تھا اور دشمن کے نقصان سے بچنے کے لیے خود انھیں نقصان پہنچانا ضروری تھا۔ اس طرح حضرت زید رضی اللہ عنہ سو سواروں کا دستہ لے کر روانہ ہو گئے۔ اور نجد میں ایک جگہ ہے قرَوہ، وہاں پر قافلہ کو جا لیا۔ قافلہ والے انھیں دیکھتے ہی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ نکلے، اور سارا سامان دستہ کے ہاتھ لگا۔ چنانچہ ہنسی خوشی یہ لو مدینہ لوٹے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خدا کا شکر ادا کیا اور سارا سامان مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے آئے تو مسلسل جنگ و جہاد میں لگے رہے، اسلام کی ترقی کے لیے آپ نے لڑائیاں بھی کیں۔ اور جان و مال کی قربانیاں بھی دیں۔ اور بیچ میں اگر کبھی سکون ملا اور خطرات سے اطمینان ہوا، تو یہ سکون و اطمینان کی گھڑیاں بھی

www.quranurdu.com

خالص آرام واطمینان میں نہ گزریں، بلکہ اس وقت ایک دوسری سرگرمی شروع ہوگئی، وہ سرگرمی تھی باہمی محبت اور ہمدردی کو استوار کرنے اور تعلقات کی بہتری اور خوشگواری کو پائیدار بنانے کی سعی وتدبیر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو مخلص دوست تھے، جو ہر وقت کے ساتھی تھے اور جو ہوشیاری اور سمجھداری میں نمایاں تھے، ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تعلقات کو اور مضبوط کرتے، پیار اور دلجوئی سے ان کے دلوں کو اور موہتے اور اس کے لیے آپ نے بہت سی ترکیبیں کیں۔ محبت پیدا کرنے کے لیے ایک مفید چیز رشتہ بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی اپنایا، اور ان سے اپنا رشتہ قائم کیا۔ آپ کے جو دو بڑے دوست تھے اور جو آپ کے دائیں بائیں بازو بھی تھے۔ ان کی بیٹیوں سے اپنا گھر بسا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلجوئی فرمائی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان سے مکہ ہی میں شادی ہو چکی تھی، لیکن ابھی وہ کم عمر تھیں، اس لیے اپنے ماں باپ کے ہی ساتھ تھیں۔ مدینہ پہنچ کر وہ آپ کے یہاں آگئیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی۔ پھر آپ نے ساتھیوں کو اپنی بھی بیٹیاں دیں اور اس طرح بھی ان کی دلجوئی فرمائی۔ آپ کی ایک چھوٹی بیٹی تھیں فاطمہ رضی اللہ عنہا، ان کی شادی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کی۔ جو آپ کے وفادار یار تھے۔ ایک بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کی، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دل وجان سے قربان تھے۔ پھر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے لیے تشریف لے گئے تو اسی درمیان یہ اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ اور چونکہ پہلے سے ہی یہ بیمار تھیں، اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کے تیمار دار رہے اور اسی لیے وہ بدر میں شریک نہ ہو سکے پھر رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہو گئی۔ تو آپ نے ان کی شادی دوسری بیٹی سے کر دی، جن کا نام تھا اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا ۔ اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ذی النورین کا لقب ملا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیواؤں کی بھی دلجوائی فرمائی۔ ساتھیوں کو بھی سمجھایا کہ اگر کوئی عورت بیوہ ہو جائے، یا خدا کی راہ میں اس کا شوہر شہید ہو جائے اور پیچھے بچے چھوڑ جائے، تو اس بیوہ کا خیال رکھیں۔ اور اس کے ساتھ ہمدردی کریں۔ ہو سکے تو اس سے شادی بھی کر لیں۔ اور اس کے بچوں کی پرورش کریں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بیوہ بے سہارا ہو کر پریشانیوں کا نشانہ بن جائے اور بچے اس کے لیے کاندھے کا بار اور جان کا وبال ہو جائیں۔ چنانچہ ایک بی بی زینب تھیں۔ جو خزیمہ کی بیٹی تھیں۔ اور بہت شریف اور نیک عورت تھیں۔ صدقہ خیرات کی بھی شوقین تھیں۔ اسی لیے اُم المساکین کے نام سے مشہور تھیں۔ بدر کا معرکہ ہوا، تو شوہر شہید ہو گئے۔ اور یہ بیوہ ہو گئیں۔ چنانچہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کر لی۔

بدر میں دشمنوں نے منہ کی کھائی تھی۔ کیا وہ یہ ذلت برداشت کر سکتے تھے؟ وہاں ان کی عزت وشوکت کو ٹھیس لگی تھی۔ کیا جیتے جی وہ یہ بدنامی گوارا کر سکتے تھے؟ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس بات سے غافل نہ تھے۔ آپ کو پورا یقین تھا کہ قریش نچلے بیٹھنے والے نہیں۔ وہ زخمی شیر کی طرح تلملا رہے ہیں اور غصہ سے سلگ رہے ہیں۔ اور وہ غصہ خون سے ہی ٹھنڈا ہو گا۔ یعنی ان کے جو سپاہی مارے گئے ہیں اُن کا انتقام لے کر ہی ان کو اطمینان ہو گا۔ مسلمانوں نے ان کا تجارتی قافلہ بھی لوٹا دیا تھا۔ حالانکہ اسی خطرہ سے انھوں نے اپنا راستہ بدلا تھا۔ اس سے ان کا زخم اور تازہ ہو گیا تھا۔ اور انتقام کا ایک نیا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ ان باتوں کی وجہ سے پیارے نبی چوکنے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ ایک نہ ایک دن پھر جنگ کا سامنا ہونا ہے۔

www.nuraurdu.com

مکہ میں جنگ کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس اسلام تو لا چکے تھے۔ لیکن ابھی مکہ میں مقیم تھے۔ حالات کی نزاکت محسوس کرتے ہی انھوں نے ایک تیز رفتار آدمی کو یہ پیغام دے کر آپ کی خدمت میں بھیجا:

''قریش جنگ کے لیے مدینہ جا رہے ہیں۔ اور وہ بھاری لاؤ لشکر کے ساتھ ہیں۔ ہتھیار اور سامان بے پناہ ہیں۔''

ساتھ ہی انھوں نے قاصد کو تاکید کی کہ تین رات دن میں وہ مدینہ پہنچ جائے۔

یہ خبر پا کر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرا بھی اچنبھا نہ ہوا۔ اور اچنبھے کی بات بھی کیا تھی؟ کہ آپ کو تو پہلے ہی اس کا اندیشہ تھا۔ لیکن اتنا بھاری لشکر! اور اتنا ہتھیار اور سامان! وہ بھی اتنی تھوڑی مدت میں! اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حیرت ضرور ہوئی۔

ادھر قریشی لشکر کی تیاری دن رات جاری تھی۔ ہتھیار اور سامان بہت تیزی سے اکٹھا ہو رہے تھے۔ اور بکثرت سپاہی بھرتی کیے جا رہے تھے قریش نے اس کے لیے نہ جانے کتنے قبیلوں سے معاہدے کیے تھے اور نہ جانے کتنے قبائلیوں کو ابھارا تھا۔ عرب میں جوش دلانے کا سب سے بڑا ذریعہ جوشیلے شاعر تھے، یا جوشیلے مقرر۔ قریش کے مقرر اور شاعر قبیلوں میں پھیل جاتے اور گرم گرم تقریریں کرتے، یا جوشیلے اشعار سناتے اور اس طرح لوگوں کے دلوں کو گرماتے اور انھیں جنگ میں حصہ لینے پر ابھارتے، چنانچہ دیکھتے دیکھتے ہی بہت بھاری لشکر تیار ہو گیا اور ہتھیاروں اور سامانوں کا ڈھیر لگ گیا۔

بہت سی عورتیں ایسی بھی تھیں، جن کے باپ بیٹے بدر میں مارے گئے تھے۔ اس لیے وہ تو غصہ سے بے تاب تھیں ہی، اپنے مردوں کو بھی بے تاب کیے ہوئے تھیں۔ ان عورتوں میں ہند سب سے آگے تھی۔ یہ عتبہ کی بیٹی اور ابو سفیان کی بیوی تھی۔ بدر میں اس کے باپ بھائی اور چچا تینوں مارے گئے۔ سن کر اس کا کلیجہ کھولنے لگا۔ اور اس نے قسم کھالی کہ جب تک خون کا بدلہ نہ لے لیں گے، خوشبو نہ لگائیں گے۔

کوچ کا وقت ہوا، تو اس نے کچھ اور عورتوں کو تیار کیا، اور لشکر کے ساتھ ہولی۔ لوگوں نے بہت روکنا چاہا، لیکن نہ مانی۔ طعیمہ بن عدی جو جبیر بن معطم کا چچا تھا۔ وہ بھی بدر میں مارا گیا تھا۔ اس کا جبیر کو سخت صدمہ تھا۔ چنانچہ اس کا ایک حبشی غلام تھا جس کا نام تھا وحشی۔ یہ چھوٹا نیزہ پھینک کر مارنے میں ماہر تھا، کیونکہ یہی حبشہ والوں کا خاص ہتھیار تھا۔ اس سے جبیر نے کہا:

''وحشی! اگر میرے چچا کے بدلہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا حمزہ رضی اللہ عنہ یا علی رضی اللہ عنہ کو مار دو تو تم آزاد ہو۔''

پھر ہند نے بھی اس سے کہا:

''وحشی! میرے عزیزوں کی ٹکر کے یا تو محمد ہیں۔ یا پھر حمزہ اور علی۔ ان تینوں میں سے کسی ایک کو بھی مار دو، تو بہت قیمتی انعام دوں گی۔''

چنانچہ وحشی نے دونوں سے وعدہ کر لیا۔ پھر لشکر مدینہ کی طرف بڑھا تین ہزار سپاہیوں کا دل بادل تھا۔ جس کے ساتھ دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ بھی تھے۔ اور ابو سفیان لشکر کا کمانڈر تھا۔ لشکر کے ساتھ پندرہ عورتیں بھی تھیں، جو ایک خاص انداز سے دف بجاتیں اور مقتولین بدر کے دردناک مرثیے پڑھتیں اور اس طرح وہ مردوں کو شکست پر غیرت دلاتیں اور اُن کے جذبہ انتقام کو اور ابھارتیں۔ لشکر ابو عامر اَوسی بھی شامل تھا یہ قبیلہ کا بہت معزز آدمی تھا، اور اسلام کے نام سے ہی جلتا تھا۔ پیارے نبی

www.quranurdu.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی، تو مدینہ چھوڑ کر مکہ چلا آیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں میں مل گیا اس کے ساتھ اس کے ساتھی بھی مکہ چلے گئے۔ ہاں تو اس نے قریش کے لوگوں سے کہا:

''چلو، اس بار تو خوب مزا آئے گا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں جہاں میں نکلا، اَوس کے سارے لوگ میرے گرد اکٹھا ہو جائیں گے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک بھی نہ رہے گا۔''

چلتے چلتے جب لشکر اَبواء پہنچ گیا، جہاں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کی قبر ہے تو ہند نے لوگوں سے کہا:

''موقع اچھا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں کی قبر اکھاڑ ڈالو۔ ہم میں سے کوئی قید ہوا تو اس کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا فدیہ میں دے دیں گے۔''

لیکن کچھ لوگوں نے مخالفت کی، کہ:

''ایسا بھول کر نہ کرنا۔ ورنہ بنی خزاعہ اور بنی بکر ہمارے مردوں کی ساری قبریں کھود کر رکھ دیں گے۔''

لشکر آگے بڑھا، اور چلتے چلتے عقیق پہنچ گیا۔ پھر یہاں پہنچ کر ٹھہر گیا یہ ایک مشہور جگہ ہے جو مدینہ سے پانچ میل پر واقع ہے۔

اسی وقت بھتیجے کو چچا کا خط ملا۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت قبا میں تھے ساتھ میں اُبیّ بن کعب بھی تھے۔ انہی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط پڑھ کر سنایا۔ سن کر آپ نے فرمایا:

''اچھا، دیکھو، کسی اور سے اس کا ذکر نہ کرنا۔''

پھر آپ مدینہ تشریف لائے اور سعد بن ربیع کے گھر جا کر اُن سے اس خط کا ذکر فرمایا۔ ابھی ہوشیار اور سمجھدار ساتھیوں سے مشورہ کرنا باقی تھا، اس لیے کسی اور کو بتانے سے منع فرمایا۔ مگر پاس ہی چونکہ سعد کی بیوی تھی، اس لیے اس نے یہ باتیں سن لیں۔ اور اس طرح یہ خبر چھپ نہ سکی۔ ابھی ساتھیوں سے مشورہ بھی نہ فرمایا تھا، کہ ہر طرف اس کا چرچا ہو گیا۔

ہجرت کا تیسرا سال اور شوال کی پانچویں تاریخ تھی۔ انس اور مونس دو جاں نثاروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی خبر لانے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے آکر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے بالکل قریب آگیا، اور کھیتوں کو اُن کے اونٹوں اور گھوڑوں نے چر لیا۔ مدینہ کی چراگاہ (عریض) بھی صاف ہو گئی۔ پھر آپ نے حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ فوج کی تعداد کی خبر لائیں اور ساز و سامان کا بھی اندازہ لگائیں۔ چنانچہ انھوں نے جا کر ساز و سامان اور تعداد کا اندازہ لگایا۔ پھر آپ کو ساری صورتِ حال بتادی۔

مدینہ کی یہ رات بڑے خوف اور گھبراہٹ کی رات تھی کہ انھیں ایک دل جلے اور ظالم دشمن سے پالا تھا۔ جس کی طاقت بھی بے پناہ تھی۔ شہر پر ہر آن حملہ کا اندیشہ تھا، اس لیے کچھ بہادر جانبازوں نے جنگی لباس تبدیل کیے اور رات بھر مدینہ کی سرحدوں پر پہرہ دیتے رہے۔ سعد بن معاذ نے بھی ہتھیار سجے، اور تمام رات مسجد نبوی کے دروازے پر ٹہلتے رہے۔

خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔ جمعہ کا دن تھا۔ لوگ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرا خیال ہے کہ ہم مدینہ میں ہی ٹھہریں اور دشمن سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کریں۔ اب اگر وہ وہیں پڑے رہے، تو خود پچھتائیں گے۔ اور ہم پر چڑھائی کی، تو ہم شہر ہی میں رہ کر ان کا مقابلہ کریں گے اور گھیر گھیر کر انھیں ڈیر کر دیں گے، کیونکہ مدینہ کی گلیوں اور پگڈنڈیوں سے وہ ہماری طرح واقف نہیں۔ کہو، تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟''

www.quranurdu.com

جتنے بڑے اور سمجھدار لوگ تھے، سب نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا، اور خوش ہو کر اس کا خیر مقدم کیا۔ عبداللہ بن ابی اٹھا اور اس نے بھی پرزور تائید کی۔ اس نے کہا:

''اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے بہت بہتر ہے۔ مدینہ ہی میں رہیے۔ باہر نہ نکلیے۔ بخدا ہمارا تو بار بار کا تجربہ ہے جب کبھی ہم نے شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا، تو ذلت اُٹھائی، اور کسی دشمن نے شہر پر حملہ کیا تو اس کی بُری گت بنائی۔ اللہ کے رسول! انھیں وہیں پڑا رہنے دیجیے۔ اگر وہ وہیں پڑے رہے تو خود پچھتائیں گے، اور اگر شہر میں گھسے، تو ہم گلیوں میں گھیر گھیر کر انھیں خوب ماریں گے اور بچے اور عورتیں چھتوں پر سے پتھر برسائیں گی۔''

مگر کچھ مسلمان ایسے بھی تھے، جو بعد میں اسلام لائے تھے اور بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ ان لوگوں کو حسرت تھی۔ کہ کاش ہم بھی بدر میں شریک ہوئے ہوتے اور کچھ جوان ایسے بھی تھے جو بدر میں شریک ہوئے تھے اور انھوں نے اپنی آنکھوں سے حیرت ناک فتح کا منظر بھی دیکھا تھا۔ یہ دونوں ہی قسم کے لوگ جوش سے بے خود تھے اور شہر سے نکل کر حملہ کرنے پر زور دے رہے تھے۔ اسی گروہ کے ایک جوان نے کہا:

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! دشمن کے مقابلہ میں نکلیے۔ کہیں وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم ڈر گئے، اور اس طرح ان کے دِل اور بڑھ جائیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بدر میں تو ہم تین ہی سو تھے۔ پھر بھی اللہ نے کامیاب کیا، اور آج تو ہم کافی تعداد میں ہیں۔ اللہ کے رسول! ہم تو اسی دن کی آرزو میں تھے۔ اسی دن کا تو ہمیں انتظار تھا۔''

دوسرے نوجوان نے کہا:

''اللہ کے رسول! دشمن ہماری زد میں گھس آئے۔ ہماری کھیتیوں کو روند ڈالا۔ اب آخر جنگ کا کون سا وقت آئے گا؟''

خَیثَمہ نے کہا:

''بدر میں شریک ہونے سے میں محروم رہا۔ حالانکہ میری شدید تمنا تھی۔ میرا لڑکا شریک ہوا۔ اور اس کو شہادت نصیب ہو گئی۔ کل رات میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہا تھا، ابا! آپ بھی چلے آیے، جنت میں ہمارا ساتھ رہے گا۔ رب نے جو وعدہ کیا تھا، میں نے اسے بالکل سچا پایا۔''

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس ذات کی قسم جس نے آپ پر قرآن اتارا، میں تو کھانا ہی نہ کھاؤں گا، جب تک باہر نکل کر دشمنوں سے مقابلہ نہ کر لوں گا۔''

غرض نئے مسلمان جوش سے بھرپور تھے، اور باہر نکل کر مقابلہ کے لیے بے تاب تھے۔ بدری جانباز بھی ان کی تائید میں تھے۔ تمنا ہر ایک کی یہی تھی کہ وہ اسلام کی راہ میں جان دے دے۔ مگر اسلام پر ذرا بھی آنچ نہ آنے دے۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ اس کا رب اس سے خوش ہو جائے، اور اس کو اپنے قرب میں جگہ دے۔

اب کوئی چارہ نہ تھا، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثریت کی بات مان لی۔ اور اعلان فرما دیا کہ باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی نماز ادا فرمائی اور خطبہ میں لوگوں کو جہاد پر ابھارا۔ خطبہ بہت ہی جاندار اور زور و تاثیر سے لبریز تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگو، یاد رکھو! اگر تم نے صبر سے کام لیا، تو میدان تمہارے ہی ہاتھ ہے۔''

www.quranurdu.com

پھر عصر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ ان دونوں نے آپ کو زرہ پہنائی، سر پر خَود رکھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گلے سے تلوار لٹکائی اور اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل تیار تھے۔

اِدھر باہر کچھ لوگ تو بے حد خوش تھے، کہ اب شہر کے باہر مقابلہ ہو گا۔ لیکن کچھ لوگ اس بات سے خوش نہ تھے۔ اور باہر نکلنے میں خطرہ سمجھتے تھے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے، تو ان میں آپس میں باتیں ہونے لگیں۔ جنھوں نے باہر جانے پر زور دیا تھا، ان سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''تم لوگوں نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ مانی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر نکلنے پر مجبور ہی کر دیا۔ حالانکہ تمھیں معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی ہے۔ دیکھو، اس معاملہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی چھوڑ دو، اور جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں ویسا ہی کرو۔''

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہتھیار زیب تن کیے ہوئے باہر تشریف لے آئے، جنھوں نے باہر نکلنے پر زور دیا تھا، اب وہ شرمندہ تھے۔ چنانچہ وہ آگے بڑھے اور عرض کیا:

''اللہ کے رسول! ہم نے بہت بُرا کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ مانی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو بہتر سمجھیں وہی کریں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں نے پہلے ہی کہا تھا، لیکن تم نہ مانے۔ کسی پیغمبر کو زیبا نہیں، کہ ہتھیار پہن کر اتار دے۔ اس لیے اب تو چلنا ہی ہے۔ لیکن اب اس کا خیال رکھنا، جو میں کہوں وہی کرنا۔ اللہ کا نام لے کر نکل پڑو، اگر صبر سے کام لیا۔ تو جیت تمہاری ہے۔''

چنانچہ ساتھی جلدی جلدی تیار ہوئے اور دشمن سے مقابلہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ کل ایک ہزار کی تعداد تھی اور ساتھ میں صرف دو گھوڑے تھے۔ جن میں سے ایک خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا۔

فوج میں کچھ کم عمر نوجوان بھی تھے، جو جنگ میں جانے اور اسلام کی کھیتی کو اپنے خون سے سینچنے کے لیے بے قرار تھے۔ آپ نے فوج کا جائزہ لیا۔ تو ان سب کو روک دیا اور صرف دو خوش قسمت اجازت پا سکے، جن میں سے ایک تو تیر اندازی میں ماہر تھے، اور دوسرے طاقت میں بڑھے ہوئے تھے۔ پہلے کا نام رافع تھا اور دوسرے کا سَمرہ۔ اس وقت دونوں کی عمر پندرہ سال تھی۔ فوج میں عبد اللہ بن اُبی بھی شامل تھا۔ جو منافقوں کا سردار تھا۔ ساتھ میں اس کے تین سو ساتھی بھی تھے۔ کچھ دور تک تو وہ ساتھ چلا۔ پھر اپنے ساتھیوں کو لے کر الگ ہو گیا۔ اور مدینہ کی طرف لوٹ پڑا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حرام نے اس کو لاکھ سمجھایا۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ بھی یاد دلایا لیکن وہ نہ مانا۔ اُلٹا تن کر بولا:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری بات نہ مانی اور ان لونڈوں کی بات مان لی۔''

اب حضرت عبد اللہ بن عمر نے اس کے ساتھیوں کو سمجھانا چاہا۔ چنانچہ بڑی دردمندی سے کہا:

''بھائیو! اللہ کا واسطہ دے کر تم سے کہتا ہوں، اس وقت جب کہ دشمن کا سامنا ہے۔ اپنی قوم اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑو۔''

www.quranurdu.com

لیکن وہ یہ کہتے ہوئے چل دیے کہ اگر ہمیں یقین ہوتا کہ دشمن سے مڈبھیڑ ہو کر رہے گی، تو ہم تمہارا ساتھ کبھی نہ چھوڑتے۔ لیکن ہمارے خیال میں اس کی نوبت نہ آئے گی۔

بالآخر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بقیہ فوج لے کر آگے بڑھے۔ اب صرف سات سو مسلمان تھے۔ جن کا تین ہزار دشمنوں سے پالا تھا۔ دشمن بھی ایسے کہ اکثر دل جلے تھے، اور خون کا بدلہ لینے نکلے تھے۔

==========

اُحد[1] کے پاس دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ ایک طرف خدا کے مخلص اور وفادار بندے تھے اور دوسری طرف خدا کے باغی اور نافرمان دشمن!

اب دونوں فوجیں مقابلہ کی تیاری کرنے لگیں۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کو پشت پر رکھ کر صف بندی کی۔ عَلَم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا۔ پہاڑ میں ایک گھاٹی تھی۔ ڈر تھا کہ دشمن پیچھے سے آکر حملہ نہ کر دیں، اس لیے پچاس تیر اندازوں کو وہاں بھی متعین کر دیا، اور فرمایا:

''تم لوگ ہماری پشت کی حفاظت کرنا، ایسا نہ ہو کہ ہم پیچھے سے دھر لیے جائیں۔ دیکھو، اپنی جگہ پر جمے رہنا وہاں سے ہٹنا نہیں۔ اگر ہم جیت جائیں اور ان کی فوج میں گھس جائیں۔ تب بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا، اور ہم قتل ہونے لگیں تو مدد کے لیے بھی نہ آنا۔ البتہ اُن پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دینا کیونکہ گھوڑے تیروں سے ڈرتے ہیں۔''

قریش نے بھی نہایت سلیقہ سے صف بندی کی۔ مَیمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا اور میسرہ پر امیر عکرمہ کو بنایا۔ عَلَم خاندان عبد الدار کے ہاتھ میں تھا، اور ابو سفیان کمانڈر تھا۔ ابو سفیان نے علمبرداروں کو جوش دلاتے ہوئے کہا:

''جھنڈے ہی پر ہار جیت کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اس کا حق ادا کرو۔ ورنہ اسے چھوڑ کر کنارے ہو جاؤ۔''

یہ سننا تھا کہ عبد الدّار کے جوانوں کو جوش آگیا اور وہ غیرت سے بے تاب ہو گئے۔ چنانچہ سینہ تان کر بولے:

''مقابلہ تو ہونے دو! اس وقت تم ہمارے کرتب دیکھنا!''

عورتوں کے جوش کا بھی عجیب عالم تھا۔ ہند ان میں سب سے آگے تھی۔ یہ عورتیں صفوں کے درمیان گھومتیں، اور مردوں کو جوش دلاتیں، ان میں غیرت کی آگ بھڑکاتیں اور دف بجا بجا کر کہتیں:

''عبد الدار کے جوانو! آگے بڑھو! وطن کے پاسبانو! آگے بڑھو، اور بے تکان تلواریں چلاؤ۔''

پھر یہ اشعار پڑھتیں:

نَحْنُ بَنَاتُ طَارِق　　نَمْشِیْ عَلَی النَّمَارِق
اِنْ تُقْبِلُوْ نُعَانِقِ　　اَوْ تُدْبِرُوا نُفَارِق
فِرَاقَ غَیْرِ وَامِق

[1] اُحد ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جو مدینہ منورہ سے ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر شمال میں واقع ہے۔

www.urdu.com

ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں۔ ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں۔ اگر تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گے۔ اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گے۔ بالکل دشمن کی طرح تم سے کٹ جائیں گے۔"

ہند جب وحشی کے پاس پہنچتی، تو اس کو اپنا وعدہ یاد دلاتی۔ اور جوش دلاتے ہوئے کہتی:

"ابو دسمہ! میرا کلیجہ ٹھنڈا کرو۔ خود بھی راحت پاؤ۔"

پھر ابو عامر اَوسی صف سے نکل کر میدان میں آیا۔ ڈیڑھ سو ساتھی بھی ساتھ تھے۔ اس کا خیال تھا کہ انصار اسے دیکھیں گے، تو آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ اس نے زور سے پکارا:

"اے لوگو! میں ابو عامر ہوں!"

مگر مسلمانوں نے نہایت سختی سے جواب دیا:

"او بدکار! خدا تیرا منہ کالا کرے۔"

یہ سن کر ابو عامر نے کہا:

"میرے بعد میری قوم بگڑ گئی۔"

پھر کچھ دیر تک دونوں طرف سے پتھر چلتے رہے۔ آخر ابو عامر اور اس کے ساتھیوں نے پیٹھ دکھا دی۔

پھر ابو سفیان پکارا:

"اَوس و خزرج کے لوگو! تم بیچ سے ہٹ جاؤ اور ہمیں اپنے بھائیوں سے مقابلہ کرنے دو۔ ہم تم سے کچھ نہیں بولیں گے۔"

اَوس و خزرج نے یہ سنا، تو ابو سفیان کو سخت برا بھلا کہا اور بُری طرح پھٹکار دیا۔

اب پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حملہ کی اجازت دے دی۔ کچھ ساتھیوں کو میمنہ کی طرف بھیج دیا اور کچھ کو میسرہ کی طرف اور لڑاکا دستہ کو دشمن فوج کے قلب میں گھسنے کا حکم دیا۔ شیرِ اِسلام حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور نہایت گرج دار آواز کے ساتھ ایک نعرہ لگایا جو حقیقت میں آج سارے مسلمانوں کا نعرہ تھا:

"مارو! خوب مارو!!"

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ دشمن کے قلب میں گھس گئے۔ فوج کا جھنڈا طلحہ کے ہاتھ میں تھا، اس لیے وہ مقابلہ کے لیے سامنے آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تلوار لے کر بجلی کی طرح جھپٹے، اور پوری طاقت سے اس پر وار کیا۔ چنانچہ اب وہ زمین پر پڑا تھا۔ اس کے گرتے ہی جھنڈا بڑھ کر اس کے بھائی عثمان نے تھام لیا۔ اب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر اس پر حملہ کیا اور جس ہاتھ میں جھنڈا تھا۔ وہ ہاتھ کٹ کر نیچے گر گیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے فوراً جھنڈا دوسرے ہاتھ میں لے لیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے دوسرے ہاتھ پر بھی وار کیا۔ وہ ہاتھ بھی کٹ کر الگ ہو گیا۔ اب جھنڈا ابو سعید نے لے لیا۔ یہ ان دونوں کا بھائی تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس پر تیر کا نشانہ لگایا۔ تیر اس کے حلق میں لگا۔ اور وہیں پر ڈھیر ہو گیا۔ اس طرح جھنڈا طلحہ اور اس کے بھائیوں کے ہاتھوں میں گھومتا رہا۔ پھر اس کے دونوں بیٹوں مسافع اور طلحہ کے ہاتھوں میں آ گیا۔ حضرت عاصم بن افلح نے تاک کر ان دونوں پر نشانہ لگایا، اور وہ دونوں وہیں تڑپنے لگے۔ قریشی عورتوں میں ان دونوں کی ماں سلافہ بھی موجود تھی۔ وہ فوراً جھپٹ

www.quranurdu.com

کر وہاں پہنچی۔ ایک ایک کر کے ان دونوں کو اُٹھایا، اور اپنی گود میں لٹا لیا۔ اس وقت دونوں آخری سانس لے رہے تھے۔ سلافہ نے بڑی بے تابی سے پوچھا:

''میرے جگر کے ٹکڑو! تمھیں کس نے مارا؟ دم توڑتے ہوئے بیٹوں نے جواب دیا۔ جس وقت ہم کو تیر لگا ہمارے کانوں میں یہ آواز آئی، یہ لو، اور میں ابوالافلح کا بیٹا ہوں۔''

سَلافہ نے یہ سنا تو اسی وقت اس نے نذر مانی کہ اگر ابوالافلح کا سر مل گیا، تو اسی میں شراب پیوں گی اور جو سر کاٹ کر لائے گا، اسے سو اونٹ انعام دوں گی۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ تلوار لے کر فرمایا:

''اس کا حق کون ادا کرے گا؟''

بھلا یہ چوکنے کا موقع کب تھا، چنانچہ اس شرف کے لیے بہت سے ہاتھ بڑھے۔ حضرت ابو دجانہ انصاری بھی اُٹھے۔ یہ عرب کے بہت نامی پہلوان تھے۔ عرض کیا:

''اللہ کے رسول! اس کا کیا حق ہے؟''

آپ نے فرمایا:

''جب تک دھار نہ مڑ جائے، اسے دشمن پر چلاتے رہو۔''

حضرت ابو دجانہ نے وہ تلوار ہاتھ میں لے لیے۔ تھے بہت ہی بہادر اور باہمت آدمی۔ ان کا ایک لال رومال تھا۔ جنگ کرنا چاہتے تو اسے سر پر باندھ لیتے۔ اس طرح لوگ دیکھتے ہی سمجھ جاتے، کہ ابو دجانہ اب جنگ کریں گے۔ چنانچہ انھوں نے وہ موت کا رومال نکالا اسے سر پر باندھا، اور شان سے اکڑتے تنتے ہوئے فوج سے باہر آئے۔ یہ آج کی کوئی نئی بات نہ تھی۔ جنگ کے وقت ابو دجانہ ہمیشہ اسی طرح چلتے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا:

''یہ چال خدا کو سخت ناپسند ہے، لیکن اس وقت پسند ہے۔''

حضرت ابو دجانہ تلوار لے کر فوجوں کے دل میں گھس گئے۔ سر پر موت کا علم تھا۔ جس مشرک کے پاس سے گزرتے، اس کا سر قلم کر دیتے۔ جو بھی دشمن سامنے آتا، اس کو وہیں ڈھیر کر دیتے اور جس طرف رُخ کرتے صفیں کی صفیں صاف کر دیتے۔ اسی طرح وہ تیزی سے بڑھ رہے تھے کہ دیکھا، کوئی لوگوں کو جوش دلا رہا ہے۔ ان کے جذبات کو بھڑکا رہا ہے فوراً تلوار اٹھائی کہ اس کا کام تمام کر دیں۔ مگر اسی وقت وہ زور سے چیخا۔ دیکھا تو وہ عتبہ کی بیٹی ہند تھی۔ حضرت ابو دجانہ نے فوراً تلوار روک لی کہ ایک عورت کو مارنا اس تلوار کی توہین تھی۔

جنگ پورے زور پر تھی۔ مسلمان بہادر جوش سے بے خود تھے، اور ہر طرف سے وہ دشمن کو دبا رہے تھے۔ فوجیں چیرتے ہوئے بڑھ رہے تھے اور لاشوں پر لاشیں گرا رہے تھے۔ تیر انداز تیروں کی بوچھاڑ کر رہے تھے اور دشمن کے سینے چھلنی ہو رہے تھے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہادری کا بھی عجیب منظر تھا۔ دونوں ہاتھوں میں تلوار تھی اور وہ صفیں کی صفیں الٹتے چلے جا رہے تھے۔ لیکن وحشی کی آنکھیں گھات میں تھیں اور وہ حملہ کے لیے موقع کی تلاش میں تھا۔ تاکہ یہ اُس کی آزادی کی قیمت بن جائے۔!!

www.quranurdu.com

چنانچہ وہ وقت بھی آگیا، جس کے لیے وحشی نکلا تھا اور وہ گھڑی آن پہنچی۔ جس کے لیے وہ شروع سے تاک میں تھا۔
حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ایک دشمن پر حملہ کر رہے تھے۔ پاس ہی ایک چٹان تھی۔ اسی چٹان کے پیچھے وحشی تاک میں بیٹھا تھا، اور مارنے کے لیے نیزہ ٹھیک کر رہا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بے خبر تو تھے ہی، موقع پاتے ہی اس نے نیزہ پھینک کر مارا۔ نیزہ ناف میں لگا، اور پار ہو گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے نگاہ دوڑائی، کہ یہ نیزہ کدھر سے آیا۔ دیکھا تو پاس ہی وحشی کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کامیابی کی خوشی میں اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تیزی سے بڑھے کہ اس پر حملہ کریں، لیکن شیر خدا اور ضیغم اسلام کے قویٰ جواب دے گئے اور وہ لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑے اور اب وہ زندگی کے آخری سانس لے رہے تھے۔ اللہ کا دشمن اللہ کے پیارے کو کھڑا دیکھتا رہا۔ پھر جب روح پرواز کر گئی اور جسم کی حرکت رک گئی۔ تو وہ آگے بڑھا اور جسم سے نیزہ کو الگ کیا۔ پھر ایک طرف جا کر وہ اطمینان سے بیٹھ گیا کہ اب اسے لڑنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔
اگرچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو چکے تھے۔ لیکن دشمن بری طرح ہار رہے تھے۔ اور مسلمان میدان پر چھائے ہوئے تھے۔ قریش کا جھنڈا خاندانِ عبد الدار کے ہاتھ میں تھا۔ وہ باری باری آگے بڑھتے رہے جھنڈے کو ہاتھ میں لیتے رہے اور جان دیتے رہے۔ آخر کار سب مارے گئے اور اب جھنڈا زمین پر تھا۔ پیروں سے روندا جا رہا تھا۔ دشمن بدحواس تھے۔ اور ان کی صفوں میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ وہ اب بھاگ رہے تھے اور مسلمان دوڑا دوڑا کر انھیں مار رہے تھے۔ بے تحاشا سر زمین پر ڈھلک رہے تھے۔ اور جانیں تن سے جدا ہو رہی تھیں۔ جو عورتیں ابھی مردوں کو ہمت دلا رہی تھیں۔ اب وہ چیخ چیخ کر بھاگ رہی تھیں۔ اور درّوں میں پناہ لے رہی تھیں۔

www.quranurdu.com

مسلمان سمجھے کہ اب فتح یقینی ہے۔ چنانچہ دشمنوں کی طرف سے ان کی توجہ ہٹ گئی۔ اور اب انھوں نے مال و سامان کی لوٹ شروع کر دی۔
تیر اندازوں نے۔۔۔ جو درّہ کے پہرہ پر تھے۔۔۔ دیکھا کہ دشمنوں کے پیر اُکھڑ گئے اور مسلمان پوری طرح جیت گئے۔ انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ مسلمان دشمن کی صفوں میں گھس رہے ہیں۔ اور ان کے مال و اسباب لوٹ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر کچھ لوگوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:
"بلا وجہ یہاں کس لیے پڑے ہو؟ دشمن تو اب ہار بھی گئے۔ وہ دیکھو اپنے ساتھیوں کو وہ سامان بھی لوٹ رہے ہیں۔ چلو، اب ہم بھی وہیں چلیں۔"
دوسروں نے کہا: "کیا پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمھیں یاد نہیں؟"
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "پیچھے سے ہماری حفاظت کرتے رہنا۔ اپنی جگہ سے ہٹنا نہیں!"
ان لوگوں نے کہا: "آپ کا یہ مطلب تھوڑی تھا کہ دشمن ہار جائیں۔ تب بھی تم پڑے رہنا۔"
ان کے سردار عبد اللہ بن جُبیر نے انھیں کتنا ہی روکا۔ لیکن انھوں نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔ اور مسلمانوں کے ساتھ لوٹ مار میں لگ گئے۔ صرف چند مسلمان تھے، جنھوں نے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات یاد رکھی۔ اپنے سردار کا کہا مانا۔ اور اپنی جگہوں پر صبر کے ساتھ جمے رہے۔

اتفاق سے خالد بن ولید کی نظر ادھر پڑ گئی۔ دیکھا تو درّہ بالکل کالی تھا۔ صرف چند تیر انداز وہاں موجود تھے۔ اب کیا تھا، اس نے فوراً سواروں کا دستہ ساتھ لیا۔ اور نہایت بے دردی سے حملہ کر دیا۔ اتنے میں مَیسرہ کا سردار عکرمہ بھی آ پہنچا۔ حضرت عبد اللہ بن جُبیر رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ لیکن شہید کر دیے گئے۔

اب راستہ صاف تھا۔ چنانچہ سواروں کا دستہ آگے بڑھا اور جہاں مسلمان لوٹ مار میں مصروف تھے۔ اور مشرک سب کچھ چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی انھوں نے زور سے نعرہ لگایا:

''عزّٰی کی جے۔ ہبل کی جے۔''

اور اب مسلمانوں کے سروں پر تلواریں برسنے لگیں۔ مسلمان تو اطمینان سے لوٹنے میں مصروف تھے۔ اچانک یہ آفت دیکھی تو وہ بوکھلا گئے اور ان کے ہوش و حواس اُڑ گئے۔ چنانچہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر انھوں نے تلواریں سنبھالیں۔ اور پھر لڑنے لگے۔ لیکن اب بات بگڑ چکی تھی! ہارا ہوا دشمن پھر تازہ دم ہو چکا تھا۔ اور ان پر بے تحاشا حملے کر رہا تھا۔ مسلمان بد حواسی کے عالم میں تھے۔ یہاں تک کہ دوست دشمن کی بھی تمیز اُٹھ چکی تھی۔ اور مسلمان، مسلمان کو مار رہے تھے۔ خوف کا یہ حال تھا کہ انھیں اپنا خاص نشان بھی نہ یاد رہا، جس سے وہ اپنے بھائیوں کو پہچان لیتے۔ جنگ اب پھر زوروں میں ہو رہی تھی۔ لیکن اس بار مسلمانوں کی طرف دباؤ زیادہ تھا، اور لڑائی کا پلہ دشمن کی طرف بھاری تھا کہ یکایک ایک کافر نے چیخ کر پکارا:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم مارے گئے!''

یہ بات بجلی کی طرح ہر طرف پھیل گئی اور اس نے سب پر جادو کا اثر کیا۔ مسلمانوں نے سنا تو اُن پر عام بد حواسی چھا گئی۔ بہتوں کے دل اکھڑ گئے۔ اور اکثروں کے حوصلے پست ہو گئے۔ مگر دشمنوں نے سنا، تو ان میں اور جان آ گئی۔

اگرچہ مسلمانوں میں عام مایوسی اور بد دلی پھیل چکی تھی اور بڑے بڑے دلیروں کے ہاتھ پاؤں پھول چکے تھے۔ حتیٰ کہ کچھ تو خود ہتھیار پھینک کر کنارے ہو گئے۔ اور کچھ لوگوں نے دوسروں کو بھی یہی مشورہ دیا۔ لیکن کچھ جوان ایسے بھی تھے، جن کے حوصلے ابھی بلند تھے۔ اور جو ایمانی جوش میں ڈوبے ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ پوری جانبازی سے لڑتے رہے اور جو ہمت ہار چکے تھے، انھیں اُبھارتے بھی رہے۔ کچھ لوگ تو کہتے:

''اگر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے، تو اب زندہ رہ کے کیا کرو گے؟ لڑو اور جس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دے دی، اسی کے لیے تم بھی مر مٹو۔''

اور کچھ لوگ کہتے:

''رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی ذمہ داری پوری کر دی اور رب کا جو پیغام تھا، اسے آپ نے پہنچا دیا۔ اب تم اس دین کی حفاظت کرو۔ اور اس کے لیے جنگ کرو۔ اللہ تو زندہ ہے۔ اس کے لیے تو کبھی موت نہیں۔''

مسلمانوں کی صفوں میں بے ترتیبی ہو چکی تھی اور جو جہاں تھا، وہیں گھر کر رَہ گیا تھا۔ ادھر دشمنوں کا سارا زور حضور کی طرف تھا۔ راستہ چونکہ بالکل صاف تھا۔ اس لیے دشمنوں کے ایک جُھنڈ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر بھی لیا اور آپ کی جان لے لینے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ بے دردی سے وہ آپ پر پتھر برسانے لگے اور بے تحاشا تیروں کی بوچھاڑ کرنے لگے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ

www.quranurdu.com

وسلم بھی مقابلہ میں تیر چلا رہے تھے۔ اِرد گرد چند جانثار بھی تھے۔ جو آپ کو اپنی اُوٹ میں لیے ہوئے تھے اور اپنے ہاتھوں اور پیٹھوں پر تیر تلوار روک رہے تھے۔ کچھ جانثار مقابلہ میں مصروف تھے۔ اور بے تکان تیر برسا رہے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ماہر تیر انداز تھے اس وقت وہ بھی موجود تھے۔ وہ لگاتار تیر برسا رہے تھے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انھیں خود تیر اُٹھا اُٹھا کر دیتے۔ اور فرماتے:

"تم پر میرے ماں باپ قربان، تیرے مارتے جاؤ۔"

حضرت ابو طلحہ بھی مشہور تیر انداز تھے۔ وہ بھی وہاں حاضر تھے۔ انھوں نے اس قدر تیر برسائے کہ دو تین کمانیں ہاتھ میں ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گئیں۔ حضرت ابو دجانہ جھک کر ڈھال بن گئے تھے اور اب جو تیر آتے، ان کی پیٹھ پر آتے۔ حضرت طلحہ بھی ہاتھ پر تلواریں روک رہے تھے۔ چنانچہ ان کا ایک ہاتھ کٹ کر الگ بھی ہو گیا تھا۔ اسی حال میں ایک بدبخت دائرہ کو توڑ کر آگے بڑھا۔ اور چہرہ مبارک پر تلوار کا وار کیا۔ وار اتنا سخت تھا کہ خود کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں۔ ایک اور دشمن نے دُور سے پتھر پھینکا۔ وہ پتھر آکر چہرۂ مبارک پر لگا۔ چنانچہ آگے کے دو دانت شہید ہو گئے اور مبارک ہونٹ لہولہان ہو گئے۔ ایک طرف ظالموں کا یہ سلوک تھا اور دوسری طرف رحمتِ عالم کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْن

"خدایا میری قوم کو معاف کر، وہ جانتے نہیں!"

ادھر تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا۔ اِدھر مسلمان مایوس تھے، کہ آپ شہید ہو گئے۔ اور دشمن خوشیاں منا رہے تھے، کہ ان کا برسوں کا اَرمان پورا ہوا۔ بات اصل میں یہ ہوئی کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور جس دشمن نے انھیں شہید کیا تھا، اس کا نام ابن قمیہ تھا۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ شکل و صورت میں چونکہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ اس ابن قمیہ نے سمجھا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اب کیا تھا ہر طرف غل مچ گیا۔

جو جاں نثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے، انھوں نے چاہا کہ اس کی تردید کر دیں۔ مگر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔ اور وہ لوگ خاموش رہے۔ دشمنوں کو پورا یقین تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچ مچ مارے گئے۔ چنانچہ قریش کے آدمی ہر طرف پھیل گئے اور لاشوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈنے لگے۔ ہر ایک کی تمنا تھی کہ وہ پہلے پا جائے اور آپ کی تکہ بوٹی کر کے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرے۔ ڈھونڈنے والوں میں ابو سفیان بھی تھا۔ وہ بے تابی کے ساتھ دوڑ دوڑ کر لاشوں کو دیکھتا اور حیرت سے کہتا:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لاش تو دکھائی نہیں دے رہی ہے۔"

ابو سفیان لاشوں میں آپ کو ڈھونڈ ہی رہا تھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر نظر پڑ گئی۔ دیکھتے ہی وہ غصہ سے کھول اُٹھا۔ چنانچہ اب اس بے رحم کا خونیں نیزہ تھا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا پاک جسم۔ وہ بے تحاشا ان کے جسم پر کچوکے لگاتا اور ہونٹ چبا چبا کر کہتا:

"او غدار! بدر میں تو نے جو کچھ کیا تھا، لے، اس کا مزہ چکھ!"

ایک کافر تھا، حُلَیس بن زَیان۔ وہ بھی پاس ہی کھڑا تھا۔ اس سے یہ بے رحمی دیکھی نہ گئی۔ ابو سفیان کو پکڑ کر اس نے کھینچ لیا اور چیکا:

"لوگو! دیکھتے ہو؟ یہ قریش کا سردار ہے۔ اپنے بھائی کے ساتھ یہ سلوک کر رہا ہے!"

www.quranurdu.com

ابوسفیان فوراً چونک پڑا: ''اوہ مجھ سے بڑی چوک ہوئی، اچھا، دیکھو اس کا شور نہ کرو۔''

پھر ابوسفیان کی خالد سے ملاقات ہوئی۔ ابوسفیان نے پوچھا:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہوئے؟ کچھ پتہ چلا؟''

خالد نے کہا: ''میں نے تو ابھی دیکھا، وہ کچھ ساتھیوں کے ساتھ پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔''

عام مسلمانوں کو اگرچہ یقین ہو چکا تھا کہ رسولِ خدا واقعی شہید ہو گئے۔ لیکن بدحواسی میں نگاہیں آپ کو ڈھونڈتی تھیں۔ اچانک حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی نظر آپ پر پڑ گئی۔ چہرۂ مبارک پر خَود تھا۔ لیکن آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اب کیا تھا، بے اختیار وہ چیخ پڑے۔ ''مسلمانو! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں۔''

کون جانے یہ آواز کیا تھی؟ مسلمانوں میں یکایک زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ بجھے ہوئے حوصلے جاگ اُٹھے اور تھکے ہوئے جسم تازہ دم ہو گئے۔ ہر طرف سے جاں نثار ٹوٹ پڑے اور پروانوں کی طرح آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ سب سے آگے آگے تھے۔ صورت حال زیادہ نازک ہو چکی تھی۔ خطرات بڑھتے ہی جا رہے تھے۔ جاں نثاروں نے آپ کو دائرہ میں لے لیا اور پہاڑ پر چڑھنے لگے کہ وہاں دشمنوں کا پہنچنا آسان نہ تھا۔

ابو عامر اَوسی نے پہاڑ کے دامن میں کچھ گڑھے کھودر کھے تھے کہ مسلمان پھسل پھسل کر اس میں جا پڑیں۔ اتفاق سے ایک گڑھے کے پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیر پھسل گیا۔ علی رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر دستِ مبارک تھام لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اوپر چڑھا لیا اور پھر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ ابوسفیان نے آپ کو پہاڑ پر چڑھتے ہوئے دیکھ لیا۔ فوج لے کر وہ بھی اوپر چڑھنے لگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے چند صحابہ کی نظر پڑ گئی۔ اوپر سے بے تحاشا پتھر برسائے اور وہ آگے نہ بڑھ سکا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی غلط خبر مدینے بھی پہنچ گئی۔ کون جانے وہاں کے مسلمانوں پر کیا گزری۔ گھبراہٹ میں وہ سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑ پڑے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو بے قرار ہو اٹھیں۔ بدحواسی کے عالم میں وہ بھی دوڑ پڑیں۔ نہ جانے کس کس طرح وہ پیارے باپ کے قدموں میں پہنچ گئیں۔ دیکھا تو ابھی تک چہرۂ مبارک سے خون جاری تھا۔ بے اختیار دل بھر آیا۔ آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سپر میں پانی بھر لائے۔ پیاری بیٹی باپ کے زخم دھونے لگی۔ بہت دھویا، لیکن خون نہ تھما۔ آخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور زخم پر رکھ دیا۔ خون فوراً تھم گیا۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کٹر دشمن تھا اُبَیّ بن خلف، اس کو معلوم ہوا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ابھی زندہ ہیں۔ غصے سے بے تاب ہو گیا۔ ننگی تلوار ہاتھ میں لی۔ کچھ ساتھیوں کو ساتھ لیا اور آپ کی طرف دوڑا۔ وہ غصے سے چیخ رہا تھا: ''محمد کہاں ہے؟! اگر وہ بچ گیا تو مجھ پہ جینا حرام!!''

قریب ہوا تو آپ نے ایک ساتھی سے نیزہ لیا اور اس کے حلق میں ذرا سا کونچ دیا۔ آپ کا کونچنا تھا کہ اس کے پورے بدن میں آگ لگ گئی۔ اس وقت وہ چیختا چلاتا واپس آیا اور تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

www.quranurdu.com

اس لڑائی میں ستر مسلمان شہید ہوئے۔ شہید ہونے والوں میں کئی ایسے جاں نثار تھے، جو اپنی مثال آپ تھے۔ انہی لوگوں میں شیر خدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وحشی خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا کہ وہی آپ کا قاتل تھا۔ وہ ہند کے پاس پہنچا۔ اس سے اپنا کارنامہ بیان کیا اور انعام طلب کیا۔ اس نے کہا: ''میں نے حمزہ کو مار دیا۔ اب آپ مجھے کیا انعام دیں گے؟''

ہند: ''تجھے میں اپنا یہ قیمتی ہار دوں گی۔ ذرا یہ تو بتا وہ ہے کہا؟''

وحشی ہند کو اپنے ساتھ لے گیا۔ اسے حضرت حمزہ کی لاش دکھائی۔

ہند کا کلیجہ تو کھول ہی رہا تھا۔ دیکھتے ہی غصے سے بے قابو ہو گئی۔ جھک کر حضرت حمزہ کا پیٹ چاک کیا اس میں سے ان کا جگر نکالا اور بے دردی سے لگی چبانے کہ کلیجے کی آگ ٹھنڈی ہو۔ مگر اسے وہ نگل نہ سکی۔ مجبوراً اُگل دینا پڑا۔

اب اس نے گلے سے ہار اتار کر وحشی کو دے دیا۔ پھر اس نے قریش کی دوسری عورتوں کو ساتھ لیا۔ جا کر مسلمانوں کی لاشوں کے ناک کان کاٹے اور ان ''پھولوں'' کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈال لیا۔

دشمن اپنی لاشوں کو دفن کر چکے تھے۔ اب انھوں نے مکے لوٹنے کا ارادہ کیا۔ ابوسفیان دوڑا ہوا پہاڑ کے دامن میں آیا۔ زور سے پکار کر کہا: ''مسلمانو! آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔ آئندہ سال پھر بدر میں ہمارا مقابلہ ہو گا۔''

پھر یہ کہتا ہوا لوٹ پڑا: ''ہماری فوج کے لوگوں نے تمہارے مقتولین کے ناک، کان کاٹ لیے ہیں۔ میں نے نہ اس کا حکم دیا تھا نہ اس سے روکا۔ مجھے اس سے خوشی نہیں لیکن کوئی رنج بھی نہیں۔''

مسلمان پہاڑ سے اترے کہ لاشوں کو دفن کریں۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ جسم کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس قدر آنسو بہے کہ ریش مبارک تر ہو گئی۔ اس وقت آپ کی زبان سے یہ درد بھرے الفاظ سنے گئے: ''اُف! میری انکھوں نے ایسا دردناک منظر کبھی نہ دیکھا!!''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر صفیہ رضی اللہ عنہا (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن) کو اس بات سے تکلیف نہ ہوتی، اور یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ چیز میرے بعد ایک مستقل رسم بن جائے گی تو میں ان (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ) کو یوں ہی چھوڑ دیتا کہ انھیں چیل کوّے اور درندے کھالیں۔ بخدا اگر ان پر کبھی بس چلا تو ان کے تیس آدمیوں کی یہی گت بناؤں گا۔''

لیکن اس کے بعد ہی ذہن مبارک میں یہ آیت گونج رہی تھی:

وَ اِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ ؕ وَ لَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصّٰبِرِيۡنَ وَاصۡبِرۡ وَ مَا صَبۡرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَلَا تَكُ فِىۡ ضَيۡقٍ مِّمَّا يَمۡكُرُوۡنَ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا وَّالَّذِيۡنَ هُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ (النحل: 128-126)

''اور اگر تم لوگ بدلہ لو تو بس اسی قدر لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو لیکن اگر صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے ہی حق میں بہتر ہے اور صبر کرو اور تمہارا یہ صبر اللہ کے ہی سہارے ہو گا اور ان لوگوں کی حرکتوں پر رنج نہ کرو نہ ان کی چالبازیوں پر دل تنگ ہو۔ بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے، جو اللہ کی نافرمانی سے بچتے، اس کی ناخوشی سے ڈرتے اور جو نیک کردار ہوتے ہیں۔''

www.quranurdu.com

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

مشعلِ توحید پر آندھیوں کی یلغار

- بنی نضیر کی جلاوطنی
- قریش راستے سے ہی لوٹ گئے
- بنی نضیر کی ریشہ دوانیاں
- دین حق کے خلاف سارے عرب کا اتحاد
- جاں نثاروں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ
- خندق کی کھدائی
- دشمن فوجیں مدینے کی سرحد پر
- اسلامی فوج اپنی چوکیوں پر
- خندق پار کرنے کی ناکام کوششیں
- دشمن فوج میں بے دلی
- بنی قریظہ کی غداری
- حضرت صفیہ کی حیرت ناک شجاعت
- حضرت علی کی مثالی بہادری
- طوفانی حملے
- حضرت سعد کی شہادت
- دشمنوں میں پھوٹ
- بارش اور آندھی کا عذاب
- دشمن فوج میں بھگدڑ
- بنی قریظہ کا عبرت ناک انجام

www.quranurdu.com

وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا يَحْزَنُوْنَ

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انھیں مردہ نہ سمجھو۔ وہ تو زندہ ہیں اپنے رب کے پاس سے روزی پا رہے ہیں۔ جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا ہے، اس پر خوش و خرم ہیں اور مگن ہیں کہ جو اہل ایمان اُن کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ہیں، ان کے لیے بھی کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں۔'' (سورہ آل عمران: ۱۶۹۔۱۷۰)

==========

اُحد کا دن مسلمانوں کے لیے بڑا ہی کٹھن دن تھا۔ لڑائی رکی تو ان کے جسم زخموں سے چور تھے۔ زخموں سے زیادہ انھیں اس کا ملال تھا کہ وہ دشمنوں کی کمر نہیں توڑ سکے۔ اللہ کے دشمنوں کا صفایا کر دینے کا جو عزم لے کر وہ نکلے تھے، اس میں پوری طرح کامیاب نہ ہوئے۔

انھیں اس کا بھی ملال تھا کہ ان کے ستر قیمتی افراد شہید ہو گئے، اگرچہ وہ سینکڑوں مشرکین کو مار کے شہید ہوئے۔

اس جنگ میں خود پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ جانے کتنے تیر چلائے۔ حد یہ ہے کہ ایک کمان آپ کے ہاتھ میں ٹوٹ کر رہ گئی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تو لگ بھگ ایک ہزار تیر چلائے۔ وہ تیر انھیں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود اٹھا اٹھا کر دے رہے تھے۔ ساتھ ہی ان کی تیر اندازی کی داد اس طرح دے رہے تھے، کہ ہر تیر ان کی طرف بڑھاتے ہوئے فرماتے:

''مارے جاؤ، مارے جاؤ، میرے ماں باپ تم پر قربان!''

حضرت طلحہ نے بھی اس روز بے حساب تیر چلائے تھے۔ حد یہ ہے کہ کئی کمانیں ان کے ہاتھ میں ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گئی تھیں۔

اس کے علاوہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ، حضرت حنظلہ بن عامر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ اور نہ جانے کتنے جاں نثاروں نے اس روز اپنی بہادری و سرفروشی کے کیسے کیسے جوہر دکھائے تھے۔

اس طرح یہ بات تو طے ہے کہ اس جنگ میں اگر مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہوئے تو مشرکین کے سیکڑوں آدمی مارے گئے۔

یہ سب کچھ ہوا، لیکن اس کے باوجود آخر میں مشرکین نے ایک ایسی چال چلی، جس نے کچھ دیر کے لیے مسلمانوں کے حوصلے پست کر دیے۔ وہ اس چال سے ان کی بے امان تلواروں کی زد سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔

انھوں نے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید ہو جانے کی افواہ پھیلا دی۔ جس نے جاں نثاروں کے ہاتھ پاؤں شل کر دیے۔ مسلمانوں پر بے دلی چھا گئی۔ اور دشمن پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے، اور آپ کو زخمی کر دینے میں کامیاب ہو گئے۔

www.quranurdu.com

ان جاں نثاروں کے لیے یہ بات کتنی جاں گسل اور کتنی روح فرسا تھی کہ ان کے ہوتے ہوئے ان کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہوگئے۔آپ کے لب زخمی ہوگئے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک میں خَود کی کئی کڑیاں گھس گئیں۔

اللہ، اللہ، غموں کی کیسی یلغار تھی ان بے چارے مسلمانوں پر! پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی ہونے کا غم، ستر چنے ہوئے قیمتی ساتھیوں سے محروم ہو جانے کا غم، اپنے جسموں کے بے حساب زخموں کا غم، اور پھر کفر کے علمبرداروں کا صفایا نہ کر سکنے کا غم۔

ان گوناگوں غموں نے مسلمانوں کو توڑ کر رکھ دیا۔ان کے چہرے اداس اور افسردہ سے نظر آنے لگے۔

اس حکیم امت اور معلّم انسانیت نے صورت حال کی نزاکت کو فوراً محسوس کیا۔ان ٹوٹے ہوئے دلوں کی چارہ سازی کرنا ضروری سمجھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ضروری سمجھا کہ ان کے ذہنوں سے ناکامی کا احساس دور کر کے انھیں فتح عظیم اور فتح مبین کے احساس سے سرشار کر دیا جائے۔

اس کا علاج آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوچا کہ مشرکین کے لشکر کا تعاقب کیا جائے۔اگر وہ ہاتھ آجاتے ہیں، تو رہی سہی کسر پوری ہو جائے گی۔اور اگر بھاگ جاتے ہیں، تو یہ چیز خود ثابت کر دے گی، کہ ہارا ہوا کون ہے، جیتا ہوا کون؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غمزدہ ساتھیوں کو للکارا!

''بھاگے ہوئے دشمن کا پیچھا کرنا ہے۔اور بس انہی کو کرنا ہے، جو احد کی جنگ میں شریک رہے۔''

ادھر ابوسفیان کا حال یہ تھا کہ وہ مسلمانوں سے پہلے ہی میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔وہ بہت ہی گھبراہٹ اور بدحواسی کے عالم میں وہاں سے چل دیا۔

جب وہ مدینے سے اتنی دور نکل آیا، کہ اس کے خیال میں اب مسلمانوں سے کوئی خطرہ نہیں رہا، تب اس نے اطمینان کا سانس لیا۔اور یہ ارادہ کیا کہ یہاں ٹھہر کر کچھ دم لے لیں۔اپنے زخموں کی مرہم پٹی کر لیں۔پھر اطمینان سے مکے کا سفر کریں۔

ابھی وہ اپنے خیمے بھی نہیں لگوا سکا تھا، کہ اسے اطلاع ملی، مسلم فوج اس کے تعاقب میں ہے۔وہ ایک بپھرے ہوئے طوفان کی طرح اس کا پیچھا کر رہی ہے۔وہ آرہی ہے تاکہ اس کا نشہ اتار دے۔اس کی اور اس کی فوج کی جو رہی سہی عزت ہے، اسے خاک میں ملا دے۔

یہ خبر ملنی تھی کہ ابوسفیان نے اپنی فوج کو فوراً وہاں سے کوچ کرنے کا حکم دیا۔اور بہت تیزی میں وہاں سے بھاگ چلا، کہ اگر دوبارہ مقابلہ ہو گیا، تو شاید ان میں سے کوئی بچ کر واپس نہ جا سکے گا۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حمراء الاسد تک اس کا پیچھا کیا۔یہ ایک مقام ہے جو مدینے سے آٹھ میل پر واقع ہے۔وہاں پہنچ کر آپ نے تین دن قیام فرمایا۔یہ تین دن اس طرح گزرے کہ دن بھر صحابہ کرام لکڑیاں جمع کرتے۔اور رات میں ہر ہر صحابی الگ الگ اپنی آگ جلاتا۔

لگاتار تین راتیں ایسی گزریں کہ پانچ سو جگہوں پر آگ روشن کی جاتی رہی۔جو میلوں سے نظر آتی۔

اس طرح مدینے سے لے کر مکے تک، بلکہ پورے عرب میں اس کا شہرہ ہو گیا کہ مسلم فوج نے حمراء الاسد تک دشمن فوج کا پیچھا کیا۔اور دشمن فوج بدحواسی کے عالم میں وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی۔

www.quranurdu.com

ادھر مسلمانوں پر اس کا ثر یہ ہوا کہ ان کے حوصلے بلند ہو گئے۔ انھیں اپنی ناکامی کا جو احساس تھا، وہ فتح و کامرانی کے احساس میں تبدیل ہو گیا۔

اللہ ! اللہ ! ! رسولِ خدا کی یہ تدبیر ! یہ حکمت ! یہ دور اندیشی ! ! کس وقت ؟ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھک کر چور ہیں۔ زخموں سے نڈھال ہیں۔ ناکامی کا بھی ملال ہے اور پھر ''مثلہ'' کا جاں گداز منظر نظروں کے سامنے ہے۔ ! !

جنگِ اُحد سے اطمینان ہوا تو گونا گوں فتنوں کا سامنا ہوا۔ کئی قبیلوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غداری کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بھی نمٹنا پڑا۔ اس سلسلے میں جھڑپیں بھی ہوئیں۔ کہیں تو فتح ہوئی۔ کافی مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ لیکن کہیں جانوں کا بڑا نقصان ہوا۔ ان میں ایک واقعہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ وہ قبیلہ بنی نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ۔ یہ یہودیوں کا قبیلہ تھا۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے معاہدہ تھا۔ لیکن اس نے غداری کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں گئے اس سلسلے میں گفتگو کرنے۔ انھوں نے بظاہر آپ کا اچھا استقبال کیا۔ لیکن در پردہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینے کی سازش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ انھوں نے کچھ آدمی بھیج دیے کہ اوپر سے وہ آپ کے اوپر کوئی بھاری پتھر گرادیں۔ وحی الٰہی نے آپ کو اس خطرے سے آگاہ کر دیا۔ آپ فوراً وہاں سے اٹھ کر چل دیے۔ بعد میں آپ نے انھیں مدینے سے نکل جانے کا حکم دیا۔ مگر وہ تو اپنی طاقت کے نشے میں تھے۔ حکم ماننے سے انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ بالآخر انھوں نے گھٹنے ٹیک دیے۔ اکثر لوگ تو مدینے سے نکل کر خیبر چلے گئے، جو مدینے سے سو میل کے فاصلے پر ہے۔ اور کچھ لوگ شام کی طرف چلے گئے۔ نکلنے کو تو وہ مدینے سے نکل گئے مگر اب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں اور سرگرم ہو گئے۔ وہ قبیلوں میں جا جا کر آپ کے خلاف زہر اگلنے لگے۔

قریش نے اُحد سے واپس ہوتے ہوئے دھمکی دی تھی۔ انھوں نے ترنگ میں آکر کہا تھا: '' مسلمانو ! آئندہ سال بدر میں پھر ہمارا مقابلہ ہو گا۔'' وہ وقت اب سر پر آگیا۔ ہمت تو تھی نہیں۔ اپنے کیے پر بڑا پچھتاوا ہوا۔ یوں ہی بیٹھ رہیں، یہ بھی بدنامی کا باعث تھا۔ کہ اس طرح ہر طرف ان کی بزدلی کا چرچا ہو جانے کا ڈر تھا۔ انھوں نے ایک چال چلی۔ مسلمانوں میں اپنے آدمی بھیجنے شروع کیے کہ وہ ان کے لاؤ لشکر اور ساز و سامان کو بڑھا چڑھا کر بیان کریں تاکہ مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیل جائے۔ ان میں لڑائی سے بے دلی پیدا ہو جائے۔ لیکن آپ ان کی باتوں میں کب آنے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت ذرا بھی ڈانواں ڈول نہ ہوئی۔ اپنے عزم پر آپ مضبوطی سے قائم رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طے کر لیا، اس دن لازماً میدان میں پہنچنا ہے۔ جس طاقت پر انھیں ناز ہے۔ اس طاقت کو پارہ پارہ کرنا ہے۔

وہ دن آگیا۔ آپ نے ساتھیوں کے ساتھ بدر کا رخ کیا۔ اس موسم میں وہاں ہر سال بازار بھی لگتا تھا۔ ساتھیوں نے تجارت کے لیے کچھ سامان بھی ساتھ لے لیے۔ وہاں پہنچے تو قریش کا کہیں دور دور تک پتہ نہ تھا۔ غیور اور خوددار مسلمان ٹھہر کر ان کا انتظار کرنے لگے۔

ننگ و عار کا مسئلہ تھا۔ قریش کو بہر حال اپنی لاج رکھنی تھی۔ اس لیے مقابلے میں نکلنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا۔ لیکن بری طرح ہار جانے کا بھی خطرہ تھا۔ اس لیے دل کسی طرح راضی نہ تھا۔ پھر بھی ہمت کر کے نکلے۔ دو دن تک آگے بڑھتے رہے۔ پھر خوف سے پاؤں پھولنے لگے۔ آگے بڑھنا ناممکن ہو گیا۔

ابوسفیان فوج کا کمانڈر تھا۔ اس نے کہا: ''بھائیو! یہ سال تو خشک سالی کا ہے۔ لڑائی بھڑائی تو خوش حالی میں ہوتی ہے۔ خیر اسی میں ہے کہ ہم مکہ لوٹ چلیں۔ لو، میں تو چلا۔''

سردار کے بعد اب کون ٹکتا۔ پوری فوج مکہ واپس ہو گئی۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں آٹھ دن تک انتظار کرتے رہے۔ بدر میں بازار تو لگا ہی تھا۔ سامان تجارت بھی ساتھ تھا۔ مسلمان تجارت میں لگ گئے۔ خدا نے خوب برکت دی۔ آٹھ دن گزر گئے لیکن قریش کا کہیں پتہ نہ تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھیوں کو لے کر مدینہ لوٹ پڑے۔ راستے میں دشمن کی بزدلی کی باتیں رہیں۔ قریش کی پست ہمتی کے تذکرے رہے۔ مسلمان خدا کے بے شمار احسانات یاد کرتے۔ شکر سے ان کے سینے اُمڈنے لگتے۔ زبان پر بے اختیار حمد جاری ہو جاتی۔

==========

قریش اب مسلمانوں کا لوہا مان چکے تھے۔ ان کی طاقت اور ہمت سے سہم چکے تھے۔ سمجھ چکے تھے ان سے ٹکر لینا خود اپنی بربادی کو دعوت دینا ہے۔ قبیلہ بنو نضیر آپ سے جلا ہوا تھا ہی۔ اس کے سردار قریش کے پاس گئے۔ ان سرداروں میں حیی بن اَخطب بھی تھا۔ سلام بن ابی الحقیق بھی تھا۔ ان لوگوں نے پہنچ کر قریش کو جوش دلایا۔ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر ٹکر لینے پر ابھارا۔ انھوں نے کہا: ''ڈرنا کاہے کا؟ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو محمد کو مار کے ہی دم لیں گے۔ اسی کا تو ہم تم سے عہد کرنے آئے ہیں۔''

ان باتوں سے قریش میں ایک نیا جوش ابھرا۔ ایک نیا ولولہ پیدا ہوا۔ سوئے ہوئے جذبات پھر جاگ اٹھے۔ انھوں نے یہودیوں کو سر آنکھوں پہ بٹھایا۔ خوشی سے جھومتے ہوئے بولے:

''واہ! کیا خوب آئے۔ ہمیں وہی لوگ تو پسند ہیں، جو محمد کے دشمن ہیں، جو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اب سارا عرب ایک تھا۔ کیا مشرک کیا یہودی سب کو ایک ہی جنون تھا۔ سارے شیطانی ارادے اور ناپاک حوصلے اب اسلام کا چراغ بجھا دینے پر تل گئے تھے!! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک بھاری لشکر بڑھا۔ لشکر کیا تھا، آدمیوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ دس ہزار خون کے پیاسے تھے، جو ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔

اے محمد! اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ وہ آپ کی مدد بھی کر سکتا ہے۔ دشمنوں کو خوار بھی کر سکتا ہے!!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر اطلاعات ملتی رہی، سارا عرب آپ پر بپھرا ہوا ہے۔ ہر طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سیلاب کی طرح اُمڈا آرہا ہے کہ مدینے کو تہس نہس کر دے، دنیا سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دے۔

اُف خدا کی پناہ۔۔۔! جس لشکر کے پیچھے عرب کی پوری طاقت ہو، پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مقابلہ کیسے کر سکیں گے؟! اس کی غارت گری سے محفوظ رہنے کی کیا ترکیب کریں گے؟! اس کی بربادیوں کا سیلاب کیسے روکیں گے؟!

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں کو جمع کیا۔ ان سے مشورہ کیا۔ سب نے ایک ہی مشورہ دیا: ''باہر نہ نکلا جائے۔ مدینے میں ہی رہ کر مقابلہ کیا جائے۔''

www.quranurdu.com

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایران کے رہنے والے تھے۔وہاں کے کچھ جنگی طریقوں سے واقف تھے۔انھوں نے کہا: "کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنے خطرے سے خالی نہیں۔کسی محفوظ جگہ پر لشکر جمع ہو۔جدھر سے دشمن کے آنے کا خطرہ ہو ادھر خندق کھودی جائے۔"

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے بہت پسند آئی۔آپ اسی وقت ایک گھوڑے پر سوار ہوئے۔کچھ مہاجرین اور انصار کو بھی ساتھ لے لیا۔گھوم پھر کر مدینے کی جغرافیائی صورت حال کا جائزہ لیا۔خندق کے لیے مناسب جگہ اور اس کی لائن متعین کی۔حکم دیا، جتنی جلد ممکن ہو، یہ کام شروع ہو جائے۔

فوراً مسلمان اس کام میں جٹ گئے۔جلدی جلدی کدال، پھاؤڑوں کا انتظام ہوا۔بنی قریظہ کے یہودی مسلمانوں کے حلیف تھے۔کھدائی کے بہت سے سامان وہاں سے آگئے۔

مدینہ تین طرف سے پہاڑوں اور نا قابل عبور سنگلاخ زمینوں سے گھرا ہوا تھا۔بس ایک شمال کی جانب سے کھلا ہوا تھا۔اسی طرف خندق کھودنے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔کھدائی کا نقشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنایا۔پھر ہر دس دس آدمیوں پر بیس بیس میٹر زمین تقسیم کر دی۔

کھدائی کرنے والوں میں آپ خود بھی شامل تھے۔آپ کو ساتھ دیکھ کر مخلص ساتھیوں میں اور جوش پیدا ہوتا اور وہ بے خود ہو کر کام میں لگے رہتے۔

جاڑے کی راتیں تھیں۔تین تین دن کا فاقہ تھا۔بہادر مسلمان اسی عالم میں کھدائی کرتے۔اپنے سروں پر مٹی ڈھوڈھو کر کوہِ سَلع کے دامن میں پھینکتے۔اُدھر سے پتھر ڈھوڈھو کر لاتے اور خندق کے کنارے چنتے جاتے کہ ضرورت پڑی تو دشمن پر برسانے کے کام آئیں گے۔

تین ہزار متبرک ہاتھ خندق کھودنے میں مصروف تھے۔جوش کا یہ عالم تھا کہ رات اور دن کا ہوش نہ تھا۔بھوک پیاس سب کچھ بھولے ہوئے تھے۔نو یا دس دنوں کی انتھک جدوجہد سے یہ کام پورا ہو گیا۔خندق کھد کر تیار ہو گئی۔جس کی لمبائی تقریباً 6ہزار میٹر تھی۔چوڑائی لگ بھگ 5 میٹر تھی۔اور گہرائی 5,4 میٹر کے آس پاس تھی۔اور اب مدینہ بالکل محفوظ تھا۔

مدینے کا ایک پہاڑ ہے، کوہِ سلع کے نام سے مشہور ہے۔خندق اور اس پہاڑ کے درمیان میں ایک لمبا چوڑا میدان تھا۔پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کو اسی میدان میں ٹھہرایا۔اور کوہِ سلع کو اپنی پشت پر رکھا۔

مدینے کا بچہ بچہ جوش سے سرشار تھا۔فوج روانہ ہوئی تو باپ بھائیوں کی دیکھا دیکھی نو عمر بچے بھی ساتھ ہو لیے۔فوج میدان میں پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جائزہ لیا۔جو پندرہ سال سے زیادہ عمر کے بچے تھے، انھیں شرکت کی اجازت دی۔جو اس سے کم تھے انھیں شاباشی دی اور سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔

ہجرت کا پانچواں سال تھا۔شوال کا مہینہ تھا۔دشمن فوج کے ہراوّل دستے اب مدینے کے قریب دکھائی دینے لگے۔ابو سفیان کو امید تھی، محمد اُحد پر ملیں گے۔آپ وہاں نہ ملے تو اس نے فوج کو مدینے کی طرف بڑھایا۔مدینے کے قریب پہنچ کر اس نے پڑاؤ ڈال دیا۔غطفان اور کچھ دوسرے قبیلے اُحد کے پاس ٹھہرے۔

www.quranurdu.com

دشمن فوج کی ٹولیاں مدینے کی طرف چلیں کہ مسلمانوں کا کچھ حال معلوم ہو۔ وہاں پہنچیں تو ایک نئی چیز دیکھی۔ ایسی چیز جو ان کے وہم و گمان میں نہ تھی۔۔۔ ان کی عقلیں حیران تھیں کہ یہ کیا، یہ تو خندق ہے!! مدینہ کی حفاظت کے لیے خندق کھدی ہے!! تو کیا ہمارا لشکر اُس پار نہ جا سکے گا؟ جس کے لیے اتنا جتن کیا گیا جس کے لیے اتنے پاپڑ بیلے گئے، کیا وہ کام نہ ہو سکے گا؟! کیا یہ سارا کھیل بگڑ جائے گا؟ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ بچ جائے گا؟!

ٹولیاں لوٹ لوٹ کر فوج میں آئیں۔ لوگوں کو یہ ''نامبارک'' خبر سنائی۔ جس نے سنا، دنگ رہ گیا: بخدا یہ تو بالکل نئی ترکیب ہے۔ عرب میں تو کبھی اس کا رواج تھا نہیں۔

مسلمانوں کو معلوم ہو گیا دشمن آ گئے ہیں۔ وہ اپنی چوکیوں پر چوکنے ہو گئے۔

کوہِ سلع کے دامن میں ایک خیمہ نصب کیا گیا۔ سرخ رنگ کا خیمہ۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لائے۔ وہاں بیٹھ کر جنگ کا نقشہ بنایا۔

اسلامی فوج تین ہزار تھی۔ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی حصوں میں تقسیم کیا۔ کچھ ٹولیاں خندق کی دیکھ بھال پر مقرر ہوئیں۔ خندق کے جن حصوں پر زیادہ اندیشہ تھا، وہاں خصوصی طور پر کچھ لوگوں کو پہرے پر لگایا۔ بقیہ فوج دشمن کے مقابلے میں صف آرا ہوئی۔ خندق کی طرف رخ تھا۔ تیر کمان ہاتھوں میں تھے۔

اب دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں۔ قریش نے بہت کوشش کی، خندق پار کر لیں لیکن ناکام رہے۔ جاں باز مسلمانوں نے اس طرح تیر برسائے کہ ان سے کچھ نہ بن پڑا۔ تاب نہ لا کر وہ پیچھے ہٹ گئے۔ اب انھوں نے خندق کے اسی پار سے تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ پھر شام ہو گئی۔ وہ اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے۔ صبح ہوئی تو قریش نے پھر خندق پار کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس دن بھی ناکام رہے۔ اب وہ غصے سے بوکھلا گئے۔ تلملاتے اور ہونٹ چباتے واپس گئے۔ انھیں اب یقین ہو گیا کہ ہمارا سارا کیا دھرا برباد گیا۔ آندھی طوفان کا بھی زور تھا۔ سردی بھی بلا کی تھی۔ جسم کٹے جا رہے تھے۔ رگوں میں خون جما جا رہا تھا۔ اس لیے وہ اور غصے سے بدحواس تھے۔

مسلسل ناکامی اور پھر موسم کی سختی۔ فوج میں بے دلی پھیل گئی۔ جسے دیکھو، یہی کہہ رہا تھا: ''محمد پر اب قابو کیسے پایا جا سکتا ہے؟!''

حیی بن اَخطب نے یہ حال دیکھا تو بہت ڈرا۔ اس نے فوج اکٹھا کرنے کے لیے اَن تھک کوشش کی تھی۔ نہ جانے کن کن مصیبتوں سے سارا انتظام کیا تھا۔ وہ گھبرا اُٹھا۔ سوچنے لگا: اگر فوج میں یوں ہی بے دلی پھیلی رہی، سپاہیوں کے حوصلے پست ہوتے گئے تو کیا ہو گا؟! تب تو ساری کوشش مٹی میں مل جائے گی۔ اس کے لیے تو فوراً کچھ کرنا چاہیے۔ وہ دوڑا ہوا ابوسفیان کے پاس آیا۔ اس سے کہا: ''میری قوم بنی قریظہ بھی تمہارے ساتھ ہے اور ان کی طاقت کا حال تمھیں معلوم ہے۔''

ابوسفیان: تو دیر نہ کرو۔ جلدی جاؤ۔ ان سے کہو: ''محمد سے معاہدہ توڑ دیں۔''

حیی تیزی سے بنی قریظہ کی طرف لپکا کہ کسی طرح ان کو پھسلائے۔ ان کو غداری پر آمادہ کر لے۔ انھیں توڑ کر اپنے میں ملا لے۔

بنی قریظہ کے سردار کو محسوس ہو گیا۔ چنانچہ فوراً اس نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا۔ اور حیی سے ملنا بھی گوارا نہ کیا۔ کیونکہ وہ تاڑ گیا تھا کہ حیی کیوں آ رہا ہے۔ حیی پہنچا تو اس نے آواز دی۔ اور قسم دے دے کر دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ جوش دلانے کے لیے اس نے یہ بھی کہا:

www.uranurdu.com

"مجھے معلوم ہے تم نے کیوں دروازہ بند کیا ہے تمھیں ڈر ہے کہیں میں بھی نہ پیالہ میں شریک ہو جاؤں۔"

یہ سن کر کعب کو غیرت آگئی اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ حیی نے کہا:

"واہ رے کعب! دیکھو، میں تمہارے لیے کتنی بڑی عزت اور شہرت لے کر آیا ہوں۔ فوجوں کا ایک سمندر لایا ہوں۔۔۔۔ ٹھاٹھیں مارتا سمندر۔ سارا عرب اُمڈ آیا ہے۔ قریش اور غطفان کے بھی سردار آئے ہیں۔ سب ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کے پیاسے ہیں۔ سب نے وعدہ کیا ہے کہ کام تمام کیے بغیر یہاں سے ٹلیں گے نہیں۔"

کعب نے کہا:

"بخدا تم میری ناک کٹانی چاہتے ہو۔ میں تو محمد سے معاہدہ کر چکا ہوں۔ اب معاہدہ کی خلاف ورزی مجھ سے نہ ہو گی۔ محمد نے ہمیشہ میرے ساتھ وفاداری کی ہے۔"

مگر حیی اب بھی مایوس نہ ہوا اور وہ بار بار کعب کی غیرت کو بھڑکاتا۔ اس نے کہا:

"آج پوری قوم کی لاج رکھنا تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اس کی عزت بھی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اور اس کی ذلت بھی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اب تم ہی سوچ لو، دیکھو، یہ موقع ہاتھ سے دینے کا نہیں۔ بے جھجک تم محمد کا معاہدہ توڑ دو۔ اور فوجوں کو راستہ دو۔ وہ سیلاب کی طرح بڑھیں گی۔ اور منٹوں میں محمد اور اس کی فوج کو کھلیان کر دیں گی۔ پھر پورے عرب پر ہمارا اثر ہو گا۔ اپنے مذہب کے لیے بھی راستہ صاف ہو جائے گا اور مدینہ کی ساری دولت اور جائیداد پر بھی قبضہ ہو جائے گا۔"

اس بار کا وار بے کار نہ گیا۔ اس بار حیی کا جادو چل گیا۔ اور کعب اپنی مروّت کو ذبح کرنے پر راضی ہو گیا۔ لیکن ابھی وہ ہچکچا رہا تھا اور غداری کا برا انجام اسے ستا رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ:

"اگر کہیں قریش و غطفان ہار گئے، تو کیا ہو گا؟ وہ لوگ تو اپنا راستہ پکڑیں گے، اور میں تن تنہا رہ جاؤں گا۔ پھر تو میری بُری گت بنے گی اور بنو نضیر اور بنو قینقاع کی طرح میں بھی ذلیل ہوں گا۔"

لیکن جلد ہی یہ اندیشہ بھی دور ہو گیا۔ کیونکہ حیی نے کہا:

"خدانخواستہ اگر ہم ہار گئے اور قریش میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے، تو میں خیبر چھوڑ دوں گا۔ اور یہیں آکر تمہارے ساتھ رہوں گا اور جو کچھ سامنے آئے گا، تمہارے ساتھ میں بھی جھیلوں گا۔"

یہ باتیں سن کر کعب کو اب بالکل اطمینان ہو گیا اور وہ غداری کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اب کیا تھا، حیی کامیابی سے مسرور فوج میں پہنچا اور وہاں لوگوں کو یہ خوشخبری سنائی۔ اسے اب یقین تھا کہ فتح اپنے ہاتھ میں ہے۔ اور اس میں اب صرف اتنی ہی دیر ہے کہ بنی قریظہ تیار ہو لیں۔

قریظہ کی غداری کی خبر آناً فاناً پھیل گئی۔ یہ خبر مسلمانوں پر بجلی بن کر گری۔ مسلمانوں کے لیے یہ ایک نئے خطرہ کی گھنٹی تھی۔ کیونکہ اب ان کا لشکر بھی خطرہ میں تھا۔ رسد رسانی کے لیے بھی اب کوئی راستہ نہ تھا اور دشمن کا اندیشہ بھی بڑھ گیا تھا۔ کیونکہ حملہ کے لیے ایک نیا راستہ کھل گیا تھا اور اس راستہ سے دشمن کے لیے شہر میں گھسنا بالکل آسان تھا۔

www.quranurdu.com

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق کے لیے ایک آدمی دوڑایا۔ وہ پہنچا تو وہاں بڑی دھوم دھام تھی۔ ایک عجیب جوش و خروش تھا۔ اور ہر ایک جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ آپ نے اطمینان کے لیے پھر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ قریظہ کے سردار سے مل کر بات کریں۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ خزرج کے سردار تھے اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اَوس کے۔ یہ قریظہ کے حلیف بھی تھے۔ ان دونوں سے آپ نے فرمایا:

''اگر خبر صحیح ہو، تو آکر چپکے سے بتانا کہ مسلمانوں میں بے دلی نہ پھیلے۔ ورنہ بلند آواز سے اعلان کر دینا۔''

یہ لوگ وہاں پہنچے تو بہت افسوسناک حالت دیکھی۔ کیونکہ وہ لوگ بے وفائی اور غداری کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اور سردار کی حالت تو سب سے زیادہ شرمناک تھی، کہ وہ پوری بے باکی سے آپ کی بے ادبی کر رہا تھا۔ اس بدبخت نے یہاں تک کہا کہ:

''کون ہے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم؟ ہم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عہد معاہدہ نہیں!''

یہ کلمات سن کر جاں نثاروں کو جوش آگیا۔ اور صورتِ حال بہت نازک ہو گئی۔ اور قریب تھا کہ جھگڑا برپا ہو جائے۔ مگر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی کو سنبھالا اور یہ کہتے ہوئے روانہ ہو گئے کہ:

''یہ کیا؟ ہمارے اور ان کے تعلقات تو اس سے بھی زیادہ بگڑ چکے ہیں!''

پھر دونوں جاں نثار لوٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اور چپکے سے آپ کو صورتِ حال بتادی۔ لیکن یہ خبر چھپنے والی کب تھی؟ ساری فوج میں اس کا چرچا ہو گیا۔ اور مدینہ میں ہر طرف اس کا شہرہ ہو گیا۔ اس طرح آن کی آن میں سب پر بے دلی چھا گئی۔ اور ہر طرف مایوسی پھیل گئی جسے دیکھیے یہی کہہ رہا تھا:

''خندق تو خوب تیار ہوئی۔ لیکن اب خندق سے کیا ہوتا ہے؟ اب تو قریظہ کے قلعہ سے حملہ ہوگا۔ ہائے اب کیا بنے گا؟''

اب محاصرہ بہت سخت تھا۔ دشمن مدینہ کے گرد گھیرا ڈالے رہے اور اسی حال میں مسلمانوں پر کئی کئی فاقے گزر گئے۔ بالآخر تاب نہ لا کر وہ بلبلا اُٹھے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ساتھی ہمت نہ ہار جائیں چنانچہ آپ نے غطفان کے پاس ایک آدمی بھیجا:

''اگر تم لوگ جنگ نہ کرو، اور واپس چلے جاؤ تو مدینہ کی تہائی پیداوار ہم تم کو دیں گے۔''

اس پر غطفان بخوشی راضی ہو گئے اور بات پکی کرنے کے لیے انھوں نے اپنے آدمی بھیجے۔ البتہ انھوں نے تہائی کے بجائے آدھی پیداوار کا مطالبہ کیا۔ یہ سب کچھ ہو رہا تھا، مگر ابوسفیان ان باتوں سے بالکل بے خبر تھا۔ غطفان کی طرف سے آدھی پیداوار کا مطالبہ ہوا۔ تو آپ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ اور ان سے مشورہ کیا۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! اگر یہ خدا کا حکم ہے۔ تو انکار کی مجال نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش ہے، جب بھی تسلیم ہے اور اگر یہ ارادہ ہم لوگوں کے خیال سے ہے، تو کچھ عرض کروں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ تو تم ہی لوگوں کے لیے کر رہا ہوں۔ کیوں کہ میں نے سوچا کہ اس طرح دشمن کا دباؤ کچھ کم ہو جائے گا۔''

www.quranurdu.com

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اللہ کے رسول! جب ہم کافر تھے، تب تو کوئی ہم سے کچھ نہ لے سکا اور اب تو آپ کی برکت سے ہمارا درجہ بلند ہو گیا۔ اللہ کے رسول! ان کے لیے ہمارے پاس اب صرف تلوار ہے۔"

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہمت دیکھی، تو آپ کو اطمینان ہوا۔ چنانچہ آپ نے غطفان سے معاہدہ کا ارادہ چھوڑ دیا۔ اور ان کے آدمی واپس چلے گئے۔

قبیلۂ غطفان کا ایک رئیس تھا نعیم بن مسعود۔ وہ اندر ہی اندر مسلمان ہو چکا تھا۔ مگر قبیلہ والوں کو خبر نہ تھی۔ وہ چھپ کر آپ کے پاس آیا۔ اور اپنے مسلمان ہونے کی خوشخبری سنائی۔ پھر عرض کیا:

"اللہ کے رسول! میرے اسلام لانے کی کسی کو خبر نہیں۔ آپ جو چاہیں مجھ سے کام لیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نعیم! تم تنہا آدمی ہو، جس طرح بھی ہو سکے، یہ مصیبت دور کرو اور اس کے لیے تم جو چاہو، کرو تمھیں اجازت ہے۔"

نعیم اب واپس گئے۔ اور سوچنے لگے کہ کیا کروں؟ کس طرح دشمن میں پھوٹ ڈالوں؟ اور کس طرح ان کے ناپاک عزائم کو ناکام کروں؟

دشمنوں میں اب ایک نیا جوش تھا۔ اب ان کے حوصلے پہلے سے کہیں زیادہ بلند تھے۔ اب انھیں سردی کی سختی کی ذرا فکر نہ تھی۔ اور خندق کی بھی کوئی پرواہ نہ تھی۔ کیونکہ اب قریظہ ان کے ساتھ تھے اور اب دل کے ارمان نکالنا آسان تھا۔ پیدل فوج تین حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ اور وہ ہر طرف سے اسلامی فوج کو گھیرے ہوئی تھی۔ کہ وہ کہیں آجا نہ سکیں۔ اور بے بس ہو کر رہ جائیں۔ مگر سوار فوج اِدھر اُدھر پھر رہی تھی۔ اور مسلمانوں پر بے دردی سے تیر برسا رہی تھی۔

مسلمان سخت پریشان تھے۔ کیونکہ وہ بالکل گھر کر رہ گئے تھے خوف اور بے چینی الگ تھی۔ کیونکہ دن رات یہودیوں کا خطرہ تھا اور یہ خطرہ خندق کے خطرہ سے بڑھ کر تھا۔ عورتیں اور بچے شہر کے ایک قلعہ میں تھے۔ لہٰذا بنو قریظہ سے خطرہ تھا کہ کہیں وہ رات میں ان پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ آدمیوں کو مقرر فرمایا، کہ رات بھر مدینہ میں گھوم پھر کر پہرہ دیں۔

یہودیوں نے غداری کی، تو مسلمانوں کی خبریں جاننے کی بھی انھیں فکر ہوئی۔ انھوں نے چاہا کہ کمزور جگہیں معلوم ہو جائیں، تاکہ حملہ میں آسانی ہو۔ اور ناکامی بھی نہ ہو۔ چنانچہ یہودیوں کی ایک ٹولی اسی غرض سے نکلی۔ مگر مسلمانوں کو پتہ چلا تو انھوں نے پیچھا کیا۔ اور وہ بھاگ نکلے۔

عورتیں اور بچے جس قلعہ میں تھے، وہ قلعہ بنی قریظہ کے قریب ہی تھا۔ بنی قریظہ نے سوچا:

"مسلمان تو فوجوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اس لیے موقع اچھا ہے، قلعہ پر قبضہ کر لیا جائے۔"

چنانچہ ایک یہودی قلعہ تک آگیا۔ اور چاروں طرف چکر لگانے لگا قلعہ میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ یہ آپ کی پھوپھی تھیں۔ یکایک ان کی نظر اس یہودی پر پڑ گئی۔ عورتوں کی حفاظت کے لیے حضرت حسان رضی اللہ عنہ مقرر تھے۔ وہی حضرت جو بہت

www.quranurdu.com

اچھے شاعر تھے۔ اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دشمنوں کا جواب دیا کرتے تھے۔ یہودی کو دیکھ کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا گھبرائیں اور حسان رضی اللہ عنہ سے بولیں:

''دیکھیے، یہ یہودی یہاں گھوم رہا ہے۔ جلدی سے اُتر کر اسے قتل کر دیجیے۔ ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ دے گا۔ مسلمان تو لڑائی میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اگر یہ بچ کر چلا گیا۔ تو مصیبت آ جائے گی۔''

مگر حضرت حسان رضی اللہ عنہ ذرا ہمت کے کچے تھے۔ بولے:

''عبدالمطلب کی بیٹی! اللہ تجھے معاف کرے! تجھے معلوم ہے کہ میں اس کام کا آدمی نہیں۔''

اور کوئی شکل تھی نہیں۔ مجبوراً حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے خود خیمہ کا ایک بانس اُکھاڑا اور چپکے چپکے نیچے اتریں۔ پھر جا کر یہودی کے سر پر اس زور سے مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔

پھر لوٹ کر وہ قلعہ آئیں۔ اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کہا:

''وہ مرد ہے۔ اس لیے میں نے اسے ہاتھ لگانا اچھا نہ سمجھا۔ آپ جائیے، اس کے ہتھیار اور کپڑے اتار لائیے۔''

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا:

''عبدالمطلب کی بیٹی! جانے بھی دو۔ مجھے اس کی چیزوں کی کوئی ضرورت تو ہے نہیں۔''

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''اچھا جائیے! اس کا سر کاٹ کر میدان میں پھینک دیجیے تاکہ یہودی مرعوب ہو جائیں۔''

حضرت حسان رضی اللہ عنہ اس کے لیے بھی نہ تیار ہوئے۔ مجبوراً یہ کام بھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہی کو کرنا پڑا۔ اس طرح یہودی سمجھے کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج ہے۔ اور پھر انھیں حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

جوں جوں دن گزر رہے تھے، حالات سخت ہوتے جا رہے تھے۔ ذرا تصور تو کرو، فاقے پر فاقے! پھر راتوں کو سونا حرام! اور پھر ہر آن جان کا اندیشہ! اسلامی فوج میں منافق بھی موجود تھے۔ بھلا ایسے میں وہ کہاں چھپ سکتے تھے۔ آ آ کر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگنے لگے کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں اور بال بچے خطرہ میں ہیں۔ لہٰذا ہمیں شہر جانے دیجیے۔ خود تو وہ لوٹنا چاہتے ہی تھے، مسلمانوں کو بھی بہکاتے اور جان کا خوف دلاتے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے انھیں بدگمان کرتے ہوئے کہتے:

''محمد نے بھی ہمیں خوب بہلایا۔ خوب سبز باغ دکھائے کہتے تھے قیصر و کسریٰ کے خزانے ملیں گے۔ آج یہ حال ہے کہ 'ضرورت' کے لیے بھی جانا جان کا خطرہ ہے!''

بنی قریظہ کی غداری کو کئی دن گزر گئے۔ فوجیں بے تاب تھیں اور ان کے تیار ہونے کا شدت سے انتظار کر رہی تھیں۔ تاکہ وہ قلعہ میں سے حملہ کا راستہ دیں۔ اور یہ دل کے ارمان پورے کریں۔ لیکن اس وقت تک وہ کیا کریں، کہ خندق کو پار کرنا تو اُن کے بس سے باہر تھا۔ مجبوراً باہر سے ہی وہ تیر پتھر برساتی رہیں۔

خندق کی چوڑائی ایک جگہ سے کچھ کم تھی۔ پہرہ بھی کمزور تھا۔ دشمنوں نے موقع کو غنیمت جانا اور اسی طرف سے حملہ کرنا چاہا۔ چنانچہ وہ پوری تیاری سے آگے بڑھے اور گھوڑے کودا کر اس پار پہنچے۔ غرور سے سینے تنے ہوئے تھے۔ ان میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ

www.quranurdu.com

اور ضرار بھی تھے۔ اور عرب کا سب سے مشہور بہادر عمَرو بن عَبد وُدّ بھی تھا۔ جو ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا۔ یہی پہلے آگے بڑھا۔ اور پکار کر کہا: ''مقابلہ میں کون آتا ہے؟''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُٹھ کر کہا: ''میں''

لیکن پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا۔ آپ کے روکنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھ تو گئے۔ مگر کسی دوسرے کی ہمت نہ ہوئی۔ عمَرو نے دوبارہ پکارا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر بولے: ''میں۔''

تیسری بار بھی یہی ہوا۔ اس وقت پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ عمَرو ہے۔ کچھ خبر بھی ہے؟''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''ہاں میں خوب جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے۔''

چنانچہ آپ نے اجازت دے دی۔ اور خود ہی مبارک ہاتھوں سے تلوار عنایت کی اور سر پر عمامہ باندھا۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ عمَرو کے مقابلہ میں تھے۔ عمَرو ہنسا اور بولا: ''کیوں بھتیجے! میرا تو دل چاہتا نہیں، کہ تمھیں ماروں!''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''لیکن میرا تو دل چاہتا ہے۔''

اب کیا تھا۔ عمَرو نے غصہ سے بے تاب ہو کر پوری طاقت سے تلوار کا وار کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے ڈھال پر روک لیا۔ اور پھر خود بڑھ کر وار کیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ عمَرو اب خاک و خون میں لتھڑا پڑا تھا۔ مسلمانوں نے اسی وقت اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اور فتح کا اعلان ہو گیا۔ کچھ دیر عمَرو کے ساتھیوں نے بھی مقابلہ کیا۔ لیکن پھر سب بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس حملہ میں دشمنوں کو ناکامی تو ہوئی۔ لیکن خندق کو پار کر لینا اُن کے لیے کم خوشی کی چیز نہ تھی۔ چنانچہ اب بہتوں کے حوصلے بڑھے اور دوسرے بہادروں نے بھی جان پر کھیلنے کا فیصلہ کیا، اور خندق کے اس پار جا کر مسلمانوں سے مقابلہ کرنا چاہا۔ سورج ڈوب چکا تھا، اور تاریکی پھیل چکی تھی۔ اسی وقت دشمنوں کا ایک دستہ خندق کی طرف بڑھا۔ آگے آگے نامی بہادر نوفل تھا۔ خندق میں پہنچ کر نوفل نے گھوڑا کودایا کہ اس پار ہو جائے مگر گھوڑا خندق میں گرا اور نوفل کا سر پس کر رہ گیا۔ یہ عبرت ناک انجام سامنے تھے۔ لہٰذا اب ساتھیوں کو کہاں ہمت ہو سکتی تھی۔ اُلٹے پاؤں وہ واپس گئے۔

ابوسفیان کو اطلاع ہوئی تو اس نے مسلمانوں کے پاس کہلایا کہ نوفل کی لاش واپس کر دی جائے۔ بدلہ میں خون بہا (سو اونٹ) ملے گا۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

''اُٹھا لے جاؤ اسے۔ ہمیں اس کا خون بہا نہیں چاہیے۔

اس کی لاش بھی پلید ہے۔ اس کا خون بہا بھی پلید ہے۔''

www.quranurdu.com

چنانچہ مشرکوں نے اپنی لاش اٹھائی اور واپس چلے گئے۔ لیکن اب بھی وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئے۔ اور دن رات خندق پار کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس کے لیے باقاعدہ انھوں نے ٹولیاں بنائیں۔ خندق پر برابر منڈلاتی رہتیں اور جہاں ایک ٹولی واپس جاتی، دوسری ٹولی آ پہنچتی۔

کئی راتیں مسلمانوں پر ایسی گزریں کہ خدا کی پناہ! گھروں میں عورتیں بے کل تھیں۔ بچے بے چینی میں تڑپ رہے تھے۔ اُف! ذرا سوچو تو سہی ان جاں نثاروں پر کیا بیتی ہو گی، جو بالکل خطرات کے نرغے میں تھے۔ لگاتار تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی، اور موت انھیں دبوچ لینے کے لیے بے تاب کھڑی تھی۔

وقت بڑا ہی نازک تھا۔ عرب کی ساری طاقتیں ایک ہو گئیں تھیں۔ اور حق کو مٹا دینے کے لیے اپنا سارا زور صرف کر رہی تھیں۔ ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھروسہ صرف خدا پر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل یکسو ہو کر خدا سے گڑگڑاتے ہاتھ پھیلا پھیلا کر مدد کے لیے دعائیں کرتے۔ صبر و ہمت کی بھیک مانگتے اور اسلام کو غالب کرنے کی درخواست کرتے۔

سروں پر موت منڈلا رہی تھی۔ دشمن تاک میں تھے کہ مسلمان ذرا بھی غافل ہوں، اور وہ بے تحاشا ٹوٹ پڑیں۔ ایسے بُرے وقت میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی لڑائی میں بہادرانہ حصہ لے رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے مختلف حصوں پر فوجیں تقسیم کر دی تھیں۔ جو دشمن کے حملوں کا مقابلہ کرتیں۔ ایک حصہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں تھا۔ آپ دشمن کو تیروں سے روک رہے تھے، اور ذرا بھی ہٹ کر دم نہ لیتے تھے اور اگر کوئی ضرورت پیش آ جاتی اور وہاں سے ہٹنا پڑتا، تو اپنی جگہ کسی دوسرے کو کھڑا کر دیتے۔ پھر جوں ہی ضرورت پوری ہو جاتی، فوراً آ کر دوبارہ اپنی جگہ سنبھال لیتے۔ اس طرح ایک طرف تو آپ ساتھیوں کی ڈھارس بندھا رہے تھے اور دوسری طرف بلند تین انسانیت کا نمونہ بھی پیش فرما رہے تھے۔

لڑائی کا آخری دن بڑا ہی سخت گزرا۔ تمام دن زوروں کا مقابلہ رہا۔ دشمن کے ماہر تیر انداز خندق کو گھیرے ہوئے تھے۔ اور بے تکان تیر پتھر برسا رہے تھے۔ مسلمان تھک کر چور چور تھے۔ بھوک پیاس سے بھی بدحال تھے۔ لیکن اپنی جگہوں پر پہاڑ کی طرح اٹل تھے۔ اور ذرا بھی پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتے تھے۔

اس لڑائی میں مسلمانوں کا جانی نقصان بہت کم ہوا۔ البتہ انصار کا سب سے بڑا بازو ٹوٹ گیا۔ حضرت سعد بن معاذ جو اَوس کے سردار تھے، بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے کہ ایک دشمن نے موقع پا کر ان کے ہاتھ پر تیر مارا۔ تیر کچھ اس طرح لگا کہ ہاتھ کی ایک رگ کٹ گئی۔ اور خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ اس وقت حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی، اور خدا سے التجا کی۔ اللہ! اللہ!! وہ التجا بھی کتنی پیاری تھی:

"اے اللہ! اگر قریش سے ابھی جنگ ہونی باقی ہے، تو مجھ کو زندہ رکھ۔ جس قوم نے تیرے رسول کو جھٹلایا ہے اور ان کو گھر سے بے گھر کیا ہے اس قوم سے زیادہ کسی سے لڑنے کی مجھے تمنا نہیں لیکن اگر اس سے اب جنگ نہ ہونی ہو، تو مجھ کو اسی (زخم) میں شہادت دے، اور جب تک میری آنکھیں بنی قریظہ سے نہ ٹھنڈی ہو لیں، مجھ کو موت نہ دے۔"

خدا کی رحمتیں ہوں سعد رضی اللہ عنہ پر۔۔۔! اور بُرا ہو بنی قریظہ کے یہودیوں کا جنھوں نے غداری کی اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے وفائی کی۔۔۔! اگر وہ بے وفائی نہ کرتے اور وقت پر دھوکہ نہ دیتے، تو اتنی خطرناک صورت کبھی نہ ہوتی۔

www.uranurdu.com

مسلمان سخت بے چین تھے۔ اور خوف سے بالکل بدحال تھے آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ اور کلیجے منہ کو آگئے تھے۔ ادھر منافق غصہ سے تلملا رہے تھے۔ اور ہونٹ چبا چبا کر کہہ رہے تھے:

''اللہ اور اس کے رسول نے تو ہم کو دھوکا دیا ہے!!''

ہر طرف مایوسی پھیلی ہوئی تھی، اور پوری فضا اُداس اُداس تھی کہ ایسے میں دیکھا گیا، پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا ہے۔ اور آنکھوں میں عجیب و غریب چمک ہے۔ جو بے انتہا اطمینان کا پتہ دے رہی ہے۔ ایسا لگ رہا ہے۔ جیسے فتح کا فرشتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو۔

مسلمانوں نے یہ دیکھا، تو ان کے سارے غم دھل گئے اور خوشی سے وہ کھل اُٹھے چنانچہ اب وہ فکر مند اور اُداس نہ تھے، بلکہ مطمئن اور بے غم تھے۔ ان کے چہرے دمک رہے تھے اور ہونٹ مسکرا رہے تھے کہ اب خدا کی رحمت کو جوش آگیا۔ اور اس کی مدد کا وقت آن پہنچا۔

=================

نُعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے لوٹے تو برابر سوچتے رہے کہ کیا کریں؟ کس طرح دشمن کی طاقت کو کم کریں؟ اور کس طرح ان کی ناپاک تمناؤں کا خون کریں؟ وہ سوچتے رہے، سوچتے رہے۔ یہاں تک کہ عقل نے فیصلہ دیا:

''دشمن کو ناکام کرنا چاہتے ہو، تو ان میں پھوٹ ڈال دو کہ اس سے بہتر اور کوئی ترکیب نہیں۔''

چنانچہ نعیم فوراً اُٹھے اور بنی قریظہ کی طرف تیزی سے چل دیے۔ بنو قریظہ میں چونکہ ان کی چونکہ پہلے سے مان دان تھی، اور وہاں کے یہودی ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ان کی باتیں بڑے شوق سے سنتے اور ان کی صحبت کو اپنے لیے نعمت سمجھتے تھے، اس لیے نعیم وہاں پہنچے تو لوگ بہت تپاک سے ملے اور ان کو بڑی عزت سے بٹھایا۔ پھر سارے یہودی سردار نعیم کے پاس اکٹھا ہوئے اور ان کی باتوں کا لطف لینے لگے۔ نعیم کچھ دیر تو اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر اپنی بات پر آئے اور بولے:

''میرے دوستو! تمھیں معلوم ہے کہ مجھے اس قبیلہ سے کتنا لگاؤ ہے اور خاص کر تم لوگوں سے کتنی محبت ہے۔''

سب بول اُٹھے:

''ہاں، ہاں، تم سے تو ہم خوب واقف ہیں۔''

نُعیم نے کہا: تم لوگوں نے محمد سے معاہدہ توڑ دیا اور قریش و غطفان کے ساتھ ہو گئے، لیکن کچھ انجام بھی سوچا! اگر جیت ہو گئی تو اس سے اچھی بات کیا ہے، لیکن اگر ہار گئے تو؟ اس وقت کیا بنے گا؟ وہ لوگ تو اپنا اپنا راستہ لیں گے۔ اور تم یہاں بالکل تنہا رہ جاؤ گے۔ پھر تو محمد کو اکیلے تم ہی سے نمٹنا رہے گا۔ اب خود سوچ لو کہ اس وقت تم کتنے بُرے پھنسو گے۔ بنی قینقاع اور بنی نضیر سے بھی زیادہ بُری گت بنے گی تمہاری۔''

لوگوں نے بڑی بے تابی سے پوچھا: ''تو پھر کیا کیا جائے بھائی نعیم!''

نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا:

''بھائیو! میرا تو خیال ہے کہ پہلے تم ان کے کچھ آدمی رہن لو۔ اس کے بعد ان کا ساتھ دو۔ پھر آدمی بھی اونچے گھرانے کے ہوں۔ اس طرح تمھیں اطمینان رہے گا، اور وہ لوگ بھی جب تک محمد کو مار نہ لیں گے، واپس ہونے کا نام نہ لیں گے۔''

یہ سنتے ہی لوگ خوشی سے اُچھل پڑے کہ واہ بھائی نعیم! تمہاری رائے تو بہت عمدہ ہے۔ ہم ایسا ہی کریں گے۔ نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اچھا، اب میں چل رہا ہوں۔ لیکن دیکھو، یہ باتیں کسی اور سے کہنے کی نہیں۔

لوگوں نے کہا: ''نہیں، نہیں بھائی نعیم! تم اطمینان رکھو، ہم کسی اور سے کیوں کہنے لگے۔''

اس کے بعد نعیم تو وہاں سے روانہ ہو گئے۔ لیکن وہ لوگ دیر تک نعیم کی تعریف کرتے رہے کہ نعیم نے کتنے پتہ کی بات بتائی ہے اور پھر وہ بے چارے ہمارا کتنا خیال رکھتے ہیں!

اس کے بعد نعیم رضی اللہ عنہ ابو سفیان کے پاس پہنچے۔ وہاں قریش کے دوسرے سردار بھی موجود تھے۔ نعیم نے کہا:

''بھائیو! تمھیں معلوم ہی ہے کہ مجھ کو تم سے کتنی محبت ہے۔ مجھے ایک بات معلوم ہوئی ہے۔ جس سے تم کو بھی آگاہ کر دینا میں ضروری سمجھتا ہوں تاکہ تم لوگ چوکنے ہو جاؤ۔''

یہ سنتے ہی سب لوگ بے تاب ہو گئے کہ بھائی نعیم رضی اللہ عنہ! وہ کیا بات ہے؟

نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا:

''مجھ کو پتہ چلا ہے کہ بنو قریظہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ توڑ کر پچھتا رہے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے محمد سے درخواست کی ہے کہ ہم سے راضی ہو جایئے۔ ہم آپ کو قریش و غطفان کے کچھ آدمی دیں گے۔ وہ آدمی بھی ایسے ویسے نہ ہوں گے اونچے گھرانوں کے ہوں گے۔ آپ ان کو قتل کر دیجیے گا۔ تو دیکھو بھائیو! ہوشیار رہنا۔ اگر وہ کسی حیلہ سے آدمی مانگیں، تو بھول کر مت دینا۔''

یہ کہہ کر نعیم چل دیے۔ چلتے وقت قریشی سرداروں نے بھی ان کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ پھر وہاں سے نعیم غطفان کے پاس پہنچے اور یہاں بھی وہی باتیں کیں جو قریش سے کر آئے تھے۔

نعیم کی باتوں سے قریش و غطفان کے لوگ بہت پریشان ہوئے چنانچہ سارے سردار اکٹھا ہوئے اور سوچنے لگے کہ:

''بنو قریظہ کے بارے میں کیا کیا جائے؟''

اس موقع پر لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ مگر آخر میں طے ہوا کہ دونوں قبیلوں کے کچھ سردار جائیں اور اُن سے کہیں:

''بھائیو! ہمیں بہت دن ہو گئے۔ اس سے زیادہ ٹھہرنا ہمارے بس میں نہیں۔ لہٰذا اب فیصلہ ہو جانا چاہیے۔ جتنی جلد ہو سکے تم لوگ بھی آکر مل جاؤ اور سب مل کر ایک ساتھ زبردست حملہ کر دیں۔''

اس طرح قریش و غطفان کا وفد قریظہ کے پاس پہنچا اور ان سے یہ باتیں کہیں۔ قریظہ نے کہا:

''کل تو سنیچر ہے اور سنیچر کے دن ہم لڑائی بھڑائی کر نہیں سکتے۔ لہٰذا کوئی دوسرا دن رکھ لو، ہاں ایک بات اور ہے۔ ہم تمہارا اسی وقت ساتھ دیں گے، جب تم ہمارے پاس کچھ آدمی رہن رکھو۔ تاکہ ہمیں اطمینان تو رہے، کہ اگر محمد کا پلہ بھاری ہوا، تو ہم کو چھوڑ کر بھاگو گے نہیں۔

www.quranurdu.com

قریش وغطفان کو اب نعیم کی بات میں ذرا بھی شبہ نہ رہا۔ انھیں یقین ہو گیا کہ قریظہ کی نیت سچ مچ خراب ہے۔ ادھر ان لوگوں نے آدمی رہن رکھنے سے انکار کیا۔ تو قریظہ کو بھی نعیم کی بات میں شک نہ رہا۔ اس طرح دونوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور اتنی بڑی طاقت سے دشمن محروم ہو گئے۔

==========

جوں جوں دن گزر رہ تھے، دشمن ہمت ہارتے جا رہے تھے دس ہزار فوجیوں کو کھانا پہنچانا آسان کام نہ تھا۔ پھر ان میں پھوٹ بھی پڑتی جا رہی تھی۔ اور تیزی سے ان کا میل ملاپ ختم ہو رہا تھا۔ سردی کا موسم بھی تھا۔ کھلے میدان میں ان کے جسم کٹے جا رہے تھے۔ خدا کا کرنا، انہی دنوں ایک رات تیز آندھی اُٹھی اور زوروں کی بارش شروع ہوئی۔ اس طرح کچھ ہی دیر میں موسم بالکل بدل گیا۔ بادل کی گرج، بجلی کی کڑک، اور زن، زن ہواؤں کے تیز جھونکے۔۔۔ دشمنوں کے کلیجے پھٹے جا رہے تھے۔ چنانچہ وہ بے تحاشا اپنے خیموں کی طرف بھاگے لیکن ہواؤں کو ذرا بھی رحم نہ آیا۔ وہ تیز ہوتی گئیں اور ان کی خوفناکی بڑھتی ہی گئی۔ یہاں تک کہ خیموں کی رسیاں اکھڑ اکھڑ گئیں۔ سارے سامان بکھر بکھر گئے اور کھانے کی دیگیں چولہوں پر اُلٹ اُلٹ گئیں۔ پھر ہوائیں بھی تنہا نہ تھیں۔ ساتھ میں ریت اور کنکریوں کا عذاب بھی تھا۔ اس طرح دشمنوں کی آنکھیں پٹ گئیں۔ اور ان کے دل کپکپا اُٹھے۔ بالآخر وہ بدحواس ہو کر چیخنے لگے:

''ہائے تباہی۔۔۔ ہائے بربادی!!''

ایسے میں ابوسفیان کی آواز کانوں سے ٹکرائی:

''قریشی بھائیو! بخدا اب یہ ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ دیکھو سارے اونٹ گھوڑے تباہ ہو گئے۔ قریظہ نے بھی دھوکہ دیا۔ موسم کا یہ حال ہے۔ چلو، اب یہاں سے بھاگ چلو اچھا میں تو چلا۔''

ابوسفیان جلدی سے اپنی اونٹنی پر بیٹھا اور چل دیا۔ سردار کے بعد اب کون ٹک سکتا تھا۔ قریش کے سارے لوگ روانہ ہو گئے۔ یہ دیکھ کر غطفان بھی مجبوراً واپس گئے۔ اس طرح مدینہ کا اُفق بیس بائیس دن غبار آلودرہ کر صاف ہو گیا۔

سنیچر کا دن آ گیا۔ ہو سکتا تھا کہ یہی دن دشمنوں کے زبردست حملہ کا دن ہوتا۔ مگر دیکھا گیا، تو وہ جگہ بالکل ویران وسنسان تھی۔ اور ہواؤں نے ان کا ذرا بھی نشان نہ چھوڑا تھا۔

وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ (الاحزاب:25)

''اور خدا نے کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا لوٹا دیا۔ ان کے ہاتھ کچھ بھی نہ آیا، اور مسلمانوں کو لڑنے کی نوبت نہ آنے دی۔''

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اب مدینہ واپس ہوئے۔ اسی موقع پر آپ نے ساتھیوں سے یہ بھی فرمایا:

''اب قریش تم سے لڑنے نہ آئیں گے۔ اب تم ان سے لڑنے جاؤ گے۔''

پھر دوسرے ہی دن آپ کی طرف سے اعلان ہوا:

''سب لوگ عصر کی نماز بنی قریظہ میں چل کر پڑھیں۔''

www.quranurdu.com

مسلمان تھک کے چور تھے۔ لیکن تکان کی انھوں نے کوئی پرواہ نہ کی اور حکم پاتے ہی وہ بنی قریظہ کی طرف چل پڑے۔ وہ خوشی سے بے تاب تھے۔ ان کے دل بلیوں اُچھل رہے تھے۔ کیونکہ وہ بنو قریظہ سے بدلہ لینے جارہے تھے۔ وہی بنو قریظہ جنھوں نے دشمنوں کا ساتھ دیا تھا اور اس طرح انھیں مٹا دینے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

مسلمان وہاں پہنچے، تو وہ قلعے بند ہو گئے۔ مسلمان بھی ایک ماہ تک ان کا گھیرا ڈالے پڑے رہے۔ بالآخر وہ تنگ آ گئے اور ان کی جان پر بن آئی۔ بے بس ہو کر انھوں نے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے، کعب جو اُن کا سردار تھا۔ بولا:

''اب نجات کی صورت بس یہی ہے کہ ہم مسلمان ہو جائیں اور محمد کی اطاعت قبول کر لیں۔ اس طرح جان و مال کا کوئی خطرہ نہ رہے گا اور ہم امن سے رہیں گے۔''

لوگوں نے اس کی پُر زور مخالفت کی۔ بولے: ''توریت ہم کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔ ہر چیز ممکن ہے مگر یہ ممکن نہیں۔''

کعب نے کہا: ''تو ہم بیوی بچوں کو مار ڈالیں اور پھر تلوار لے کر باہر نکلیں اور مسلمانوں سے جنگ کریں۔ اگر ہم سب مارے گئے، تو کوئی غم نہیں اور اگر جیت گئے، تو دوسری بیویاں کر لیں گے۔ کچھ ہی دنوں میں پھر لڑکے بچے ہو جائیں گے۔''

یہودی اس پر بھی تیار نہ ہوئے۔ سب نے کہا: ''ان بے چاروں کو قتل کر دیں! پھر جینے کا مزہ ہی کیا رہ جائے گا۔''

اس طرح مختلف رائیں سامنے آئیں۔ پھر آخر میں طے ہوا:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جائے کہ وہ ہم کو شام کی طرف چلے جانے کی اجازت دے دیں۔ بنی قینقاع اور بنی نضیر کے ساتھ تو ایسا ہی ہوا تھا۔''

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس پر راضی نہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قبیلہ اوس تمہارا حلیف ہے۔ اس میں کسی ایک کو پسند کر لو، بس وہی تمہارا فیصلہ کرے گا اور جو وہ کہہ دے گا۔ اس کو ہم بھی مانیں گے، اور تم کو بھی ماننا ہو گا۔''

چنانچہ وہ اس پر تیار ہو گئے اور بد قسمتی سے ان کی نظر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ پر پڑی۔

اس طرح سعد رضی اللہ عنہ نے ان کا فیصلہ کیا۔۔۔! وہ یہ تھا:

''جو لڑنے کے قابل ہیں۔ وہ قتل کر دیے جائیں۔ عورتیں اور بچے قید کر لیے جائیں اور مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ سنا تو فرمایا: ''سعد رضی اللہ عنہ! یہی فیصلہ خدا کا بھی ہے۔''

چنانچہ مدینہ میں گڑھے کھود گئے۔ پھر تھوڑے تھوڑے یہودی وہاں لے جائے گئے اور ان کی گردنیں مار دی گئیں۔ پھر انھی گڑھوں میں وہ ڈال دیے گئے۔ سب سے پہلے جس کی گردن ماری گئی۔ وہ حیی تھا۔

اس طرح حضرت سعد بن معاذ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں اور بنو قریظہ کا برا انجام انھوں نے دیکھ لیا۔ پھر وہ زیادہ نہ ٹھہرے اور اسی زخم سے ان کو شہادت نصیب ہو گئی۔

==========

www.quranurdu.com

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

اور بت ٹوٹ گئے

www.quranurdu.com

- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب
- اسلامی قافلہ مکہ کی طرف
- قریش میں جوش واشتعال
- مسلمان حدیبیہ کے میدان میں
- دربارِ رسالت میں قریش کا وفد
- قبائلی سردار آبدیدہ ہوگیا
- مسلمانوں پر شبخون مارنے کی سازش
- قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کی افواہ
- بیعتِ رضوان
- صلح حدیبیہ
- قریش کا سپہ سالار (خالد بن ولید رضی اللہ عنہ) اور عرب کا ''دماغ'' (عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) اسلام کی آغوش میں
- اسلام کی روز افزوں ترقی
- قریش کی عہد شکنی
- لشکر اسلام گہوارہ اسلام میں

مکہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن تھا۔ پورا گھرانہ وہیں آباد تھا اور اس کا ذرّہ ذرّہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھا۔ اس لیے وہاں سے جانا پڑا، تو آپ کو بہت دکھ ہوا۔ اور بے اختیار آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ لیکن جلد ہی دن پلٹ آئے اور زمانہ نے دیکھا کہ آپ پھر اسی شہر میں داخل ہوئے۔ البتہ پہلے آپ مظلوم و بے بس تھے اور آج فتح کا جھنڈا ہاتھ میں تھا۔ خدا کو منظور ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر لوٹیں اور وہاں سے بتوں کو نکال باہر کریں۔ نیز مرکز ایمان کو پھر نورِ ایمان سے جگمگا دیں۔ پیارے وطن میں پہنچ کر آپ کو کتنی خوشی ہوئی؟ اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟

ہجرت کو کوئی برس گزر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہی میں رہتے رہے۔ مسلمانوں کے ساتھ اپنا کام کرتے رہے۔ اور لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے رہے۔ اسی دوران قریش سے آپ کی جنگیں بھی ہوئیں۔

ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ مکہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اور اِرد گرد مخلص ساتھی بھی ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش خوش اُٹھے۔ فجر کا وقت قریب تھا۔ مسجد گئے اور ساتھیوں کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ معمول تھا کہ فجر بعد آپ روز ساتھیوں میں بیٹھتے۔ اور ان سے کچھ دیر باتیں کرتے۔ چنانچہ آج بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے اور ان کو اپنا خواب سنایا۔ پھر فرمایا:

''ان شاءاللہ خانہ کعبہ میں تم ضرور داخل ہو گے۔ اور اس وقت تمھیں کوئی خطرہ نہ ہو گا۔''

مکہ مسلمانوں کا محبوب وطن تھا۔ مگر وہاں سے وہ زبردستی نکال دیے گئے تھے۔ اس کا ان کو بڑا رنج تھا۔ اور اس کی یاد ایک پھانس تھی جو ہر وقت کلیجے میں کھٹکتی رہتی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مکہ میں کس قدر ستائے گئے! لیکن جب ان کو مکہ یاد آتا تو رونے لگتے۔ اکثر مہاجرین جان بچا بچا کر خود تو مکہ سے نکل آئے تھے۔ لیکن خاندان اور بال بچے وہیں تھے۔

یہی وجہ ہے کہ زبان مبارک سے یہ خوشخبری سن کر انھیں بڑی خوشی ہوئی۔ چنانچہ وہ گھروں پر گئے اور سفر کی تیاریوں پر لگ گئے۔ کعبہ سے انھیں بے انتہا محبت تھی۔ لہٰذا وہاں کے لیے انھوں نے قربانی کا بھی انتظام کیا۔

ہجرت کا چھٹا سال تھا اور ذیقعدہ کا مہینہ۔ مسلمان چٹ پٹ تیار ہو کر مدینہ سے روانہ ہو گئے۔ اور خانہ کعبہ کے لیے بے تابی سے بڑھنے لگے۔ البتہ جو منافق تھے، انھوں نے جانے سے ٹال مٹول کیا اور بہانہ کرتے ہوئے کہا:

''ہمیں تو کاروبار نے پھنسا رکھا ہے۔ بھلا ہم کیسے جا سکتے ہیں؟''

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان پر کوئی زور نہ ڈالا۔ لہٰذا اب انھیں مسلمانوں کو ورغلانے کا موقع ملا۔ چنانچہ جو کمزور مسلمان تھے، ان کے پاس وہ پہنچے۔ اور کہا:

''قریشی سرداروں کے زندہ رہتے ہوئے تم لوگ مکہ میں کیسے جاؤ گے؟''

مسلمانوں نے کہا:

www.quranurdu.com

''رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم قریش سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں۔''

منافقوں نے کہا:

''تمہاری عقل ماری گئی ہے۔ذرا بچ کر لوٹ آنا۔تب دیکھیں گے۔''

منافقوں کی یہ باتیں سارے مسلمانوں میں پھیل گئیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو جوش سے بے قابو ہو گئے اور عرض کیا:

''اللہ کے رسول! ان بدبختوں کی گردن مار دی جائے۔''

مگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس پر راضی نہ ہوئے اور اِن کو ویسے ہی چھوڑ دیا۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں کو کوچ کا حکم دیا۔چنانچہ مسلمان مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔روانہ ہوتے وقت ان کی کل تعداد چودہ سو تھی۔

مسلمان چلتے چلتے عُسفَان پہنچے اور وہاں پہنچ کر ٹھہر گئے۔پھر اپنے خیمے لگائے۔جانوروں کو باندھا۔اور آگ جلائی کہ کھانا پکائیں۔ اتنے میں انھیں دُور سے گرد اُڑتی دکھائی دی۔کوئی سوار تھا جو تیزی سے گھوڑا دوڑاتا چلا آرہا تھا۔ان سب کی نگاہیں اسی پر جم گئیں، اس لیے کہ وہ مکہ سے آرہا تھا۔اور مکہ کی خبروں کا انھیں بے حد انتظار تھا۔

کچھ ہی دیر گزری تھی، کہ سوار اب مسلمانوں کے درمیان تھا۔وہ بنی خزاعہ کا ایک آدمی تھا۔جس کا نام بشر بن سفیان۔وہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔اور عرض کیا:

''قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر کی خبر ہو گئی ہے۔وہ بہت ہی غصہ میں ہیں۔اور جوش سے بے قابو ہیں۔چنانچہ خالد بن ولید سواروں کا ایک بہت بھاری دستہ لے کر مکہ کے قریب ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاک میں ہے۔کہ آپ پہنچیں اور سب اچانک ٹوٹ پڑیں۔''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص کی باتوں پر پورا یقین ہو گیا۔اور اس خبر کے صحیح ہونے میں آپ کو ذرا بھی شبہ نہ رہا۔کیونکہ بشر خزاعہ کے سرداروں میں تھا۔اور خزاعہ قریش کے دشمن تھے۔پھر مسلمانوں سے ان کے اچھے تعلقات بھی تھے۔غرض بشر کی باتیں سن کر آپ کو بہت تکلیف ہوئی اور انتہائی درد کے ساتھ آپ نے فرمایا:

''افسوس ہے قریش پر! آئے دن کی جنگ انھیں کھا گئی! کیا نقصان تھا، اگر وہ مجھے عرب پر چھوڑ دیتے۔اگر میرے اوپر اُن کا بس چل جاتا تو ان کا مقصد حاصل تھا۔اور اگر میں غالب رہتا، تو یہ سب کے سب اسلام میں آجاتے۔''

بخدا میں جو چیز لے کر آیا ہوں، اس کے لیے لڑتا رہوں گا۔یہاں تک کہ اللہ اسے غالب کر دے۔

اے میری قوم! قریش تم سے لڑنے نکلے ہیں۔اب اگر ہم اسی راستہ پر چلتے رہے۔تو ان سے ضرور ٹکر ہو جائے گی۔اور بڑا خون خرابہ ہو گا۔جو ہم چاہتے نہیں۔ہے کوئی جو کسی دوسرے راستے سے ہمیں لے چلے؟''

قبیلۂ اسلم کا ایک شخص آگے بڑھا۔جو صحرائی راستوں سے خوب واقف تھا۔اس نے عرض کیا:

'' میں، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''تب تم آگے بڑھو۔ہم تمہارے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔''

www.quranurdu.com

چنانچہ اس آدمی نے آپ کی اونٹنی کی نکیل پکڑی۔ اور قریش کے راستہ سے کترا کر چلا۔ چونکہ یہ راستہ پہاڑوں سے ہو کر گزرتا تھا۔ اس لیے بہت ہی کٹھن اور دشوار گزار تھا۔ خیر، نہ جانے کن کن مصیبتوں سے آپ حدیبیہ [1] پہنچ گئے۔ اور وہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی۔

لوگوں نے بہت کوشش کی کہ وہ اُٹھ جائے۔ اور پھر چلنے لگے لیکن اُونٹنی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے کوئی تکلیف پہنچ گئی ہو۔ یا کسی نے اسے باندھ دیا ہو۔

خیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو کسی دوسرے اُونٹنی پر بیٹھ سکتے تھے۔ مکہ اب بالکل نزدیک تھا۔ وہاں تک پیدل بھی جا سکتے تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے اونٹنی کے یہاں بیٹھ جانے میں کوئی بھید ضرور ہے، جس سے میں بے خبر ہوں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے وحی کا انتظار کرنے لگے۔

اب آپ کو وحی کا انتظار کرنا تھا، اس لیے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حُدَیبیہ کے میدان میں ہی خیمے گاڑ دینے کا حکم دیا۔ حکم پاتے ہی لوگوں نے وہیں پر ڈیرے ڈال دیے۔ لیکن خوشی سے دمکتے ہوئے چہرے اب بجھے بجھے سے تھے۔ سب حیران تھے کہ ماجرا کیا ہے؟ ہر ایک دوسرے سے پوچھتا:

"کیوں بھائی! یہاں کیوں رک گئے؟ اب تو مکہ کے دروازہ پر آ ہی گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مکہ میں داخل ہونے کا وعدہ کیا تھا۔ اور کعبہ کی زیارت کی خوشخبری سنائی تھی۔ پھر اب یہ کیا ہو گیا؟

غرض اس وقت مسلمانوں کی امیدوں کو بہت سخت دھچکا لگا۔ لیکن اب بھی وہ خدا کی رحمت سے مایوس نہ تھے۔

اِدھر مکہ میں کافر بدحواس تھے۔ اُن کی بے چینی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اب انھیں جو کچھ امید تھی، خالد سے تھی۔ ان کا خیال تھا کہ خالد حملہ میں کامیاب ہو جائیں، تب ہی جان بچ سکتی ہے۔ آبرو بھی اسی وقت باقی رہ سکتی ہے۔ ورنہ پھر تباہی ہے۔ ہمیشہ کی بے عزتی اور رسوائی ہے۔

یہ لو، خالد تو لوٹ آئے۔ کہہ رہے ہیں کہ محمد حُدَیبیہ میں ٹھہر گئے۔ حملہ کا پورا خاکہ خاک میں مل گیا۔ ساری اسکیم فیل ہو گئی۔ اب وہ کیا کریں؟

مُحمّد صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔۔۔ جن کو انھوں نے اپنے یہاں سے نکال دیا تھا، آج دوبارہ لوٹ آئے۔ اس وقت وہ تنہا اور بے سہارا بھی نہیں۔ جاں نثاروں کی ایک فوج ہے، جو اُن پر نثار ہونے کے لیے بے قرار ہے۔ پھر انھوں نے اُحد میں مسلمانوں کو بظاہر کچھ ناکام تو کر دیا تھا۔ لیکن ان کی بہادری کا لوہا بھی مان لیا تھا۔ اور انھیں اندازہ ہو گیا تھا کہ مسلمان جان تو دے سکتے ہیں، مگر اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتے، کہ مذہب ان کو جان سے بھی پیارا ہے۔

چنانچہ قریشی سردار پھر دار الندوہ میں جمع ہوئے۔ مگر ہر ایک اُداس اُداس تھا۔ اور ہر ایک کے چہرے پر فکر و تشویش کا غبار تھا۔

مسلمان اگر مکہ میں گھس آئے، تو قریش کی دھاک اُکھڑ جائے گی۔ اور دوسروں کی نگاہ میں ان کا وزن گھٹ جائے گا۔ یہ سوچ کر ان کی غیرت کو اُبال آیا۔ اور انھوں نے قسم کھائی:

---

[1] مکہ سے قریب ہی، تقریباً ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنواں ہے۔ جس کو حُدَیبیہ کہتے ہیں۔ گاؤں بھی اسی کنویں کے نام سے مشہور ہو گیا۔

www.quranurdu.com

''جب تک جان میں جان ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں قدم رکھنا ناممکن ہے۔''

مگر پھر سب سر جوڑ کر بیٹھے۔ اور آپس میں مشورہ کرنے لگے، کہ کیا، کیا جائے؟ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے باہر سے ہمیں دھمکی دے رہا ہے۔ قریش میں بھی اس کی بہت سے یار و مددگار ہیں۔ جو اس کو سچا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے ہیں۔ اور یہ تو ہمارے لیے آستین کے سانپ ہیں۔ اگر مسلمانوں سے جنگ چھڑ گئی۔ تو دوست بن کر ڈسیں گے۔

ایک بولا:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ہمیں چاہیے کہ اُن سے نرمی سے پیش آئیں اور کسی طرح سمجھا بجھا کر واپس کر دیں۔ اب اگر ان کی نیت خراب ہوئی اور انھوں نے لڑائی کی آگ بھڑکانی ہی چاہی، تو ہم بھاگنے والے کب ہیں۔ جنگ ہی تو ہمارا اصل میدان ہے اور لڑنا بھڑنا ہی تو ہمارا کام ہے۔ اُحد میں ہم نے جو مزہ چکھایا ہے، وہ ابھی انھیں یاد ہو گا۔''

ایک قریشی سردار بولا: ''ہمارے بھائی! تب کیا کیا جائے؟''

اُس آدمی نے کہا: ''میری رائے ہے کہ بنی خزاعہ کے کچھ آدمی بھیج دیے جائیں۔ وہ جا کر پتہ لگائیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے کیا ہیں؟ اور جس طرح ہو سکے وہ انھیں سمجھانے بجھانے کی کوشش کریں۔''

قریشی سردار نے کہا: ''بنی خزاعہ کو بھیجنے میں کیا مصلحت ہے؟ ہمیں تو ان سے غداری کا خطرہ ہے۔ وہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی دوست اور طرفدار ہیں۔''

آدمی بولا: '' اس طرف سے بالکل بے غم رہو۔ مکہ ہی میں ان کی زمینیں اور جائیدادیں ہیں۔ بیوی بچے بھی یہیں ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ غداری کیسے کر سکتے ہیں۔''

معاملہ کا یہ پہلو سامنے آیا تو سب کو یہ رائے بہت پسند آئی۔ اور وفد کے لیے بنی خُزاعہ کے کچھ آدمی چن لیے گئے۔ پھر بُدَیل خُزاعی اُن کا سردار بنا۔ اور یہ لوگ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

وفد پہنچا، تو آپ بہت تپاک سے ملے۔ پھر بُدَیل نے آنے کی غرض بتائی۔

تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مسلمان کعبہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ اُن کے دل میں اس کی عزت اور احترام ہے۔ اگر قریش ہم سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں۔ تو ہم لوگ خاموشی سے طواف و زیارت کر کے لوٹ جائیں گے۔''

چنانچہ وفد لوٹ کر مکہ گیا۔ اور قریش کو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا پھر انھیں آپ کی بات مان لینے کا بھی مشورہ دیا گیا۔

مگر اب خود قریش میں اختلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ لوگوں نے تو کہا کہ:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لی جائے اور طواف و زیارت کے لیے راستہ کھول دیا جائے۔''

مگر کچھ لوگوں نے پُر زور مخالفت کی۔

قریشی سردار نے کہا: ''کیا تمھیں گوارا ہے کہ دشمن تمہاری سرزمین روند کر چلے جائیں۔ پھر ہمیشہ کے لیے ماتھے پر بدنامی کا ٹیکہ لگ جائے گا؟''

www.quranurdu.com

پھر کیا کیا جائے؟'' سب ایک ساتھ بول اُٹھے۔

قریشی سردار نے کہا: ''میری رائے ہے کہ حُلَیس بن عَلقِمَہ کو بھیج دیا جائے۔ وہ قبائلیوں کا سردار ہے اور قبائلیوں کے رعب وادب کا حال سبھی کو معلوم ہے۔ ہر ایک اُن سے دبتا اور ان کے غصے سے لرزتا اور کانپتا ہے۔ اگر اس سے بات بن گئی۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے گئے، تو ہم کو سکون مل جائے گا۔ اور اتنی بڑی مصیبت سے جان چھوٹ جائے گی۔ اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات ٹھکرادی، تو اُسے جوش آجائے گا۔ اور پھر وہ ہمارے ساتھ ہو جائے گا۔ اور ہماری صفوں میں ہو کر لڑے گا۔''

چنانچہ حُلَیس اپنے مخصوص ساتھیوں کے ساتھ مسلمانوں کی طرف چلا۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا:

''دیکھو، وہ حُلَیس آرہا ہے۔ اس کی قوم قربانی کی بڑی شوقین ہے۔ جانوروں کو اس کی طرف ہنکادو۔ کہ یہ انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ اور اسے یقین ہو جائے کہ ہم طواف وزیارت کے لیے آئے ہیں۔ غارت گری کے لیے نہیں آئے ہیں۔''

چنانچہ مسلمان لبیک کہتے ہوئے اس کے استقبال کو بڑھے۔ اور قربانی کے جانوروں کو اُس کے سامنے ہنکا دیا۔ اس نے دیکھا کہ اونٹوں کا ایک سیلاب آرہا ہے۔ گردنوں میں لوہے کے نعل بھی لگے ہیں۔ اور نعل کو زیادہ دن گزر جانے سے گردن کے اُون بھی جھڑ گئے ہیں۔ ظلم و ناانصافی کا یہ دردناک منظر اس سے نہ دیکھا گیا۔ اور بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ غم و غصہ کا یہ عالم تھا کہ وہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا بھی نہیں۔ بلکہ سیدھے لوٹ کر وہ مکہ گیا۔ اور قریش سے کہا:

''خدا کی قسم! ہم نے تم سے اس بات پر معاہدہ نہیں کیا ہے۔ اللہ کے گھر سے اس کو روک رہے ہو، جو اس کی تعظیم کے لیے آیا ہے!

عرب کے سارے قبیلے تو کعبہ کا حج کریں۔ اور عبدالمطلب کا بیٹا اس سے محروم رہے۔ خاندانی بڑائی میں بھی تو وہ کسی سے کم نہیں!

اگر تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ سے روکا تو جان لو، سارے قبائلیوں کو لے کر میں الگ ہو جاؤں گا۔ اور پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تم سے جنگ کروں گا۔''

قریشی سردار کی تدبیر ناکام ہو کر رہ گئی۔ اس نے سوچا کچھ، اور ہو گیا کچھ، لیکن وہ پھر ایک چال چلا۔ وہ حُلَیس کو مناتے ہوئے بولا:

''بھائی!! یہ ہم لوگوں کا معاملہ ہے۔ اسے ہم پر ہی چھوڑ دو۔ ہم لوگ کوئی ایسی بات طے کر لیں گے، جس میں سب کا بھلا ہو گا۔''

اس پر حُلَیس تیار ہو گیا۔ اور اس نے وعدہ کر لیا کہ ان کے اس معاملہ میں کوئی دخل نہ دے گا۔

اس طرح قریش کو قبائلیوں کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔ اور اب انھوں نے پچاس بہادروں کو بھیجا کہ رات میں مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔

چنانچہ وہ لوگ رات کے اندھیرے میں حُدَیبیہ چلے۔ مگر مسلمانوں کے خیمے تک پہنچے بھی نہ تھے، کہ ہر طرف سے گھر گئے۔ اور اب وہ گرفتار ہو کر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جارہے تھے۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خیمہ سے باہر تشریف لائے۔ دیکھا تو وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ فرمایا:

''اب تمہارے میں کیا چیز روک بن سکتی ہے، جب کہ تم نے ہی شرارت میں پہل بھی کی ہے؟''

دشمنوں نے کہا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بردباری، آپ کی رحمدلی اور مہربانی۔''

www.quranurdu.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے تمھیں معاف کر دیا۔ اب لوٹ کر اپنی قوم میں جاؤ اور ان سے کہو، محمد صلی اللہ علیہ وسلم خون خرابہ کے لیے نہیں آئے، شاید اُن کو ہوش آ جائے۔''

چنانچہ وہ لوٹ کر اپنی قوم میں گئے۔ لیکن پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جو اطمینان دلایا تھا، اس پر انھیں ذرا بھی اطمینان نہ تھا۔ اس کے بر عکس انھیں یقین تھا کہ اب پوری قوم کی شامت آ ئے گی۔ کیونکہ ان کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ اتنا بڑا جرم بھی معاف ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ قریشی سرداروں سے ملیں اور ان سے کوئی بات طے کریں۔ مکہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چچیرے بھائی بھی تھے، جن کا نام تھا اَبان بن سعید۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انھیں کی حمایت میں مکہ گئے۔ وہاں قریش کو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا اور کہا:

''اب دو ہی شکل ہے۔ یا تو طواف کا موقع دو یا جنگ کے لیے ہو جاؤ۔''

قریش نے کہا:

''تم طواف کر لو۔ صرف تمہارے ساتھ ہم یہ رعایت کر سکتے ہیں۔ ورنہ اور مسلمانوں کو تو ویسے ہی واپس جانا ہوگا۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس پر کیسے تیار ہو سکتے تھے۔ انھوں نے کہا:

''یہ تو قیامت تک نہ ہوگا۔ تمھیں سارے مسلمانوں کو طواف کا موقع دینا ہوگا۔''

وہ بولے: ''خیر تمہاری خوشی۔ ہاں، یہ بھی جان لو، کہ اب تم ہمارے قیدی ہو۔ اور اب یہاں سے تم واپس نہیں جا سکتے۔''

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نظر بند ہو گئے۔

نظر بند ہونا تھا کہ سارے مکہ میں چرچا ہو گیا، ''عثمان رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے۔'' یہ افواہ مسلمانوں کے بھی کانوں میں پہنچی۔ چنانچہ وہ جوش سے بے تاب ہو گئے۔ آپ نے فرمایا:

''عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینا فرض ہے۔''

یہ کہہ کر آپ ببول کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ پھرے سارے مسلمانوں نے جان کی بازی لگا دینے کا عہد کیا۔ سب سے پہلے ابو سنان اَسَدی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ اور دستِ مبارک پر بیعت کی۔ پھر ان کے بعد سارے مسلمانوں نے بھی بیعت کی۔ ا ور اب تلواریں بے نیام ہو گئیں۔ اور اعلان ہو گیا کہ سب لوگ جنگ کی تیاری کریں۔

جاں نثاری کی یہ بیعت خدا کو اتنی پسند آئی کہ اس نے قرآن میں بھی اس کی تعریف کی اور اسی لیے یہ بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہوئی۔

=================

مکہ میں کافروں کو بیعت کا حال معلوم ہوا، تو وہ بہت ڈرے۔ سب نے کہا، اب صلح کر لی جائے۔ خیر اسی میں ہے۔ ورنہ بڑی تباہی ہو گی۔ چنانچہ کافروں میں ایک شخص تھا سُہیل بن عمرو۔ یہ سوجھ بوجھ اور ہوشیاری میں مشہور تھا۔ بہت ہی شاندار مقرر بھی تھا۔ لوگوں نے اُسے ''خطیب قریش کا خطاب ہی دیا تھا۔ فوراً انھوں نے صلح کی بات چیت کے لیے اسی کو دوڑایا۔

www.urduru.com

سُہیل آیا تو اس نے دیکھا، مسلمانوں میں دھوم دھام سے جنگ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ بہت گھبرایا۔ چنانچہ لپک کر وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

''عثمان رضی اللہ عنہ زندہ ہیں، قتل نہیں ہوئے ہیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صلح کی غرض سے آیا ہوں۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ اور اُدھر قریش نے بھی قسم کھائی ہے کہ اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ نہیں آنے دیں گے۔ میں کچھ شرطیں لے کر آیا ہوں۔ ان میں ہمارے لیے بھی سلامتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی بہتری ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں مان لیں تو ایک خوفناک جنگ ٹل جائے گی۔ اور اِس طرح نہ جانے کتنی جانیں بچ جائیں گی۔ پھر اتنی بڑی نیک نامی کا سہرا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر بندھ جائے گا۔''

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بولے: ''کیا کیا شرطیں ہیں؟''

سُہیل نے کہا: ''اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کیے بغیر لوٹ جائیں۔ پھر اگلے سال آئیں۔ اور صرف تین دن رَہ کر چلے جائیں۔ اس کے علاوہ تلوار کے سوا کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہو۔ اور تلواریں بھی نیام میں ہوں۔''

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بولے: ''اَور؟''

سُہیل نے کہا: ''قریش کا کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ جائے، تو اسے واپس کر دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی مسلمان مدینہ چھوڑ کر مکہ میں آ جائے گا، تو ہم اُسے واپس نہیں کریں گے۔''

یہ سن کر آپ نے آنکھیں بند کر لیں۔ اور کچھ دیر بالکل خاموش رہے، کہ وحی کے وقت آپ کی یہی حالت ہوتی تھی۔ ادھر مسلمان اس ظالمانہ شرط پر غصہ سے کھول رہے تھے۔ لیکن وہ ضبط کیے رہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا: ''اَور؟''

سُہیل بولا: ''دس سال تک صلح رہے گی۔ ہر ایک امن حاصل ہو گا۔ اور کوئی کسی سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرے گا۔''

رسولِ خدا نے فرمایا: ''اور؟''

سُہیل بولا: ''عرب کا جو قبیلہ جس فریق کے ساتھ چاہے، معاہدہ میں شریک ہو جائے۔''

یہ ہیں قریش کی شرطیں۔ بات بگڑنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوچ لیجیے۔ لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدبیر و حکمت سے بڑی امیدیں ہیں۔

آپ نے یہ شرطیں منظور کر لیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ صلح نامہ لکھیں۔

مسلمانوں نے یہ دیکھا، تو انھیں بہت ناگوار ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سب سے زیادہ اثر ہوا۔ چنانچہ وہ اُٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول نہیں ہیں؟''

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، ہوں''

عمر رضی اللہ عنہ بولے: ''کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟''

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، ہم مسلمان ہیں۔''

www.quranurdu.com

عمر رضی اللہ عنہ بولے: ''کیا وہ مشرک نہیں ہیں؟''

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، اس میں کیا شبہ ہے۔''

عمر رضی اللہ عنہ بولے: ''تو ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟ اس طرح دَب کر کیوں صلح کریں؟''

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمر! میں خدا کا رسول اور بندہ ہوں۔ یہ اسی کا فیصلہ ہے۔ وہ مجھے ہر گز ضائع نہ کرے گا۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر وہ اُٹھ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے بھی یہی گفتگو کی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔ جو کچھ کرتے ہیں، خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔''

اب صلح نامہ تحریر ہونے لگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قلم اُٹھایا۔ اور لکھنا شروع کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لکھو! بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم۔''

سُہیل نے کہا:

''ہم میں بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم۔ لکھنے کا رواج نہیں۔ ہم اس سے ناواقف ہیں۔ بِاسمِکَ اَللّٰھُمَّ لکھا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھنے کا حکم دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لکھو، یہ وہ شرطیں ہیں جن پر اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن عمرو سے صلح کی۔''

سہیل نے فوراً حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا:

''ایسا نہ کیجیے۔ اگر قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ہی مانتے، تو جھگڑا کس بات کا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگرچہ تم نہیں مانتے، لیکن خدا کی قسم! میں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔''

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''لکھو! یہ وہ شرطیں ہیں، جن پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی۔''

پھر صلح کی شرطیں لکھی گئیں۔ اور دونوں طرف کے کچھ آدمیوں نے اس پر دستخط کیے۔[1]

ٹھیک اس وقت جب کہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا۔ ایک شخص بیڑیوں میں گھسٹتا ہوا آیا۔ اور مسلمانوں کے سامنے گر پڑا۔ حالت اس بیچارے کی دیکھی نہ جاتی تھی۔ چہرہ اس شخص کا کیا تھا، مظلوموں کی ایک دلدوز تصویر تھی۔ یہ مظلوم قریش کا آدمی اور سہیل بن عمرو کا بیٹا تھا۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ اس کا نام تھا۔ اس کے لیے مکہ میں جینا دوبھر ہو گیا تھا۔ صرف اس جرم میں کہ وہ مسلمان ہو کر اپنے رب کا ''بندہ'' بن گیا تھا۔ نہ جانے کس طرح وہ گھسٹتا بھاگتا آیا تھا کہ کس طرح قریش سے چھٹکارا مل جائے۔

سہیل نے ابو جندل رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو جیسے اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

'' یہ میرا لڑکا ہے۔ میں اس کا ولی ہوں۔ اگر اسے روک لیا گیا تو معاہدہ کی خلاف ورزی ہو گی۔''

---

[1] یہ معاہدۂ صلح حُدَیبیہ میں لکھا گیا۔ اس لیے صلح حُدَیبیہ کے نام سے مشہور ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابھی معاہدہ لکھا کب گیا؟''

سہیل بولا: ''تو ہم کو صلح بھی منظور نہیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا، انھیں یہیں چھوڑ دو۔''

سہیل بولا: ''یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار کہا، لیکن وہ تیار نہ ہوا اور اپنی ہٹ پر اڑا رہا اس پر آپ کو بہت ملال ہوا۔ چنانچہ کچھ دیر سر مبارک جھکا رہا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جندل کی طرف رخ کیا، اور انتہائی درد بھرے لہجہ میں فرمایا:

''ابو جندل! صبر سے کام لو۔ خدا تمہارے لیے اور دوسرے مظلوموں کے لیے ضرور کوئی رَاہ نکالے گا۔ اب صلح ہو چکی۔ ہم بد عہدی نہیں کر سکتے۔

اب سہیل نے بیٹے کی گردن پکڑی اور گھسیٹتا ہوا چلا۔ ابو جندل مسلمانوں کو پکارتے رہے اور بار بار درد بھری آواز سے کہتے رہے۔

''مسلمانو! کیا مجھے اسی حالت میں دیکھنا چاہتے ہو۔ میں تو اسلام لا چکا ہوں۔ کیا پھر مجھے کافروں کے پنجے میں دے رہے ہو؟''

مسلمان یہ دردناک منظر دیکھ کر تڑپ اُٹھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اتنے بے قابو ہوئے کہ انھوں نے تلوار لی۔ اور ابو جندل کی طرف بڑھے، کہ لو، اس سے اپنی مدافعت کرو۔ لیکن ابو جندل نے اس کی ہمت نہ کی۔ چنانچہ جبراً انھیں مکہ لے جایا گیا اور اِدھر مسلمان غم و غصہ کی آگ میں سلگتے رہے۔

==========

مسلمان مدینہ لوٹ تو آئے۔ لیکن ان کا دل بجھا بجھا سا تھا، کہ قریش تو شرطیں لگائیں اور مسلمان ان جابرانہ شرطوں کے سامنے سر جھکا دیں۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کا دردناک حادثہ بھی نگاہوں میں پھر رہا تھا، اور آنکھوں کی نیند اور دل کا چین غارت کر رہا تھا۔ اتنے میں قریش کا ایک اور آدمی بھاگ کر آیا۔ اور اس نے مسلمان ہونے کا اعلان کیا، اور آپ سے پناہ مانگی۔ یہ تھے حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ۔ بہت ہی مخلص اور نیک دل مسلمان کافروں کے ظلم سے تنگ آکر بھاگے کہ مدینہ میں پناہ مل جائے مگر پیچھے پیچھے مکہ سے دو آدمی اور آئے اور ان دونوں نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجبور تھے۔ کلیجہ پر سل رَکھ کر اس غریب کو ان دونوں کے حوالہ کر دیا۔ دونوں نے مسلمانوں کے سامنے انھیں قید کیا، اور ساتھ لے کر مکہ چلے۔ مسلمان حسرت و افسوس سے انھیں تکتے رہے اور اُن کی مظلومی اور اپنی بے بسی پر آنسو بہاتے رہے۔

دونوں آدمی حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو لے کر ذوالحلیفہ پہنچے۔ وہاں موقع ہاتھ آگیا اور حضرت ابو بصیر نے ایک کو قتل کر دیا۔ اب دوسرا سر پر پیر رکھ کر بھاگا۔ اور مدینہ پہنچ کر آپ سے شکایت کی۔ کچھ ہی دیر میں ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی آپہنچے۔ عرض کیا:

''حضور! آپ نے تو مجھے واپس کر دیا تھا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی ذمہ داری نہیں۔''

یہ کہہ کر وہ مدینہ سے چلے گئے۔ اور ریگستان کی خاک چھانتے رہے پھر سمندر کے ساحل پر پہنچے اور وہیں ٹھہر گئے۔ اب قریش کا کوئی قافلہ اُدھر سے گزرتا، تو اس پر چھاپہ مارتے اور جو کچھ ہاتھ آتا، لے بھاگتے مکہ میں بہت سے مسلمان پڑے ہوئے تھے۔ اور قریش کی

www.quranurdu.com

بیدردیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ معاہدہ کی وجہ سے وہ مدینہ بھی نہیں جا سکتے تھے۔ انھیں جب پتہ چلا کہ ایک نیا ٹھکانا پیدا ہو گیا ہے۔ تو وہ بھی بھاگ بھاگ کر وہیں آ گئے۔ اس طرح، ایک طاقتور ٹولی تیار ہو گئی۔ جس نے قریش کے قافلوں کا ناک میں دم کر دیا۔ وہ ان کا سارا سامان لوٹ لیتے اور پہاڑی دروں میں جا دبکتے۔

قریش نے بہت کوشش کی، لیکن ان پر قابو نہ پا سکے۔ بالآخر وہ عاجز آ گئے اور انھوں نے رسولِ خدا کے پاس کہلا بھیجا کہ :

''ہم اپنی شرط سے باز آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساحلی مسلمانوں کو اپنے پاس بلا لیجیے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سارے مسلمانوں کو مدینہ بلا لیا۔

مسلمان سخت حیران تھے کہ جو شرط سب سے زیادہ ان کے خلاف اور قریش کے موافق تھی، قریش اس سے کیسے دست بردار ہو گئے۔ لیکن وجہ معلوم ہوئی، تو ان کی حیرانی جاتی رہی۔ انھوں نے دیکھا کہ صلح حدیبیہ جسے وہ کھلی ہوئی ہار سمجھ رہے تھے۔ کتنی بڑی جیت ثابت ہوئی۔ اور اس وقت انھیں صلح حُدَیبیہ کی حکمتیں نظر آئیں۔ جو اس سے پہلے نگاہوں سے اوجھل تھیں۔

اگلے سال مسلمان پھر مکہ گئے اور وہاں تین دن ٹھہر کر طواف و زیارت کیا۔ پھر مدینہ لوٹ آئے۔ قریش نے بھی اپنا وعدہ نباہا۔ اور انھوں نے مسلمانوں سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کی۔

ہجرت کا آٹھواں سال شروع ہو گیا۔ اس سال لوگ کثرت سے مسلمان ہوئے۔ قریش کی صفوں سے بہت نامور بہادر ٹوٹ ٹوٹ کر اسلام کی گود میں آ گئے۔ خالد بن ولید اور عمرو بن العاص کا اسلام بھی اِسی زمانہ کی یادگار ہے۔ حضرت خالد قریش کے سب سے بڑے سپہ سالار تھے اور حضرت عمرو بن العاص ''عرب کا دماغ'' سمجھے جاتے تھے۔ آگے چل کر یہی دونوں فوجِ اسلام کے مشہور کمانڈر بنے ایک نے شام میں اسلام کا جھنڈا لہرایا، تو دوسرا فاتح مصر کے نام سے مشہور ہوا۔

خزاعہ اور بکر عرب کے دو مشہور قبیلے تھے۔ ان میں ایک زمانہ سے دشمنی چلی آ رہی تھی۔ مگر جب اسلام ان کے سامنے خطرہ بن کر ظاہر ہوا، تو وہ آپس میں دشمنی بھول گئے اور اسلام کو مٹانے میں تن من سے لگ گئے۔ پھر حُدَیبیہ کی صلح ہوئی تو بکر نے سوچا کہ اب اسلام کا خطرہ جاتا رہا۔ لہٰذا اب دشمن سے بدلہ لینے کا وقت آ گیا، اور انھوں نے خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ صلح حُدَیبیہ کی رُو سے کچھ قبیلوں نے مکہ والوں کا ساتھ دیا تھا، اور کچھ مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے تھے۔ خزاعہ کا قبیلہ چونکہ مسلمانوں کا ہمدرد تھا۔ اس لیے وہ مسلمانوں کے ساتھ ہو گیا تھا۔ اور ان کے دشمن بکر قریش کے ساتھ تھے۔ قریش کے کسی بھی ساتھی قبیلہ کا مسلمانوں کے کسی بھی ساتھی قبیلہ پر حملہ کرنا دراصل معاہدہ کو توڑنا تھا۔ بکر نے خزاعہ پر حملہ کیا تھا۔ یہی بات معاہدہ توڑنے کے لیے کافی تھی۔ لیکن اسی پر بس نہ تھا۔ قریش نے بھی بکر کی مدد کی۔ اور ان کے بہادروں نے صورتیں بدل بدل کر خزاعہ پر تلواریں چلائیں۔ خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی۔ مگر ظالموں نے حرم کی حرمت کا بھی خیال نہ کیا، اور اس میں گھس گھس کر بے دھڑک خون بہایا۔ کسی طرح کچھ آدمی بھاگ کر مدینہ پہنچے اور انھوں نے آپ سے فریاد کی۔ خزاعہ کی مظلومی کی داستان سنی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا رنج ہوا۔ معاہدہ کی رُو سے مدد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی۔ لہٰذا آپ نے فوراً قریش کے پاس آدمی دوڑایا، اور تین شرطیں پیش کیں، کہ ان میں سے کوئی ایک منظور کرو۔

1. خزاعہ کے جتنے آدمی مارے گئے، ان کا خونبہا ادا کرو۔

www.quranurdu.com

2. بکر سے الگ ہو جاؤ۔

3. اعلان کر دو کہ حُدَیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قریش کا ایک سردار سب کی طرف سے بولا:

''تیسری شرط منظور ہے۔ اب ہم میں کوئی معاہدہ نہیں رہا۔''

کہنے کو تو یہ کہہ دیا گیا، لیکن آدمی چلا گیا۔ تو قریش بہت پچھتائے اور انھوں نے فوراً ابوسفیان کو سفیر بنا کر مدینہ دوڑایا کہ معاہدہ کو وہ تازہ کرے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مزید مہلت مانگے۔

ابوسفیان کی ایک بیٹی اُمِّ حبیبہ تھیں۔ یہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیاہی تھیں اور مدینہ ہی میں رہتی تھیں۔ ابوسفیان سب سے پہلے بیٹی کے گھر پہنچا۔ ہو سکتا تھا کہ مدت کے بعد باپ کا چہرہ دیکھ کر بیٹی کا دل بھر آتا۔ اور پرانی یادیں تازہ ہو جاتیں۔ لیکن یہاں اسلام کی محبت دل میں گھر چکی تھی۔ اور سینے میں کفر سے نفرت کی آگ سلگ رہی تھی۔ بیٹی نے باپ سے سیدھے منہ بات نہ کی۔ بالآخر ابوسفیان مایوس ہو کر وہاں سے چل دیا۔ سمجھ گیا کہ بیٹی میری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور قریش کا پیغام سنایا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہ بولے۔ اب وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ اور انھیں بیچ میں ڈالنا چاہا، لیکن انھوں نے کانوں پر ہاتھ دھرا یا۔ اُلٹے کچھ ناراض بھی ہوئے۔

www.aurangurdu.com

وہاں سے مایوس ہو کر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ دیکھا تو وہ سب سے زیادہ بپھرے ہوئے تھے۔ اس کی ایک بات بھی سننے کو تیار نہ تھے۔

اب وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ ابھی بہت چھوٹے تھے۔ اور اس وقت ان کی گودیوں میں ہمک رہے تھے۔ ابوسفیان نے کہا:

''اس بچہ سے صرف اتنا کہلا دو، میں نے دونوں فریقوں میں بیچ بچاؤ کرا دیا۔''

اگر یہ اتنا ہی کہہ دے تو آج سارے عرب کا سردار کہلائے۔ بولو! ایسا کر سکتی ہو؟

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

''ابوسفیان! تمھیں معلوم ہے، بچے ان معاملات میں کیا کر سکتے ہیں؟ پھر آپ کے مقابلہ میں کون پناہ دے سکتا ہے۔''

ان سے بھی بات نہ بنی تو اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ مسئلہ رکھا۔ انھوں نے کہا:

''حضور بات طے کر چکے ہیں۔ اس کے بارے میں کوئی کیا بول سکتا ہے۔ بس ایک شکل ہے۔ تم مسجد میں جا کر اعلان کر دو، میں حُدَیبیہ کی صلح بحال کرتا ہوں۔''

چنانچہ اس نے یہی کیا۔ پھر فوراً مکہ لوٹ گیا۔ مگر مکہ پہنچ کر جب اس نے لوگوں میں اپنا کارنامہ بیان کیا، تو سب نے اسے ملامت کی اور کہا کہ یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔ تم سے تو علی رضی اللہ عنہ نے مذاق کیا ہے اور تم اتنا بھی نہ سمجھے کہیں اس طرح صلح بحال ہوا کرتی ہے؟

چنانچہ ایک مرتبہ پھر قریشی سردار مشورہ کے لیے جمع ہوئے اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ خزاعہ سے صلح کر لی جائے۔ اور ان کے جو آدمی مارے گئے ہیں۔ ان کا خون بہا دے دیا جائے تا کہ محمد اگر مکہ پر حملہ کریں، تو وہ ان کا ساتھ نہ دیں۔

بات طے ہو گئی تو بدیل چونکہ مکہ ہی میں رہتے تھے اور یہ خزاعہ کے بہت بڑے رئیس اور معزز آدمی تھے۔ اس لیے ابوسفیان نے ان سے ہی بات پکی کر لی اور جو لوگ مارے گئے تھے، ان کا خونبہا بھیج دیا گیا۔ پھر یہ دونوں ساتھ ہی خزاعہ پہنچے، تاکہ صلح کی بات بالکل پختہ اور اطمینانی ہو جائے۔

==========

اِدھر رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جنگ کی تیار کا حکم دے دیا۔

اور اسلامی قبائل کے نام پیغام بھیجا:

''جو خدا و آخرت پر ایمان رکھتا ہو، وہ رمضان سے پہلے ہی مدینہ آجائے۔''

چنانچہ مسلمانوں نے آپ کی آواز پر لبیک کہا اور مختلف قبیلوں نے پوری تیاری کے ساتھ مدینہ کا رخ کیا۔ پھر رمضان کی دسویں تاریخ کو ہجرت کے آٹھویں سال پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ مکہ کی طرف بڑھے۔ راستہ میں آپ کے چچا عباس ملے۔ مسلمان تو یہ بہت پہلے ہو چکے تھے۔ مگر اب اپنے اہل و عیال کے ساتھ مکہ سے آرہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھتے ہی خوش آمدید کہا اور بہت ہی تپاک اور محبت سے ملے۔ پھر ان کے بچوں کو آرام و عزت سے مدینہ بھجوا دیا۔

چلتے چلتے اسلامی لشکر خزاعہ کے چشمہ پر پہنچ گیا۔ اور وہاں پہنچ کر وہ ایک بڑے میدان میں ٹھہر گیا۔ لوگوں نے آرام کرنے کے لیے خیمے بھی لگائے۔ ہر طرف اندھیرا چھا چکا تھا۔ اس لیے آپ نے حکم دیا کہ ہر قبیلہ الگ الگ آگ روشن کرے۔ مقصد یہ تھا کہ دیکھنے والوں پر شوکتِ اسلام کی دھاک بیٹھے۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔

پہرہ دینے والوں میں حضرت عباس بھی شامل تھے۔ یہ ایک اونچے ٹیلہ پر کھڑے اِدھر اُدھر نظریں دوڑا رہے تھے کہ پاس ہی انھیں دو صورتیں نظر آئیں۔ کانوں نے دونوں کی گفتگو بھی سنی۔

بُدیل بولا: ''ابوسفیان! بخدا یہ تو خزاعہ کی آگ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔''

ابوسفیان بولا: ''قیامت تک خزاعہ کی یہ شان نہیں ہو سکتی۔ یہ آگ کا جنگل، اور یہ آدمیوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر!''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا۔ بے اختیار بول اٹھے:

''ابوسفیان، میں عباس بن عبدالمطلب ہوں، اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ کی آگ ہے۔''

ابوسفیان چونک پڑا۔ اس نے حیرت سے پوچھا:

''مکہ سے تنہا یہاں کیسے آنا ہوا؟''

عباس رضی اللہ عنہ بولے:

''اللہ نے مجھے ہدایت دی، اور اب میں لشکر اسلام کا سپاہی ہوں۔''

پھر دونوں قریب ہوئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا:

''خزاعہ اور قریش میں تو صلح کی بات ہو چکی ہے۔ اب ذرا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سفارش کر دو۔''

عباس رضی اللہ عنہ بولے: ''پہلے تم دونوں اسلام لاؤ۔''

www.urdu.com

بُدَیل نے پڑھا:

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ

بُدَیل فوراً مسلمان ہو گئے۔ لیکن ابو سفیان ہچکچاتا رہا۔ ادھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی برابر اصرار کرتے رہے۔ بالآخر خدا نے توفیق دی۔ اور اس کا سینہ بھی اسلام کے لیے کھل گیا اور زبان حرکت میں آئی:

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ

اب حضرت عباس رضی اللہ عنہ دونوں کو لے کر خدمتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری سنائی۔ دونوں کے اسلام کی خبر سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور دونوں کو مبارک باد دی۔

مکہ اب بالکل سامنے تھا۔ آپ نے لشکر کو کئی حصوں میں تقسیم کیا اور ہر ٹولی کا الگ الگ کمانڈر بنایا۔ نیز سب کو حکم دیا کہ شہر میں الگ الگ دروازوں سے داخل ہوں اور جب تک کوئی پہل نہ کرے، اس پر ہاتھ نہ اُٹھائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت ابو سفیان کا سر جھکا ہوا ہے۔ اور چہرہ پر اُداسی ہے۔ فرمایا:

"کیا بات ہے ابو حنظلہ! ہمارے ساتھ تم مشوروں میں نہیں شریک ہو رہے ہو؟"

ابو سفیان بولے:

"اللہ کے رسول! اب قریش پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں کچھ ایسے بھی ہیں۔ جو انتقامی جذبہ سے لبریز ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ فتح پائیں تو نرمی سے کام لیں۔ اور دشمنوں کو ہم پر ہنسنے کا موقع نہ دیں۔"

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"نہیں، نہیں، ابو سفیان! تم اطمینان رکھو۔ مکہ میں تو مسلمانوں کے بھی بھائی بند ہیں۔ مہاجرین کے بھی باپ چچا ہیں۔ وہیں پر محترم گھر بھی تو ہے۔ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کا گھر۔ ابو سفیان! اپنی قوم میں جاؤ اور ان سے کہو:

محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ایک اچھے بھائی کی طرح داخل ہو گا۔ آج کوئی غالب ہے نہ مغلوب۔ کوئی فاتح ہے نہ مفتوح۔ آج تو محبت اور اتحاد کا دن ہے۔ آج تو امن و اَمان اور اطمینان کا دن ہے۔ ابو سفیان کے گھر میں جو داخل ہو جائے، اس کو اَمان ہے۔

جو گھر کا دروازہ بند کر لے، اس کو امان ہے۔

جو خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے، اس کو امان ہے۔"

ابو سفیان نے یہ محبت و پیار کی یہ باتیں سنیں، تو بہت خوش ہوئے اور دوڑے ہوئے مکہ گئے، کہ لوگوں کو یہ خوشخبری سنائیں۔ یہ خوشخبری پورے شہر میں آناً فاناً پھیل گئی۔ اور لرزتے کانپتے دلوں کو سکون و اطمینان کی ٹھنڈک نصیب ہوئی۔

لشکرِ اسلام مکہ میں داخل ہوا تو مشرکوں نے ہتھیار ڈال دیے، اور گھروں کے دروازے بند کر کے چھتوں اور جھروکوں سے جھانکنے لگے آج لشکر اسلام، گہوارۂ اسلام میں داخل ہو رہا تھا۔

مسلمان نہایت حکمت سے شہر میں داخل ہو گئے۔ پورے امن و اطمینان کے ساتھ کہ نہ کہیں تلوار چلی نہ خون بہا۔

www.quranurdu.com

جب پوری طرح سکون ہو گیا، اور حالت معمول پر آ گئے۔۔۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کا ارادہ کیا۔ خدا کی شان، وہی گھر جو خلیل اللہ کی تعمیر تھا اور وہی کعبہ جو رسولِ بت شکن کی یادگار تھا۔ آج تین سو ساٹھ بتوں سے معمور تھا۔ رسولِ خدا کے ہاتھ میں ایک کمان تھی۔ اس کی نوک سے آپ ٹھوکے دیے جاتے اور زبان مبارک سے یہ کلمات ادا ہوتے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل: 81)

''حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ بلاشبہ باطل کو تو مٹنا ہی تھا۔''

آپ نے پھر کعبہ کی کنجی منگائی، اور دروازہ کھلوایا۔ دیکھا تو اندر تصویر کے دشمن۔۔۔ خلیل بت شکن کی تصویر تھی، اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی بھی۔ اور ہاتھوں میں پانسے کے تیر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مٹانے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا:

''خدا ظالموں کو غارت کرے۔ یہ بیچارے تو خدا کے پیغمبر تھے، جوئے سے کوسوں دُور تھے۔''

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے اور جتنی تصویریں تھیں، سب مٹا دیں خانۂ خدا بالکل پاک صاف ہو گیا، تو آپ اندر تشریف لے گئے۔ ساتھ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہاں آپ نے نماز ادا کی یا چند بار تکبیریں کہیں۔

کعبہ کے سامنے اہل مکہ کا ہجوم تھا۔ لوگ قسمت کا فیصلہ سننے کے لیے بے تاب کھڑے تھے۔ اس وقت زبانِ مبارک سے یہ یادگار فقرے سنے گئے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَه لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَ هَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اَلَا كُلُّ مَاْثَرَةٍ اَوْ دَمٍ اَوْ مَالٍ يُّدْعٰى فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَىَّ هَاتَيْنِ اِلَّا سِدَانَةَ الْبَيْتِ وَ سِقَايَةَ الْحُجَّاجِ۔

'' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اس نے اپنے وعدہ سچا کیا۔ اس نے اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام فوجوں کو تنہا نیچا دکھایا۔ سن لو، تمام مفاخر، خون کے تمام دعوے اور مال کے سارے مطالبے، میرے ان قدموں کے نیچے ہیں۔ ہاں صرف کعبہ کی کلید برادری اور حاجیوں کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہے۔''

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نِخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَ تَعَظُّمَهَا بِالْاٰبَآءِ النَّاسِ مِنْ اٰدَمَ وَ اٰدَمَ مِنْ تُرَابٍ

''قریش کے لوگو! اب جاہلیت کی نخوت اور خاندانی مفاخرت کو خدا نے مٹایا۔ تمام انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے ہیں۔''

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (الحجرات: 13)

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے بہت سے قبیلے اور خاندان بنائے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔ بے شک اللہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔''

پھر اعلان فرمایا:

www.quranurdu.com

إِنَّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ

’’خدااوراس کے رسول نے شراب کی خرید وفروخت حرام کر دی۔‘‘

اس کے بعد رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف نظر اُٹھائی اور درشت لہجہ میں پوچھا:

’’قریش کے لوگو! جانتے ہو، میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟‘‘

سب ایک ساتھ پکار اُٹھے:

خَيْرًا ۔ اَخٌ كَرِيْمٌ وَّابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ

’’اچھا سلوک۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اچھے بھائی ہیں اور اچھے بھائی کے بیٹے ہیں۔‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۔ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ

’’آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔ جاؤ، تم سب آزاد ہو۔‘‘

یہ تھے کون لوگ۔۔۔! کیا تم نے یہ بھی غور کیا؟ یہ محسن عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی اور پیکر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو اسلام کو مٹا دینے کے لیے جان کی بازی لگائے ہوئے تھے، اور وہ بھی تھے، جن کی تلواروں نے ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں اور وہ بھی تھے۔ جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھائے تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے۔ جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے دردی سے پتھر برسائے تھے اور وہ بھی تھے، جنھوں نے ایڑیاں لہولہان کر دی تھیں۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے، جو جاں نثاروں کو تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر چٹانوں سے دبا دیتے تھے، اور وہ بھی تھے۔ جو ان کے نحیف وکمزور جسم کو لوہے کی گرم سلاخوں سے داغتے تھے۔

اس تاریخ ظلم وستم کو سامنے رکھو، اور پھر رحمت عالم کی شانِ کریمی کا اندازہ لگا۔

اللہ رے وسعت ترے دامانِ کرم کی!
اس بحر کا ملتا ہی نہیں ڈھونڈے سے کنارہ

=================

www.quranurdu.com

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

دَمِ واپسیں

www.quranurdu.com

- رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج
- عرفات کا تاریخی خطبہ
- دینِ حق کی تکمیل
- رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بستر علالت پر
- مرض میں دن بدن اضافہ
- انتہائی نازک حالت
- محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطاب
- رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری کلمات
- روحِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے جا ملی
- فداکاروں کی بدحواسی
- حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بصیرت افروز تقریر
- خلیفہ کا چناؤ
- رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری دیدار
- تجہیز و تکفین

ہجرت کا دسواں سال تھا۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حج کے ارادے سے مکہ روانہ ہوئے۔

آپ کے ساتھ ایک لاکھ سے زیادہ جاں نثاروں کا قافلہ تھا۔

اس حج کو لوگ ''حجۃ الوداع'' کہتے ہیں۔

اس لیے کہ یہ حج آپ کا آخری حج تھا۔ اس کے بعد آپ کو مکہ، خانہ کعبہ، اور عرفات کی زیارت کا موقع نہ مل سکا۔

مگر کچھ لوگ اسے ''حجۃ البلاغ'' بھی کہتے ہیں۔

کیونکہ رب کا جو پیغام پہنچانے کے لیے آپ دنیا میں تشریف لائے تھے، وہ یہاں پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

وہ پیغام تھا، دینِ اسلام۔

حج کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں ایک تقریر بھی کی۔ وہ تقریر حقیقت میں اسلام کی دستور تھی۔

تقریر شروع کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پیارے بھائیو! میں جو کچھ کہوں، غور سے سننا، کیونکہ مجھے نہیں معلوم! ہو سکتا ہے اس سال کے بعد میں تم سے یہاں نہ مل سکوں!''

اس کے بعد آپ نے سارے مسلمانوں کو آخری وصیتیں کیں۔ جن کا نچوڑ یہ ہے:

''اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت مضبوطی سے پکڑے رہنا۔

لوگوں کی جان، مال اور عزت کا خیال رکھنا۔

کوئی امانت رکھے تو اس میں خیانت نہ کرنا۔

خونریزی اور سود خوری کے قریب نہ پھٹکنا۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ:

''مسلمان آپس میں کیسے رہیں۔ پھر عام انسانوں کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ ہو۔''

نیز آپ نے مساوات پر بہت زور دیا۔ اور اُونچ نیچ، اور ذات پات کی زنجیروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ آپ نے فرمایا:

''لوگو! تمہارا رب ایک ہے۔ تمہارا باپ ایک ہے۔

تم سب آدم علیہ السلام کے بیٹے ہو۔ اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے ہیں۔

خدا کے نزدیک تم میں سب سے بہتر وہ ہے، جو خدا سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔

سن لو! کسی عربی کو عجمی پر، اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی برتری نہیں۔ برتری کا معیار تو صرف تقویٰ ہے۔''

تقریر سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے اللہ! کیا میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا؟''

www.quranurdu.com

ایک لاکھ زبانیں ایک ساتھ بول اُٹھیں: ''ہاں، اے اللہ کے رسول!''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: ''اے خدا! تو گواہ رہ۔''

تقریر ہو چکی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا فرمائی۔

ٹھیک اس وقت جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کا یہ آخری فرض ادا کر رہے تھے۔ خدا کی بارگاہ سے یہ بشارت آئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدۃ:3)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا۔''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ کیونکہ وہ سمجھ گئے۔ کہ اب آپ کے چل چلاؤ کے دن آ گئے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سورت اتری، تب بھی لوگوں نے دیکھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رو رہے تھے۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کے دو سوتے جاری تھے:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (النصر)

''جب اللہ کی مدد آ جائے اور فتح ہو جائے اور تم دیکھو کہ لوگ اللہ کے دین میں دَل کے دَل داخل ہو رہے ہیں، تو اپنے رب کی حمد و تسبیح کرو۔ اور اس سے مغفرت کی درخواست کرو۔ وہ تو بے انتہا توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیتیں سنیں تو سمجھ گئے کہ آپ جس کام کے لیے دنیا میں آئے تھے۔ وہ کام پورا ہو گیا۔ لہٰذا اب آپ ہم میں صرف چند دن کے مہمان ہیں۔ یہ خیال آنا تھا کہ دل بے قابو ہو گیا اور آنکھوں سے گرم گرم آنسو ٹپکنے لگے۔

بھلا ابو بکر رضی اللہ عنہ کیوں نہ روتے؟ کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سب سے زیادہ عزیز تھے۔ وہی کیا، ہر ہر مسلمان آپ پر دل و جان سے فدا تھا۔ آپ کے سامنے جان کی کوئی قیمت تھی، نہ مال کی کوئی وقعت تھی۔ اور نہ اولاد کی ہی کوئی پرواہ تھی۔

==========

حجۃ الوداع کو ابھی تین ماہ سے زیادہ نہ گزرے تھے کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر بیماری کا حملہ ہوا۔ اتنا زوردار کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔

بخار اتنا تیز ہوا کہ آنکھوں سے نیند اُڑ گئی۔ رات کا وقت تھا۔ آپ بستر سے اُٹھے۔ گھر سے باہر آئے اور مسلمانوں کے قبرستانوں کی طرف چل پڑے۔ وہاں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم پر سلامتی ہو، اے قبر والو!''

پھر آپ نے ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد گھر لوٹ آئے۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے، تو سب سے پہلے آپ کو قبرستان کی زیارت کا خیال آیا۔ قبرستان جانے میں یہ احساس بھی شامل تھا کہ اب آپ کے جانے کے دن قریب ہیں۔

www.quranurdu.com

صبح ہوئی، تو پاک بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔ دیکھا، تو وہ دردِ سر میں مبتلا تھیں۔ اور بے قراری میں کہہ رہی تھیں: ہائے میرا سر!

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عائشہ! بخدا میرے سرے میں تو اور بھی زیادہ درد ہے۔ ہائے میرا سر!''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دوبارہ کراہیں: ''ہائے میرا سر!''

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عائشہ! کیا نقصان ہے اگر تم مجھ سے پہلے مر جاؤ۔ کہ میں خود ہی تمھیں کفن پہناؤں، تمہاری نماز پڑھاؤں، اور خود ہی تم کو دفن کروں۔''

جوان عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''کوئی اور بیوی اس کے لیے زیادہ اچھی رہے گی۔''

حضرت عائشہ کی بات سنی، تو آپ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ لیکن تکلیف بے انتہا تھی۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے زیادہ تفریح نہ کر سکے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ ایک ایک دن ہر بیوی کے یہاں قیام فرماتے بیماری کی حالت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معمول میں فرق نہ آیا۔ باری باری آپ ہر بیوی کے یہاں تشریف لے جاتے رہے۔ پانچ دن تک یوں ہی چلتا رہا۔ پھر حالت بہت زیادہ خراب ہو گئی۔ یہاں تک کہ چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی۔

مجبوراً آپ نے ساری بیویوں کو بلایا اور اُن سے حضرت عائشہ کے ہاں ٹھہرنے کی اجازت لی۔ کیونکہ حضرت عائشہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ چنانچہ ساری بیویاں بخوشی تیار ہو گئیں۔

کمزوری بے انتہا تھی اور بے سہارا چلنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ممکن نہ تھا۔ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دے کر بڑی دقتوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں لائے۔ دردِ سر کی شدت سے سر میں رومال بھی بندھا تھا۔

مسلمان اُداس اُداس تھے۔ بے چین و بے قرار تھے۔ کیونکہ اُن کا محبوب بسترِ علالت پر تھا۔ اور مرض لمحہ بہ لمحہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اس سے پہلے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح نہ بیمار ہوئے تھے، اس لیے وہ اور زیادہ مایوس اور فکرمند تھے۔

ہجرت کے چھٹے ہلکا سا بخار ہوا۔ آپ نے دو چار دن کھانے میں پرہیز کیا اور اس کا اثر جاتا رہا۔

ساتویں سال ایک یہودی عورت نے آپ کو زہر ملا ہوا گوشت کھلا دیا۔ زہر کے اثر سے کئی دن بے چینی رہی۔ لیکن کچھ دوا دارو کے بعد اس کا اثر بھی جاتا رہا۔

زندگی میں صرف دو واقعات ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ ہمیشہ صحت مند اور تندرست رہے۔ اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ آپ کے اُصول ہی کچھ ایسے تھے۔ کہ ان کا جو بھی خیال رکھے، بیماری اس کی طرف نگاہ نہ اُٹھائے۔

کھانا اسی وقت کھاتے جب بھوک لگتی اور کھا کر اُٹھتے۔ تب بھی بھوکے ہوتے۔

یہی وجہ ہے کہ شاہِ مصر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بطورِ ہدیہ ایک طبیب، دو باندیاں (ماریہ اور سیرین) اور کچھ شہد بھیجا۔

www.quranurdu.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد اور باندیوں کو تو قبول کر لیا۔ مگر طبیب کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ہم لوگ تو بھوک کے بغیر کھانا ہی نہیں کھاتے اور جب کھاتے ہیں تو بھوک سے کم ہی کھاتے ہیں۔ بھلا بیماری کا یہاں کہاں گزر؟

اس کے علاوہ آپ ہمیشہ صاف ستھرے رہتے۔ دن میں پانچ بار وضو کرتے۔ کپڑے پاکیزہ رکھتے۔ گندگی اور پھوہڑ پن سے خود ہی نفرت کرتے۔ اور دوسروں کو بھی پاک صاف رہنے کا شوق دلاتے، فرماتے:

''صفائی ستھرائی ایمان کا جزو ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سستی اور بیکاری کو راہ نہ دیتے۔ بلکہ سر گرم اور مستعد رہتے۔ کبھی عبادت میں مصروف ہوتے تو کبھی مسلمانوں کی بہبودی کے لیے دوڑ دھوپ کرتے اور اس کے لیے رات کو سونا تک بھول جاتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیش و راحت کے بندے اور خواہشات کے پجاری نہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہشات بھی مسلمان تھیں۔ جتنی بے جا لذتیں اور مضر دلچسپیاں ہیں۔ ان سب سے آپ کوسوں دُور تھے۔

یہ وہ باتیں ہیں کہ جو بھی ان کا خیال رکھے، صحت اور تندرستی اس کے قدم چومے۔

یہی وجہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے، اور طبیعت سنبھلتی ہوئی نہ معلوم ہوئی تو بیویاں بے چین ہو گئیں اور جاں نثار بے قرار ہو گئے۔

==========

رسولِ پاک کی حالت گرتی ہی گئی۔ حرارت کبھی گھٹ جاتی اور کبھی بڑھ جاتی۔

جب تک پیروں میں دم رہا اور چلنے پھرنے کی طاقت رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد جاتے رہے اور مسلمانوں کی امامت کرتے رہے۔ سب سے آخری نماز جو آپ نے پڑھائی وہ مغرب کی نماز تھی۔ پھر عشاء کا وقت ہوا تو آپ نے پوچھا:

''نماز ہو چکی؟''

جاں نثاروں نے عرض کیا: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لگن میں پانی بھروایا اور غسل کیا پھر اُٹھنا چاہا تو بے ہوش ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد ہوش آیا۔ تو پھر پوچھا:

''نماز ہو چکی؟''

جاں نثاروں نے عرض کیا: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر نہائے اور اُٹھنا چاہا۔ مگر اس بار بھی آپ بے ہوش ہو گئے۔ کچھ دیر میں پھر ہوش آیا۔ دریافت فرمایا:

''نماز ہو چکی؟''

پھر وہی جواب ملا: ''حضور کا انتظار ہے۔''

چنانچہ جسم مبارک پر پھر پانی ڈالا گیا۔ مگر اُٹھنے کا ارادہ کیا، تو پھر بے ہوش ہو گئے۔ اس بار ہوش آیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہو، وہ نماز پڑھائیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

www.quranurdu.com

''اللہ کے رسول! ان کی آواز بہت دھیمی ہے۔ قرآن پڑھتے ہیں، تو روتے بھی بہت ہیں۔ لوگ اُن کی آواز سن نہیں سکیں گے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''انہی سے کہو، وہ نماز پڑھائیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دوبارہ وہی بات عرض کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف سے بے چین تھے۔ مگر غصہ سے آواز کافی بلند ہو گئی۔ فرمایا:

''کہو ابو بکر رضی اللہ عنہ سے، وہی نماز پڑھائیں گے۔''

چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی۔ اور کئی دن تک نماز پڑھاتے رہے۔

پھر وفات سے چار دن پہلے کچھ سکون ہوا۔ ظہر کا وقت تھا۔ سات مشک پانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا۔ پھر کپڑے پہنے ۔ سر میں رومال باندھا اور علی رضی اللہ عنہ و عباس رضی اللہ عنہ کے سہارے مسجد گئے۔ نماز ہو رہی تھی۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ امام تھے۔ آہٹ پا کر انھوں نے پیچھے ہٹنا چاہا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا۔ اور ان کے پہلو میں جا کر بیٹھ گئے۔ پھر نماز کے بعد آپ نے چھوٹی سی تقریر کی، فرمایا:

''مسلمانو! مجھے پتہ چلا ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے گھبرا رہے ہو۔

مجھ سے پہلے جتنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے، ان سب کو موت آئی۔ آخر میں بھی تو اُن ہی جیسا ایک نبی ہوں۔

سن لو! جن لوگوں نے پہلے ہجرت کی ہے، ان کے ساتھ ہمیشہ نیک سلوک کرنا۔

مہاجرین بھی آپس میں نیک سلوک کریں۔

ہاں، انصار کے ساتھ بھی ہمیشہ اچھا برتاؤ کرنا۔

جو انصار بھلائی کریں، ان کے ساتھ بھلائی کرنا۔ جو خطا کریں، ان سے در گزر کرنا۔'

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عام مسلمان بڑھتے جائیں گے۔ مگر انصار اسی طرح کم ہو کر رہ جائیں گے۔ جیسے کھانے میں نمک۔ مسلمانو! وہ اپنا کام کر چکے۔ اب تم کو اپنا کام کرنا ہے۔ وہ میرے جسم میں بمنزلہ معدہ کے ہیں۔ میرے بعد جو مسلمانوں کا خلیفہ ہو۔ میں اس کو وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ نیک سلوک کرے۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مسلمانو! میں نے وہی چیز حلال کی ہے، جو خدا نے حلال کی ہے۔

اور اسی چیز کو حرام کیا ہے، جس کو خدا نے حرام کیا ہے۔

مسلمانو! کسی کو میں نے مارا ہو، تو یہ پیٹھ حاضر ہے۔ مجھ کو بھی وہ مار لے۔

کسی کو میں نے کچھ کہا ہو، تو وہ بھی آج محمد کو کہہ لے اور کسی کا میں نے کچھ لیا ہو تو لے لے۔''

ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

www.quranurdu.com

اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس میرے تین درہم ہیں۔"

آپ نے اس کو تین درہم دیے۔ پھر فرمایا:

"اے رسولِ خدا کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا! اے رسولِ خدا کی پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا! خدا کے ہاں کے لیے کچھ کر لو۔ میں تمھیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔"

رسولِ پاک کے پاس بیت المال کی سات اشرفیاں تھیں۔ بیمار ہوئے تو اندیشہ ہوا، کہیں ایسا نہ ہو کہ موت آجائے۔ اور یہ اپنے پاس ہی رہ جائیں۔ چنانچہ حکم دیا کہ انھیں غریبوں کو دے دیا جائے۔ لیکن سب لوگ تو تیمارداری میں مصروف تھے۔ کسی کو آپ کا حکم یاد نہ رہا۔

وفات سے ایک دن پہلے آپ کو پھر خیال آیا۔ پوچھا: "وہ اشرفیاں کیا ہوئیں؟"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: "اللہ کے رسول! وہ ابھی گھر میں ہی ہیں۔"

آپ نے انھیں حاضر کرنے کا حکم دیا۔

پھر آپ نے اُن کو ہتھیلی پر رکھا۔ اور فرمایا:

"اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو موت آگئی، اور یہ اس کے پاس ہی رکھی رہ گئیں، تو وہ اپنے رب کو کیا جواب دے گا؟"

پھر آپ نے ان کو چند غریب مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

تکلیف بہت بڑھ گئی۔ بخار اتنا تیز ہوا کہ پورا جسم جلنے لگا۔ چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا روز باپ کی خدمت میں حاضر ہوتیں۔ آپ انھیں دیکھ کر شفقت سے کھڑے ہو جاتے اور بوسہ دیتے پھر اپنے پاس بٹھا لیتے آج بے چینی بلا کی تھی۔ کمزوری بھی انتہا کی تھی۔ اس لیے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں، تو اُٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیار نہ کر سکے۔ چنانچہ وہ پاس آئیں اور خود انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیا۔ پھر آپ کے پہلو میں بیٹھ گئیں۔

بخار اتنا تیز تھا کہ بار بار بے ہوش ہو جاتے۔ پاس ہی ایک برتن میں ٹھنڈا پانی تھا۔ آپ اس میں ہاتھ ڈالتے، پھر چہرہ پر ملتے۔ بے چینی بلا کی تھی۔ عین اسی وقت مبارک ہونٹ ہلے۔ اور کانوں نے یہ الفاظ سنے:

"یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، کہ وہ اپنے پیغمبروں کی قبروں پر سجدے کرنے لگے۔"

دوشنبہ کی رات ہوئی، تو حرارت بہت گھٹ گئی۔ ایسا لگ رہا تھا گویا بخار جاتا رہا۔ بے چینی نام کو نہ تھی۔ طبیعت کو بالکل سکون تھا جس نے بھی دیکھا، سمجھا کہ آپ اچھے ہو گئے۔ چنانچہ اُداس چہرے پھر چمک اُٹھے اور مرجھائے ہوئے دل پھر لہلہا اُٹھے۔

حجرۂ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا۔ صبح ہوئی تو آپ نے پردہ اُٹھا کر مسجد کی طرف دیکھا، مخلص ساتھی فجر کی نماز میں مصروف تھے۔ دیکھ کر آپ مسکرا دیے کہ خدا کی زمین پر آخر وہ گروہ پیدا ہو گیا۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا نمونہ بن کر اللہ کی یاد میں مصروف ہے۔ کچھ آہٹ ہوئی تو ساتھی سمجھے کہ آپ باہر آنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ خوشی سے وہ بے تاب ہو گئے اور قریب تھا کہ نمازیں توڑ دیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ امام تھے۔ انھوں نے چاہا کہ پیچھے جائیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے روک

www.quranurdu.com

دیا۔ پھر حجرہ کے اندر ہو کر پردہ گرادیا۔ کمزوری اس قدر تھی کہ پردہ اچھی طرح نہ گرا سکے۔ پیروں پر کھڑا ہونا بھی دشوار تھا۔ لیکن ساتھیوں کو خوشی دیکھ کر آپ بھی بے حد خوش تھے۔

کمزوری دم بدم بڑھتی جارہی تھی اور موت ہولے ہولے سرکتی آرہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں ٹھنڈا پانی مانگا۔ پانی فوراً حاضر کردیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اس میں ہاتھ ڈالتے اور چہرہ پر ملتے۔ چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے، اور کبھی ہٹادیتے۔

اس وقت لگاتار زبانِ مبارک سے یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی تَحَمُّلِ سَکَرَاتِ الْمَوْتِ

''اے اللہ جان کنی کی پریشانیاں جھیلنا میرے لیے آسان کر۔''

پیارے باپ کی بے چینی دیکھ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بے چین ہو گئیں، بے اختیار چیخیں:

''ہائے میرے باپ کی بے چینی!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا:

''آج کے بعد پھر تمہارا باپ بے چین نہ ہو گا۔''

سہ پہر کا وقت تھا۔ سینہ میں سانس گھڑ گھڑا رہی تھی۔ اتنے میں مبارک ہونٹ ہلے اور کانوں میں یہ آواز آئی:

''نماز، اور غلاموں سے نیک سلوک۔''

پھر ہاتھ اُور اُٹھے۔ آپ نے انگلی سے اشارہ کیا اور فرمایا:

بَلِ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی

''اب وہ کوئی نہیں۔ بس وہی سب سے بڑا ساتھی۔''

یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک آئے۔ آنکھیں چھت سے لگ گئیں اور رُوحِ پاک خدا سے جا ملی۔

دوشنبہ کا دن تھا۔ ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ اور ہجرت کا گیارہواں سال تھا۔ جاں نثاروں کی نظر میں دنیا اندھیری ہو گئی۔ اور دل کی بستی میں سناٹا چھا گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 63 سال تھی۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

==========

کیا سچ مچ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم چل بسے؟

جو مسلمان بھی یہ دلخراش خبر سنتا، بے ساختہ اس کی زبان پر یہ سوال آجاتا:

''اُف! اُف!!''

ابھی چند ہی گھنٹے پہلے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔ آپ نے ہم سے باتیں بھی کی تھیں۔

www.quranurdu.com

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے برگزیدہ ہیں۔اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنایا ہے بہت سے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان بھی لا چکے ہیں۔

علاوہ بریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک خدائی طاقت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔اتنا بڑا انقلاب برپا کیا کہ زمانہ بھول نہیں سکتا۔

اور۔۔۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے تو انسانوں کو اندھیرے سے اُجالے میں پہنچایا ہے۔گمراہی سے نکال کر سیدھے رستہ پر لگایا ہے۔

نہیں، نہیں! یہ کیونکر ممکن ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرنے سے تو وحی رک جائے گی، جو اب تک کسی نبی کے مرنے سے نہیں رکی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ غمناک خبر سنی، تو اُن کے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی۔ بے تحاشا وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف دوڑے۔انھیں یقین ہی نہیں آرہا تھا۔کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

جسم مبارک پر چادر پڑی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چہرہ سے چادر ہٹائی دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل بے حس و حرکت تھے۔ سوچا کہ بے چینی زیادہ ہے۔اسی لیے بے ہوشی کا عالم ہے۔ تھوڑی دیر میں پھر ہوش آجائے گا۔

www.quranurdu.com

اس کے بعد وہ مسجد گئے۔ دیکھا تو لوگ سسکیاں لے رہے تھے۔فوراً نیام سے تلوار کھینچ لی اور کڑکتے ہوئے بولے:

"جو بھی کہے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مر گئے، اسی تلوار سے اس کی گردن اُڑادوں گا۔"

پھر نہایت گرجدار آواز سے کہا:

"لوگو! کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مر گئے بخدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مرے نہیں ہیں۔ حضرت موسیٰ کی طرح آپ بھی چالیس دن غائب رہیں گے۔ پھر لوٹ کر آئیں گے۔اور جس نے بھی کہا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مر گئے۔اس کو دردناک سزادیں گے۔"

وفات کی المناک خبر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی ملی۔ سنتے ہی وہ تڑپ اُٹھے۔ فوراً مسجد پہنچے۔ دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں میں تقریر کر رہے تھے مگر وہ کسی سے کچھ نہ بولے اور سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے۔ جسم مبارک پر چادر ہٹائی اور پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ پھر فرمایا:

"اے رسولِ خدا! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان! زندگی میں بھی آپ اچھے رہے۔ مرنے کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اچھے رہیں گے۔"

پھر مسجد گئے دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقریر جاری تھی۔وہ لوگوں کو سمجھا رہے تھے۔کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ابھی زندہ ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آواز دی۔

"عمر! ذرا ٹھہرو۔ مجھے کچھ کہنے دو۔"

مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو بے قابو تھے۔اس لیے انھوں نے ذرا بھی دھیان نہ دیا۔اور برابر بولتے رہے۔

اب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے، اور اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی سارے مسلمان اُن کے گرد جمع ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تنہا رہ گئے۔ اس طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مجمع پر چھا گئے۔ اور یہ مشہور تقریر کی:

''لوگو! اگر کوئی محمد کی بندگی کرتا تھا، تو محمد اس جہان سے تشریف لے گئے اور کوئی اللہ کی بندگی کرتا تھا، تو اللہ زندہ ہے۔ اس کے لیے کبھی موت نہیں۔''

پھر یہ آیت پڑھی:

وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انْقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤى اَعۡقَابِكُمۡ وَ مَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡـًٔا وَ سَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ (آلِ عمران:144)

''اور محمد تو بس اللہ کے رسول ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے نبی گزر چکے۔ اگر وہ مر جائیں یا خدا کی راہ میں مارے جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں اسلام سے پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے گا وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ اور اللہ اس نعمت کی قدر کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے گا۔''

یہ تھی وہ بصیرت افروز تقریر جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس وقت کی۔ مسلمانوں نے یہ تقریر سنی۔ تو اُن کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور اس کڑوی حقیقت کا انھیں یقین کرنا ہی پڑا۔ سب کو ایسا معلوم ہوا کہ آیتِ پاک آج ہی اُتری ہے۔ چنانچہ اسی دن ہر مسلمان کی زبان پر یہی آیت تھی، اور ہر طرف اسی کا چرچا تھا۔

مسلمانوں کے دل آپ کے عشق و محبت اور عقیدت سے لبریز تھے۔ اس لیے وفات کی خبر اُن پر بجلی بن کر گری اور سنتے ہی وہ بدحواس ہو گئے۔ چنانچہ اسی بے خودی میں انھوں نے وفات کا انکار بھی کر دیا۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قرآنِ پاک کی آیت پڑھی تو ان کی آنکھیں کھلیں اور انھیں ہوش آیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تقریر سنی تو زمین پر گر پڑے۔ کہ اب وفات میں شک کی گنجائش نہ تھی۔ انھوں نے کہا:

''ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس سے پہلے یہ آیت سنی ہی نہ تھی۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کیا حال تھا؟ ان کے بھی ہوش و حواس گم تھے اور غم کی شدت سے زبان پر تالے لگے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''یوں سمجھنا چاہیے، گویا ہماری آنکھوں پر پردے پڑے تھے اور وہ پردے ہٹ گئے۔''

یہی لوگ نہیں۔ تمام مسلمانوں کا یہی حال تھا۔ لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تقریر کی۔ تو سب کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور انھیں یقین ہو گیا کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سچ مچ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

خود حصرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اس موقع پر کیا حال تھا؟ وہ صبر و تحمل اور وقار کے پہاڑ تھے۔ وہ نازک موڑ پر صحیح رہنمائی کا بہترین نمونہ تھے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کم محبت نہ تھی۔ وفاداری اور جاں نثاری میں وہ کسی سے پیچھے نہ تھے۔ گزر چکا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت پڑھی:

www.quranurdu.com

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدۃ:3)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔''

تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور جب یہ سورہ اتری:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (النصر)

''جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح ہو جائے اور تم دیکھو لوگ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد و تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی درخواست کرو۔ وہ توبے انتہاء توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

تب بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بے قابو ہو گئے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں کیونکہ وہ سمجھ گئے اب آپ کے جانے کے دن قریب آگئے اور یہ کٹھن دن دیکھنے کے لیے وہ پہلے سے تیار ہو گئے۔

یہی وجہ ہے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ہر طرف کہرام مچ گیا۔ مسلمان کلیجہ تھام تھام کے رونے لگے۔ کتنے لوگ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ صبر و تحمل کا پیکر بنے رہے۔ اس نازک وقت میں مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کرتے رہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا دین اسلام پر بہت بڑا فضل ہے اور مسلمانوں کے ساتھ بہت بڑا احسان کہ ایسے خطرناک وقت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کو صحیح راہ سجھائی۔ پھسلتے ہوئے انھیں سنبھال لیا اور ان میں پھوٹ پڑنے سے بچا لیا۔

==========

جسد مبارک ڈھکا رکھا تھا۔ حضرت عمر اپنا سر پکڑے بیٹھے تھے۔ سارے مسلمان زار و قطار رو رہے تھے۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ انھیں سمجھا رہے تھے کہ یہ خدا کی مشیت ہے۔ مومن کی شان یہ ہے کہ خدا کی مشیت پر صبر کرے۔ اس کے ہر فیصلے کو اپنے لیے بہتر سمجھے۔ ہمیشہ راضی بہ رضا رہے۔ کہ اتنے میں ایک آدمی بھاگا ہوا آیا۔ وہ بے تحاشا چلایا:

''ابو بکر رضی اللہ عنہ ! عمر رضی اللہ عنہ ''

بہت سے انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھا ہیں۔ اپنے میں سے خلیفہ چن رہے ہیں۔ جلدی دوڑوں ورنہ ایک فتنہ اٹھ کھڑا ہو گا۔ مسلمانوں میں پھوٹ کا آتش فشاں پھٹ پڑے گا۔''

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً بھاگے ہوئے گئے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی راستے میں مل گئے۔ وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا بہت سے انصار جمع ہیں۔ کچھ مہاجرین بھی موجود ہیں۔ خوب گرما گرم بحثیں ہو رہی ہیں۔ زوروں پر تو تو میں میں جاری ہے۔ ایک دوسرے پر چوٹیں ہو رہی ہیں۔

ان لوگوں نے بر وقت پہنچ کر حالات پر قابو پایا۔ حکمت سے لوگوں کو سمجھایا بجھایا۔ آخر سب کی رائے ہوئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ چن لیے گئے۔ سارا جھگڑا رفع دفع ہو گیا۔

جسدِ مبارک ابھی اسی طرح رکھا تھا۔ جاں نثاروں کا ایک ہجوم تھا جو وہاں جمع تھا۔ لوگ آپ کو آنسوؤں کے نذرانے پیش کر رہے تھے۔

www.quranurdu.com

خلیفہ کا چناؤ ہو چکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کا انتظام ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہلایا گیا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا۔ نہلانے کے بعد تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ پھر سارے مسلمانوں کو موقع دیا گیا کہ اپنے محبوب نبی اور محبوب راہ نما پر آخری نظریں ڈال لیں۔ اور دعا و نماز سے بھی فارغ ہو لیں۔

جسد مبارک کے گرد جاں نثاروں کا ہجوم تھا کہ عشق و عقیدت میں ڈوبی ہوئی یہ پر سوز آواز کانوں میں گونجی:

اللہ کے رسول! سلامتی ہو آپ پر

خدا کی رحمتیں اور برکتیں ہوں آپ پر

ہم گواہ ہیں آپ نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا۔ اور دین کے لیے جان لڑاتے رہے، یہاں تک کہ اللہ نے اسے غالب کر دیا۔

یہ آواز آپ کے یارِ غار حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی آواز تھی۔

مرد نماز سے فارغ ہوئے تو عورتوں کی باری آئی۔ پھر بچوں کو موقع دیا گیا۔ لوگ بے تابانہ آتے اور ٹوٹے ہوئے دل اور بھیگی ہوئی سرخ سرخ آنکھوں کے ساتھ واپس چلے جاتے۔

وفات کے دو دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں لٹائے گئے پھر قیامت تک کے لیے نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

قبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہیں بنی، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تھا۔ قبر کی جگہ کا مسئلہ آیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں نے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے، جس نبی کی بھی وفات ہوئی، اس کی قبر وہیں بنی، جہاں اس کی وفات ہوئی۔"

چنانچہ بستر مبارک جہاں بچھا ہوا تھا، اس کے چاروں طرف نشانات لگا دیے گئے۔ پھر بستر مبارک وہاں سے کھسکا دیا گیا۔ جہاں آپ کا بستر تھا وہیں آپ کی قبر تیار کی گئی۔ حضرت ابو طلحہ بغلی قبر کھودنے میں ماہر تھے، انہی نے قبر تیار کی۔

قبر تیار ہو گئی تو آپ کا تابوت قبر کے کنارے ہی رکھ دیا گیا۔ لوگ چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں اندر آتے۔ اور آپ کی نماز پڑھ کر باہر چلے جاتے۔

سب سے پہلے جن لوگوں نے آپ کی نماز پڑھی، وہ حضرت عباس اور بنی ہاشم تھے۔ پھر مہاجرین نے نماز پڑھی، پھر انصار نے۔ اس کے بعد عورتوں کو موقع دیا گیا۔ پھر بچوں کو۔

روایتوں میں آتا ہے، اس طرح سے بہتر بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ ہوئی۔

سب لوگ نماز ادا کر چکے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت شقران رضی اللہ عنہ آپ کی قبر میں اترے۔ اور آپ کو سپرد خاک کیا۔

قبر برابر ہو گئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس پر ایک ڈول پانی کا چھڑکاؤ کیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک ڈول پانی کا چھڑکاؤ کیا، اور جاں نثاروں نے نہ جانے کتنے ڈول آنسو اپنی آنکھوں سے بہا دیے!!

www.quranurdu.com

البتہ یہ وہ آنسو نہ تھے، جو آج ہماری محفلوں میں بہائے جاتے ہیں۔ یہ وہ آنسو تھے جن کے پیچھے جہاد و عزیمت کی ایک لمبی تاریخ تھی۔ یہ مجاہدوں کے آنسو تھے۔ یہ ان لوگوں کے آنسو تھے جو زندگی بھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جانیں چھڑکتے رہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی پیغام حق کو سینے سے لگائے رہے۔

وہ کشت اسلام کو اپنے خون جگر سے سینچتے رہے۔ اور شمع ایمان کی روشنی عام کرنے کے لیے اپنی جانوں پر کھیلتے رہے۔

آہ! یہ کتنے قیمتی اور کتنے مقدس آنسو تھے، جو اس وقت ان جاں نثاروں کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

وہ آنسو اس عالم میں ایک زبردست انقلاب کا پیش خیمہ تھے۔

وہ آنسو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیمان وفا اور پیمان محبت کے آنسو تھے۔

چنانچہ تدفین کے دوسرے ہی دن خلیفہ رسول نے اعلان کرادیا، کہ جہادی قافلے اپنے اپنے محاذوں پر روانہ ہو جائیں۔

ہزاروں درود و سلام اس نبی امیؐ پر جس نے اپنے جاں نثاروں میں انسانیت کا درد پیدا کیا۔ اس کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اپنی جانوں پر کھیل جانے کا حوصلہ عطا کیا۔

ہزاروں رحمتیں اور برکتیں ہوں ان بلند ہمت اصحاب رسول پر جن کی رگوں میں ایمان و یقین کی بجلیاں دوڑتی رہیں۔ انھیں چین نہیں آیا جب تک عالم کے چپے چپے پر خدائی نظام نافذ نہ کرلیا۔

آؤ مسلمانو! ہم بھی عہد کریں، اب ہمارا مرنا اور جینا بس اسی دین کے لیے ہوگا۔

آؤ، ہم یہ ثابت کردیں کہ ہم اپنے نبی کے سچے امتی اور اپنے بزرگ صحابہ کے سچے جانشین ہیں:

ہم زمانے کو سکھائیں گے ترا طرزِ حیات
تجھ سے اقرار یہ کرتے ہیں رسولِ عربی!

==========

www.quranurdu.com

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور میں

وہ جانِ حیات کون و مکان، وہ روحِ نجاتِ انسانی
وہ جس کی بلندی کے آگے افلاک ہوئے پانی پانی
وہ فقر کا پیکر جس کے قدم چھوتا ہے شکوہِ سلطانی
ان سے ہی مجھے نسبت ہے مگر کب ان کی حقیقت پہچانی
احساسِ خطا کی پلکوں سے آنسو بن کر گر جاتا ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں، لیکن کہتے شرماتا ہوں

خونیں اندھیاروں کی آندھی ہر نور نگلتی جاتی ہے
انسان کی یہ فردوس زمیں دوزخ میں ڈھلتی جاتی ہے
یہ امت جس کے شعلوں میں ہر گام پہ جلتی جاتی ہے
انسان پہ فرشتے روتے ہیں، شیطان کی چلتی جاتی ہے
اسلام کی چیخیں سنتا ہوں، خاموش گزرتا جاتا ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں، لیکن کہتے شرماتا ہوں

اسلام کی یہ تاریخ الم، طوفان اُٹھے، بھونچال آئے
وہ جن کی نظر تھی عرش رسا، گرتے گرتے پاتال آئے
رُوحوں کی بصیرت سلب ہوئی، دل کے شیشوں میں بال آئے
پیغام عمل دہراتے ہوئے تیرہ سو پریشاں سال آئے
محصور جہادِ ہستی میں۔۔۔۔"قربانی" سے گھبراتا ہوں
کہنے کو مسلمان میں بھی ہوں، لیکن کہتے شرماتا ہوں

آباد ہوئیں عشرت گاہیں، ویران مساجد روتی ہیں
طاری ہے فضا پر موسیقی، پامال اذانیں ہوتی ہیں
بر بادِ خزاں ہے مستقبل، ماضی کی بہاریں سوتی ہیں
پھولوں کے بجائے کانٹوں میں شبنم کے شکستہ موتی ہیں

www.quranurdu.com

یہ وقتِ عمل، کردار ہے شل، کیا دستِ دعا پھیلاتا ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں، لیکن کہتے شرماتا ہوں

طائف میں مقدس خوں ٹپکا، مکے میں کبھی پتھر کھائے
بس ایک تڑپ تھی کیسی تڑپ؟ انسان ہدایت پا جائے
ہر غم کو لگا کر سینے سے درماں کے طریقے سکھلائے
کیا قہر ہے! یہ انسان اُسی محسن کو بھلا کر کھو جائے

اُف کتنے گناہوں کے ہاتھوں دینی بنیادیں ڈھاتا ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں، لیکن کہتے شرماتا ہوں

باطل کی بھیانک سازش میں، شیطان کی ظالم گھاتوں میں
اسلام ہوا ٹکڑے ٹکڑے فرقوں میں جتھوں میں، ذاتوں میں
میں میٹھی نیندیں سوتا ہوں اس موت کی کالی راتوں میں
خود اپنے لہو کا پیمانہ رقصاں ہوں اُٹھائے ہاتھوں میں

ماحول کی رگ رگ میں اپنا ناپاک لہو دوڑاتا ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں، لیکن کہتے شرماتا ہوں

یہ برف سی خاموشی میں مگر۔اک درد بھری آواز ہے کیا؟
مضرابِ عجم نے چھیڑ دیا پھر دینِ عرب کا ساز ہے کیا؟
باطل کے مقابل اُبھرے ہیں پھر چند مسلمان راز ہے کیا؟
کیا ختم ہوئی طاغوتی شب ؟ صبحِ نو کا آغاز ہے کیا؟

سنتا ہوں کہیں سے بانگِ درا، اُٹھتے ہیں قدم، رک جاتا ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں، لیکن کہتے شرماتا ہوں

شمس نوید عثمانی

www.quranurdu.com

نعت

میسر ہوا گر ایمانِ کامل
کہاں کی الجھنیں کیسے مسائل

نہیں جن میں تمہارا عکس شامل
وہ نقشے ہیں مٹا دینے کے قابل

ثبوتِ عظمت انسانیت ہیں
محمد مصطفیٰ انسانِ کامل

تمہارا ہر قدم شمع ہدایت
تمہارا نقش پا تصویر منزل

ہزار آزادیوں سے لاکھ بہتر
تمہارے عشق کے طوق و سلاسل

تمہارے قول فیصل سے ہوئی ہے
نمایاں خیر و شر کی حد فاصل

سکوں مجھ کو نہیں درکار آقا
بڑھا دیجیے مری بے تابیٔ دل

اجازت ہو تو شاہا! پیش کر دوں
مرے پہلو میں ہے ٹوٹا ہوا دل

حفیظ اس عشق احمد کی بدولت
مجھے ہے دَولت کونین حاصل

www.quranurdu.com